قومی نصاب ۲۳۔۲۰۲۲ء کے مطابق

درسی کتاب

اُردو

بارھویں جماعت کے لیے

قومی نصاب کونسل
وفاقی وزارتِ تعلیم و پیشہ ورانہ تربیت حکومتِ پاکستان

نیشنل بک فاؤنڈیشن

بہ طور

وفاقی ٹیکسٹ بک بورڈ، اسلام آباد

حکومتی منظوری

اس درسی کتاب کی منظوری قومی نصاب کونسل، وزارت وفاقی تعلیم و پیشہ ورانہ تربیت، اسلام آباد کی جانب سے خط نمبر F.No.1-12/2024/NCC/Urdu-NBF، مورخہ 11 اپریل، 2025ء کے ذریعے دی گئی ہے

©2025 نیشنل بک فاؤنڈیشن بطور وفاقی ٹیکسٹ بک بورڈ

اس اشاعت کے تمام حقوق محفوظ ہیں۔ اس اشاعت کا کوئی بھی حصہ بغیر نیشنل بک فاؤنڈیشن کی تحریری اجازت کے کسی بھی شکل یا طریقے سے، خواہ وہ الیکٹرانک، میکانیکی، فوٹو کاپی، ریکارڈنگ یا کوئی اور طریقہ ہو دوبارہ تخلیق، ذخیرہ یا منتقل نہیں کیا جا سکتا۔ غیر مجاز استعمال، نقل، یا تقسیم سختی سے ممنوع ہے اور قانونی کارروائی کا سبب بن سکتی ہے۔

درسی کتاب اردو بارھویں جماعت کے لیے

(قومی نصاب ۲۳-۲۰۲۲ء کے مطابق)

مصنفین

امجد اقبال (منتظم مصنف)۔ ڈاکٹر خالد اقبال یاسر۔ محمد شاہین ملتانی بلوچ

معاونین: شہزاد احمد، ذوالفقار احمد، شاہد و عریجہ (ڈیزائنرز)

نگران نصاب اور جائزہ

ڈاکٹر تبسم ناز

ڈائریکٹر، قومی نصاب کونسل، وزارت وفاقی تعلیم و پیشہ ورانہ تربیت، حکومت پاکستان، اسلام آباد

قومی نصاب کونسل کی جائزہ کمیٹی کے ممبران

ڈاکٹر فوزیہ اسلم، محترمہ وجیہہ رضوی، محترم جاوید اقبال راجا

ڈیسک آفیسر: صائمہ عباس (ایجوکیشن آفیسر) قومی نصاب کونسل

نگران جائزہ کمیٹی (ایف بی آئی ایس ای)

مرزا علی، ڈائریکٹر (ٹیسٹ ڈویلپمنٹ)

(ایف بی آئی ایس ای) کی جائزہ کمیٹی کے ممبران

ڈاکٹر سید محسن علی عابدی، مسز کشور ناہید، جناب نور الحق، جناب شاہد محمود

ڈیسک آفیسر: سید ذوالفقار شاہ، ڈپٹی ڈائریکٹر ریسرچ اینڈ اکیڈمک

نگران درسی کتب نیشنل بک فاؤنڈیشن

ڈاکٹر کامران جہانگیر، مینجنگ ڈائریکٹر، نیشنل بک فاؤنڈیشن

انچارج درسی کتب نیشنل بک فاؤنڈیشن

منصور احمد، ڈپٹی ڈائریکٹر

یہ درسی کتاب پاکستان میں پرنٹ کی گئی ہے

اشاعت اول۔ طباعت اول: جون 2025ء | صفحات: 176 | تعداد: 100000

قیمت: -/240 روپے، کوڈ: STU-523، آئی ایس بی این: 978-969-37-1834-8

طابع: عثمان حیدر پرنٹرز، اسلام آباد

نیشنل بک فاؤنڈیشن کی دیگر اشاعتوں کے بارے میں مزید معلومات کے لیے رابطہ کیجیے، ویب سائٹ www.nbf.org.pk ملاحظہ کریں۔

آپ ہمیں اس نمبر پر 051-9261125 پر فون یا ای میل books@nbf.org.pk کے ذریعے بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔

اس درسی کتاب کے بارے میں اپنی رائے دینے کے لیے nbftextbooks@gmail.com اور textbooks@snc.gov.pk پر ای میل بھیجیے۔

نوٹ: اس کتاب میں شامل تمام تصاویر، آرٹ ورک، نقشہ جات وغیرہ صرف تعلیمی اور تشہیری مقاصد کے لیے ہیں، جو عوامی مفاد کے لیے فائدے مند ہیں۔

پیش لفظ

اُردو کی یہ نصابی کتاب برائے جماعت بارھویں قومی نصاب ۲۳۔۲۰۲۲ء کے مطابق تیار کی گئی ہے۔

بارھویں جماعت کی سطح کے بعد زبان و بیان میں قدرے رفعت اور طرزِ بیان میں ادبیت کو اہمیت دی جاتی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ نظم و نثر اور زبان کے دیگر اصول و اسالیب کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا جاتا ہے۔ مشقی سلسلے میں بھی نصابی حاصلات کے تقاضے پورے کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، چناں چہ بارھویں جماعت کی درسی کتاب کی تیاری کے دوران میں اِن پہلوؤں کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔اس میں پاکستانی اُردو کے جدید تقاضوں کی طرف بھی نشان دہی کی گئی ہے۔ خاص طور پر نثر کی مختلف اصناف، صحافتی اُردو، دفتری اُردو، عدالتی اُردو، سائنسی اور تکنیکی اُردو، کمپیوٹر اور موبائل فون کی زبان کے بہت سے ایسے پہلو ہیں، جن سے طلبہ کو روشناس کرانے کی ضرورت ہے۔ یاد رہے کہ ہمیں زبان کا استعمال سکھانا ہے۔ اساتذہ کو زیادہ زور اسی پہلو پر دینا ہوگا۔ خاص طور پر کمپیوٹر ٹیکنالوجی، موبائل فون اور ویب سائٹس کے حوالے سے اُردو کو جو حیثیت حاصل ہے، اسے تدریس کا حصہ بنانا ہوگا۔ یہ ذمے داری اُردو کے اساتذہ پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے روز مرہ اسباق میں کس طرح سے ان پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ لائبریری سے طلبہ کے ربط و ضبط اور شوق کی ترویج کے لیے کہیں کہیں اضافی معلومات اور سرگرمیاں دی گئی ہیں۔ اس سلسلے میں بھی اساتذہ کی رہ نمائی درکار ہوگی۔ اسباق، منظومات اور غزلیات کے ساتھ ہی طلبا و طالبات کی رہ نمائی کے لیے اضافی معلومات کی غرض سے مصنّفین اور شعرا کا مختصر تعارف بھی دے دیا گیا ہے۔ معیار کی رفعت، تدریسی حاصلات، ذہنی رسائی اور اُسلوب کی پیروی ہمارا نصب العین ہے۔ نیشنل بک فاؤنڈیشن نے مؤثر تدریسی مراحل کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اور خصوصی کاوشیں بہ روئے کار لاتے ہوئے مواد اور مثالوں سے اس درسی کتاب کو شائع کیا ہے۔ مزید یہ کہ اساتذہ کی رہ نمائی کے لیے ہر سبق کے آغاز میں حاصلاتِ تعلم بھی دے دیے گئے ہیں۔ بارھویں جماعت کی اس نصابی کتاب کی تیاری میں مؤلفین اور نیشنل بک فاؤنڈیشن کی ٹیم کی مساعی لائقِ تحسین ہیں۔ قومی نصاب ۲۳۔۲۰۲۲ء کی پانچوں مہارتوں سننا، بولنا، پڑھنا، لکھنا اور قواعد/زبان شناسی کے تمام حاصلاتِ تعلم کی روشنی میں اسباق کی مشقیں تیار کی گئی ہیں اور تمام مجوزہ عنوانات کو بھی شاملِ کتاب کر دیا گیا ہے۔

حتیٰ الامکان کوشش کی گئی ہے کہ کتاب غلطیوں سے پاک ہو۔ حکومتِ پاکستان کی ہدایات کے مطابق کتابوں میں اس بات کو بھی یقینی بنایا گیا ہے کہ مختلف حوالوں سے وزارتِ مذہبی امور کی جانب سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے سے جو نوٹیفکیشن جاری ہوتے رہے ہیں ان پر بھی مکمل طور پر عمل کیا جائے۔ ان نوٹیفکیشنز پر دی گئی ہدایات اور سفارشات پر حتیٰ الامکان عمل کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے۔ چوں کہ یہ کتاب قومی نصاب ۲۳۔۲۰۲۲ء کی روشنی میں ٹیسٹ ایڈیشن کے طور پر شائع کی جارہی ہے اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ اگر اس کتاب میں کسی قسم کی لسانی اور علمی نوعیت کی غلطیاں ملیں تو ہمیں ان سے آگاہ فرمائیں اور مزید بہتری کے لیے اپنی تجاویز پیش کریں تاکہ اگلے ایڈیشن میں ان کی درستی کی جاسکے۔ اس کے لیے ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

ڈاکٹر کامران جہانگیر

مینجنگ ڈائریکٹر

اس نصابی کتاب کی روزمرہ زندگی میں افادیت

دنیا کے تمام معاشروں اور تہذیبوں میں قومی زبان کو ایک بنیادی پہچان اور شناخت سمجھا جاتا ہے اور اسی بنا پر زبان وادب کی تدریس و تعلّم کو بھی لازمی قرار دیا جاتا ہے۔ اِس سے انسان کو اپنے اظہار و ابلاغ میں نکھار پیدا کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے تاکہ زندگی میں آگے چل کر وہ کسی بھی شعبے یا علم و فن کا انتخاب کر سکے۔ اس طرح وہ اپنی بات کو بہتر اور متاثر کُن انداز میں بیان کرنے سے قاصر نہیں رہتا۔ اسی نقطۂ نظر کو پیشِ نظر رکھ کر بارھویں جماعت کی اُردو لازمی کی کتاب کے مواد کو ترتیب دیا گیا ہے۔ اسے پڑھ کر طلبہ کو زبان وادب کے مختلف اندازِ بیان اور محضروں کی خصوصیات سے واقفیت ہو جائے گی۔ تمام اسباق میں مصنّفین اور شعرا کے تعارف میں حوالے کے طور پر دیگر کتب کی بھی نشان دہی کر دی گئی ہے تاکہ طلبہ میں وسعتِ مطالعہ اور تحقیق کا ذوق وشوق پیدا ہو۔ اُردو زبان کی وسعت، مطالعے، زرخیزی، اہمیت اور افادیت کا احساس جاگزیں ہو سکے۔

شاعری کی تدریس و تعلّم کا مقصد یہ ہے کہ طلبا و طالبات اپنی داخلی دنیا کی واردات، اپنی ذات اور شعور و آگہی کا انکشاف و اظہار کر سکیں کیوں کہ ایک انسان کے جذبات و احساسات، تخیّل کے ساتھ مل کر ایک خاص نظم کے تحت مخصوص ہیئت میں اظہار کی راہ پاتے ہیں تو اُس سے شاعری وجود میں آتی ہے۔ یہ اظہار دوسرے انسانوں کو فرحت اور لذت بخشتا ہے اُن کے احساسِ حُسن اور ذوقِ جمال کی تشفّی کا باعث بنتا ہے۔ ادب اور فن اس جمالیاتی پہلو کے بغیر وجود میں ہی نہیں آسکتے۔

حمد اور نعت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت وعقیدت اور لطف و کرم کو اجاگر کیا گیا ہے تاکہ حمد کو پڑھ کر طلبہ ربِّ کریم کی کرشمہ سازیوں سے آگاہ ہو سکیں اور نعت پڑھنے سے طلبہ، رسولِ کریم ﷺ کی اس عظیم نعمت سے آگاہ ہو سکیں جو آپ ﷺ کی بعثت سے بنی نوعِ انسان کو حاصل ہوئی۔ اس کے علاوہ نظمیہ اشعار پڑھ کر نہ صرف ان کا خلاصہ لکھنا بلکہ مصرعوں، شعروں، نظموں کے تلفظ، آہنگ، لحن، اور ادائی سے لطف اندوز ہونا بھی سیکھ سکیں گے۔ معلوماتی کتب، انسائیکلوپیڈیاز، انٹرنیٹ سے حوالہ جاتی مواد تلاش کرنے کی بھی مشق ہو جائے گی۔

عہدِ جدید میں سیرت و کردار کی تعمیر و تشکیل کی ضرورت و اہمیت دوچند ہو گئی ہے۔ ایسے میں اُسوۂ حسنہ بنی نوعِ انسان کے لیے ایک مینارۂ نُور کی حیثیت رکھتا ہے جس سے زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والا ہر انسان روشنی حاصل کر کے اپنی زندگی کی تیرہ راتوں کو جگمگا سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے نقشِ قدم پہ چل کے قوموں اور نسلوں کے مستقبل کو سنوارا جا سکتا ہے۔ اس ضرورت کے پیشِ نظر ''کمالِ نفس اور مکارمِ اخلاق'' سبق کو شامل کیا گیا ہے۔ مشقی سوالات میں طلبہ کو ذرائع ابلاغ سے خبروں، ڈراموں اور فیچروں میں اُٹھائے گئے اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی نکات کو سمجھ کر اُن پر گُفت گو کرنا بھی سکھایا گیا ہے۔

سبق ''محشر'' پڑھنے سے طلبہ پر یہ بات واضح ہو گی کہ اقوامِ عالم کی پہچان اور شناخت دراصل اُن کا عمل اور کردار ہوتا ہے۔ ہمیں مثبت اقدار و روایات کا عَلَم بردار ہونا چاہیے تاکہ ہم شخصی اور اِنفرادی طور پر دُنیا میں سر اٹھا کر چلنے کے قابل ہو سکیں۔ ہر کوئی انفرادی طور پر اپنی عادات و اطوار کی اصلاح

کرتے ہوئے ذہن و دل سے حسد، بُغض، نفرت، ریاکاری، دھوکے اور فریب جیسی شخصی خامیوں کو ختم کر کے اُخوّت، بھائی چارے، رواداری، جذبۂ ایثار و قربانی کو فروغ دے گا تو آگے چل کر یہ قوم کا مزاج بن جائے گا کیوں کہ قومیں افراد سے بنتی ہیں اور ہر فرد ملت کے مقدّر کا ستارا ہوتا ہے۔

انسانی رشتوں میں سب سے خُوب صورت ماں کا رشتہ ہوتا ہے۔ گھر بھر میں ماں کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ ماں ہی ہے جس کے دَم سے گھر کی چار دیواری میں رونقیں اور چہل پہل قائم دائم رہتی ہے۔ سبق ''ماں جی'' کی تدریس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ماں کس طرح براہِ راست یا بالواسطہ اپنی اولاد کی ذہنی، فکری، نفسیاتی اور جسمانی تربیت کر کے اُسے عملی زندگی کی باریکیاں اور نزاکتیں سکھاتی ہے۔

ڈراما ''رُستم و سہراب'' پڑھنے سے انسانی رویوں کے مطالعے اور مشاہدے ضرورت اُجاگر ہوتی ہے۔ اولاد معاشی، سماجی اور جسمانی اعتبار سے کتنی ہی قد آور اور مضبوط و مستحکم ہو جائے اُسے اپنے والد کے سامنے سر اُٹھانے کی جرات نہ ہوتی ہے اور نہ ہونی چاہیے۔ سہراب اپنی جان تو دے دیتا ہے لیکن رُستم پر اپنی جسمانی طاقت کی برتری ثابت نہیں کرتا محض اِس بنیاد پر کہ اُسے احوال و آثار سے لگتا ہے کہ یہ اُس کا والد ہے۔ اسی لیے تو دورانِ جنگ وہ بار بار رُستم سے اس کا نام پوچھتا ہے۔ اسی طرح روز مرہ زندگی میں ہمیں یہ سیکھنے کا موقع بھی ملے گا کہ اپنی طاقت کے زُعم میں مبتلا ہو کر ضد بازی اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے ورنہ ناقابلِ تلافی نقصان اُٹھانا پڑ سکتا ہے جو عمر بھر کے لیے پچھتاوا بن جائے گا۔ جس طرح رستم اپنے ہی بیٹے کو قتل کر دیتا ہے اگرچہ اُس کا بیٹا سہراب اُس سے برابر استفسار کرتا رہا کہ اپنا نام بتاؤ۔ سہراب مرتے وقت بھی اپنے والد کی عظمت بیان کرتے ہوئے اُسے کہتا ہے کہ تم نے مجھے مار دیا ہے، اب تمھیں میرا باپ رستم نہیں چھوڑے گا۔ تب رستم کی آنکھیں کُھلتی ہیں کہ یہ میں نے کیا کر دیا؟

''شاخوں پہ جلے بسیرے'' پڑھ کر روز مرہ زندگی میں یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ وقت ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا۔ عروج کے دنوں میں زوال کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ حالات کسی وقت بھی پلٹا کھا سکتے ہیں۔ ایک دوسرے کے لیے دلوں میں کینہ پروری کا جذبہ رکھنے کے بہ جائے پیار، محبت اور رواداری سے پیش آنا چاہیے۔

''شروع قصے کا'' پڑھ کر طلبہ کو یہ معلوم ہوگا کہ روز مرہ زندگی میں حالات کی تلخیاں جس قدر بھی بڑھ جائیں، ہمارے ہاتھ پاؤں نہیں پھولنے چاہییں۔ اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے، امید کا دامن ہاتھ سے کبھی نہ چھوٹے۔ خدا نے اگر دنیاوی طور پر اپنے لطف و کرم سے نواز رکھا ہے تو شکرانے کے طور پر خلوصِ دل سے مخلوقِ خدا کی خدمت اور رفاہِ عامہ کو اپنا شیوہ اور شعار بنائیں۔ ایسا کرنے سے خدا ہماری زندگی میں جو کمی رہ گئی ہوگی وہ بھی پوری کر دے گا۔ اس کے علاوہ اس سبق کے مشقی سوالات میں درخواست، خط، دعوت نامے یا ای میل (Email) کی تیاری بھی سکھانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

سبق ''بہادر خان کی سرگزشت'' ایک لوک کہانی ہے۔ اِسے پڑھنے سے پاکستان کے دیگر علاقوں کے رسم و رواج، تہذیب و ثقافت سے آگاہی حاصل ہوگی۔ قومی سطح پر محبت و یگانگت کی فضا پیدا کرنے میں مدد حاصل ہوگی۔ مزید یہ کہ ہمیں توہمات اور ضعیف الاعتقادی سے کس طرح خود کو بچانا ہے، طلبہ یہ بھی جان سکیں گے۔ مشقی سوالات میں اس بات کی تدریس کو بھی حصہ بنایا گیا ہے کہ طلبہ کسی خبر، کالم، رپورٹ کی جزئیات کو پڑھ کر تنقید و تبصرہ بھی کر سکیں یعنی انھیں کسی موضوع پر فی البدیہہ متاثر کن انداز میں کی بولنے کی مہارت بھی حاصل ہو جائے۔

روز مرہ معاملات و معمولات میں ضرورت سے زیادہ سنجیدگی کے احساس نے بھی ہمیں مضطرب کر رکھا ہے۔ ایسے میں طنز و مزاح اور شگفتہ بیانی ہمیں ذہنی تناؤ سے نجات دلانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ سبق ''مکافی'' کی تدریس و تعلم سے یہ آگاہی دی جا سکے گی کہ ہم پر دوسری تہذیبوں کے اثرات کس حد تک مرتب ہو رہے ہیں۔

سبق ''مینار'' اور ''نظریۂ پاکستان'' کو پڑھ کر طلبہ پاکستان، پاکستانیت اور اس کی تاریخ اور شناخت کی عَلَم بردار علامتوں کے پس منظر اور پیش منظر سے آگاہ ہو سکیں گے۔ اسلامی اور مغربی نظریۂ قومیت اور وطنیت سے واقفیت حاصل ہو گی۔ جذبۂ حب الوطنی کو فروغ حاصل ہو گا۔

نظم ''میں روزے سے ہوں'' میں شاعر نے طنزیہ اور مزاحیہ انداز میں ہمارے ایک سماجی رویے کو بیان کیا ہے کہ ہم ایک مذہبی فریضے کی ادائیگی کرتے ہوئے روزمرہ زندگی کے معاملات سے کس طرح پہلو تہی برتتے ہیں۔ نظم کی تدریس سے طلبہ کو یہ سمجھنے میں مدد ملے گی کہ مذہبی فرائض کی ادائیگی ہمیں تساہل پسند اور سست نہ بنائے۔ طنز و مزاح کا تو مقصد ہی یہی ہوتا ہے کہ اُن خامیوں کی ہلکے پھلکے انداز میں نشان دہی کر دی جائے جنھیں ہم سنجیدہ الفاظ میں سننا شاید پسند نہ کریں۔

نظم ''نثار میں تیری گلیوں پہ'' پڑھنے سے یہ شعور اجاگر ہوتا ہے کہ ملک و قوم کی ترقی کے لیے سماجی انصاف اور مساوات کس قدر اہم ہے۔ ظالم کو ظالم اور ظلم کو ظلم کہنا صرف شاعروں ادیبوں کی نہیں بلکہ ہم سب کی ذمے داری ہونی چاہیے، یہی زندہ قوموں کا شیوہ اور شعار ہوتا ہے۔ نظم ''انسانِ کامل کی برکات'' پڑھنے سے اُن فیوض و برکات سے آگاہی ہو گی جو بعثتِ نبوی ﷺ سے عالمِ انسانیت کو حاصل ہوئے۔ نظم ''نئی نسل کا نوحہ'' پڑھ کر طلبا و طالبات اپنی ذمے داریوں اور مستقبل کے تقاضوں سے خود کو ہم آہنگ کر سکیں گے کہ رائیگانی کے سفر سے خود کو کس طرح محفوظ رکھنا ہے۔ اس کے علاوہ مشقی سوالات میں کسی موضوع پر مدلل اور مؤثر انداز میں تقریر کرنے کے فن سے بھی طلبہ آگاہ ہو سکیں گے۔ ''داستان تیاری میں باغ کی'' پڑھ کر طلبہ کو یہ بات سمجھ آئے گی کہ حقیقی اور شاعری کی دنیا میں کتنا فرق ہے؟ انسان اپنے تخیل میں فکری طور پر اس دنیا کو کتنا خوب صورت باغ بنانے کی خواہش رکھتا ہے؟ اس نظم میں طرح طرح کے پھولوں کے ناموں سے آگاہی ملے گی جنھیں ہم نے اپنی روزمرہ زندگی سے بے دخل کر دیا ہے۔

''حصہ غزل'' کی تدریس سے یہ سمجھ میں آئے گا کہ الفاظ کو درست تلفظ اُتار چڑھاؤ اور آہنگ سے کس طرح ادا کیا جائے۔ مختلف قسم کے خیالات، آرا اور روّیوں کا تعلق سمجھ کر اپنی رائے دے سکیں۔ لغت، تھیسارس، قاموس مترادفات، انسائیکلوپیڈیاز، لغات سے مواد کی تلاش اور کسی موضوع کے حق یا مخالفت میں مدلل بات کرنا سیکھ سکیں گے۔ حصہ غزل پڑھ کر طلبہ یہ بات بھی سیکھیں گے کہ ایک ہی بات کو مختلف اور منفرد اسالیب اور ذریعوں سے بیان کر سکیں۔ مباحثے، سیمیناروں میں اپنی بات کو کس طرح جوش و ولولے، تاثر اور دلیل کے ساتھ پیش کرنا ہے، اس حوالے سے بھی غزلیات کی مشقوں کو ترتیب دیا گیا ہے۔ ڈیجیٹل لائبریری/لائبریری کی درجہ بندی اور فہرست کو سمجھ کر اسے استعمال کرنے کی مہارت بھی طلبہ کو حاصل ہو جائے گی۔

فرہنگ سے مشکل الفاظ کے معانی سمجھنے اور ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ممکن ہو سکے گا۔ اہلِ علم و دانش، اساتذہ کرام اور والدین سے بھی گزارش ہے کہ اس موضوع سے متعلق اپنے مثبت افکار و خیالات سے بھی مستفید فرمائیں تا کہ اس عبارت کو مزید جامع اور اثر انگیز بنایا جا سکے۔

امجد اقبال

ایسوسی ایٹ پروفیسر

(منتظم مصنف)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔

فہرست اسباق

نمبر شمار	عنوان		صفحہ نمبر
	حصہ نثر		
۱۔	کمالِ نفس اور مکارمِ اخلاق	مولانا صفی الرحمن مبارک پوری	۸
۲۔	محشر	غوث بہار	۱۸
۳۔	ماں جی	قدرت اللہ شہاب	۲۷
۴۔	رستم و سہراب	آغا حشر کاشمیری	۳۷
۵۔	شاخوں پر جلے ہوئے بسیرے	شمس الرحمٰن فاروقی	۴۵
۶۔	شروع قصے کا	میر امن دہلوی	۵۸
۷۔	بہادر خان کی سرگزشت	انور رومان	۷۰
۸۔	کافی	مشتاق احمد یوسفی	۷۷
۹۔	مینار	مختار مسعود	۸۴
۱۰۔	نظریۂ پاکستان	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان	۹۳
	حصہ نظم		
۱۔	حمد	سید صبیح الدین رحمانی	۱۰۰
۲۔	نعت	افتخار عارف	۱۰۵
۳	میں روزے سے ہوں	سید ضمیر جعفری	۱۱۲
۴۔	نثار میں تری گلیوں کے...	فیض احمد فیض	۱۱۵
۵۔	انسانِ کامل کی برکات	حفیظ جالندھری	۱۲۲
۶۔	نئی نسل کا نوحہ	امجد اسلام امجد	۱۲۸
۷۔	داستان تیاری میں باغ کی	میر حسن	۱۳۳
	حصہ غزل		
۱۔	جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا	خواجہ میر درد	۱۴۰
۲۔	سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں	مرزا اسد اللہ غالب	۱۴۵
۳۔	ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں	علامہ اقبال	۱۴۹
۴۔	وہی خواب آنکھوں میں ڈال دے جو نشاطِ شام وصال دے	محسن احسان	۱۵۵
۵۔	یہ فخر تو حاصل ہے بُرے ہیں کہ بھلے ہیں	ادا جعفری	۱۶۲
*	فرہنگ		۱۶۷

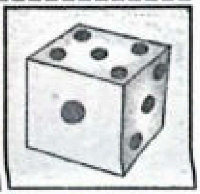

۱ کمالِ نفس اور مکارمِ اخلاق

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- پڑھے گئے متن کے کسی حصے کو دہراتے ہوئے حوالوں اور دلائل کے ساتھ اظہارِ رائے کرتے ہوئے متعلقہ حصے پر جزئیات کے ساتھ تبصرہ پیش کر سکیں۔
- کلام/بات کو آغاز/درمیان سے سن کر نظم و نثر کے مرکزی خیال، نکتے یا تصور تک رسائی حاصل کر کے سیاق و سباق کو سمجھ اور موضوع کو بیان کر سکیں۔
- کسی بھی نظم یا نثر کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھ سکیں۔
- کسی بھی نظم یا نثر کو پڑھ کر مصنف/شاعر اور قاری کے نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے مرکزی خیال تحریر کر سکیں۔
- بات کو درمیان سے سن کر سیاق و سباق کے ساتھ بیان کر سکیں۔
- ذرائع ابلاغ سے خبروں، ڈراموں اور فیچروں وغیرہ میں اٹھائے گئے اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی نکات سن کر استحسانی اور تنقیدی گفت گو کر سکیں۔
- حروفِ فجائیہ: تحریر و تقریر میں تاثر لانے والے الفاظ (ندا، تحسین، نفرین، تاسف، انبساط، تنبیہ، استعجاب، تہنیت، تمنا اور قسم) کی نشان دہی کرتے ہوئے استعمال کر سکیں۔
- مختلف عبارتیں پڑھ کر ان میں درج معلومات اور تصورات کی پیش کش پر تبصرہ کرتے ہوئے قارئین پر ان کے اثرات کا تجزیہ کریں۔

خاص الفاظ					
	جوامعُ الکلام	فصاحت وبلاغت	قُوّتِ تخاطب	شُستگیِ الفاظ	بدویوں
	زورِ بیان	حاشیہ بردار	صِلۂ رحمی	خبرگیری	شمائل وخصائل

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی روشنی میں اپنے کردار اور شخصیت کے سنوارنے کے حوالے سے معلومات بہم پہنچائیں۔ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے طلبہ کو یہ سبق پڑھنے پہ مجبور نہ کیا جائے۔

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

مولانا شبلی نعمانی کی "سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم" اور "الرحیق المختوم" کے موضوع کا کیا فرق ہے؟

پڑھیں

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم فصاحت و بلاغت میں ممتاز تھے۔ آپ طبیعت کی روانی، لفظ کے نکھار، فقروں کی جزالت، معانی کی صحت اور تکلف کی دُوری کے ساتھ ساتھ جوامعُ الکلام (جامع باتوں) سے نوازے گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو نادر حکمتوں اور عرب کی تمام زبانوں کا علم عطا ہوا تھا۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ہر قبیلے سے اُسی کی زبان اور محاوروں میں گفت گو فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم میں بدویوں کا زورِ بیان اور قوّتِ تخاطب اور شہریوں کی شستگیِ الفاظ شفتگی و شائستگی جمع تھی اور وحی پر مبنی تائیدِ ربانی الگ سے۔

بُردباری، قوتِ برداشت، قُدرت پاکر دَر گذر اور مشکلات پر صبر؛ ایسے اوصاف تھے جن کے ذریعے اللہ نے آپ ﷺ کی تربیت کی تھی۔ ہر حلیم و بُردبار کی کوئی نہ کوئی لغزِش اور کوئی نہ کوئی زبان کی بے احتیاطی جانی جاتی ہے مگر نبی ﷺ کی بلندی کردار کا یہ عالَم تھا کہ آپ ﷺ کے خلاف دشمنوں کی ایذارسانی اور بدمعاشیوں کی خودسَری و زیادتی جس قَدَر بڑھتی گئی آپ ﷺ کے صَبر و حِلم میں اُسی قدر اِضافہ ہوتا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جب بھی دو کاموں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو آپ ﷺ وہی کام اختیار فرماتے جو آسان ہوتا، جب تک کہ وہ گناہ کا کام نہ ہوتا۔ اگر گناہ کا کام ہوتا تو آپ سب سے بڑھ کر اُس سے دُور رہتے۔ آپ ﷺ نے کبھی اپنے نَفس کے لیے انتقام نہ لیا۔ البتہ اگر اللہ کی حُرمت چاک کی جاتی تو آپ ﷺ اللہ کے لیے انتقام لیتے۔

آپ ﷺ سب سے بڑھ کر غیظ و غضَب سے دُور تھے اور سب سے جلد راضی ہو جاتے تھے۔ جُود و کرَم کا وَصف ایسا تھا کہ اِس کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ آپ ﷺ اُس شخص کی طرح بَخشِش و نوازِش فرماتے تھے جسے فَقر کا اندیشہ ہی نہ ہو۔ اِبنِ عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ سب سے بڑھ کر پیکرِ جُود و سخا تھے اور آپ ﷺ کا دریائے سخاوت، رمضان میں اُس وقت زیادہ جوش پر ہوتا جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ سے ملاقات فرماتے اور قرآن کا دَور کراتے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ایسا کبھی نہ ہُوا کہ آپ ﷺ سے کوئی چیز مانگی گئی ہو اور آپ ﷺ نے "نہ" کہہ دیا ہو۔

شجاعت، بہادری اور دلیری میں بھی آپ ﷺ کا مقام سب سے بلند اور معرُوف تھا۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ دلیر تھے۔ نہایت کٹھن اور مشکل مواقع پر جب کہ اچھے اچھے جاں بازوں کے پاؤں اُکھڑ گئے، آپ ﷺ اپنی جگہ برقرار رہے اور پیچھے ہٹنے کی بجائے آگے ہی بڑھتے گئے۔ پائے ثَبات میں ذرا لغزِش نہ آئی۔ بڑے بڑے بہادر بھی کبھی نہ کبھی بھاگے اور پسپا ہوئے ہیں مگر آپ ﷺ میں یہ بات کبھی نہیں پائی گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب زور کا رَن پڑتا تھا اور جنگ کے شعلے خُوب بھڑک اُٹھتے تو ہم رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی آڑ لیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی دشمن کے قریب نہ ہوتا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک رات اہلِ مدینہ کو خطرہ محسوس ہُوا۔ لوگ شور کی طرف دوڑے تو راستے میں رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ واپس آتے ہوئے ملے۔ آپ ﷺ لوگوں سے پہلے ہی آواز کی جانب پہنچ کر، خطرے کے مقام کا جائزہ لے چکے تھے۔ اُس وقت آپ ﷺ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے، بغیر زِین کے گھوڑے پر سوار تھے۔ گردن میں تلوار حمائل کر رکھی تھی اور فرما رہے تھے: "ڈرو نہیں، ڈرو نہیں۔" (کوئی خطرہ نہیں)

آپ ﷺ سب سے زیادہ حیادار اور تھے۔ ابو سعید خُدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ پردہ نشین کنواری عورت سے بھی زیادہ حیادار تھے۔ جب آپ ﷺ کو کوئی بات ناگوار گزرتی تو چہرے سے پتا لگ جاتا۔ اپنی نظریں کسی کے چہرے پر گاڑتے نہ تھے۔ نگاہ پست رکھتے تھے اور آسمان کی بہ نسبت زمین کی طرف نظر زیادہ دیر تک رہتی تھی۔ عموماً نیچی نگاہ سے تاکتے۔ حیا اور کرمِ نفس کا یہ عالَم تھا کہ کسی سے ناگوار بات رُو بہ رُو نہ کہتے اور کسی کی کوئی ناگوار بات آپ ﷺ تک پہنچتی تو نام لے کر اُس کا ذکر نہ کرتے بلکہ یوں فرماتے کہ کیا بات ہے کچھ لوگ ایسا کر رہے ہیں۔ فرزُدق کے اس شعر کے سب سے زیادہ صحیح مصداق آپ ﷺ تھے:

یغضی حیاء و یغضی من مهابة   فلا یکلم الا حین یبتسم

(ترجمہ: آپ ﷺ حیا کے سبب اپنی نگاہ پست رکھتے تھے اور آپ ؐ کی ہیبت کے سبب نگاہیں پست رکھی جاتی تھیں، چناں چہ آپ ﷺ سے اُسی وقت گُفت گُو کی جاتی ہے جب آپ ﷺ تبسُّم فرما رہے ہوں۔)

آپ ﷺ سب سے زیادہ عادل، پاک دامن، صادق اللہجہ اور عظیم الامانۃ تھے۔ اس کا اعتراف آپ ﷺ کے دوست دشمن سب کو ہے۔ نبوت سے پہلے آپ ﷺ کو امین کہا جاتا تھا اور دَورِ جاہلیت میں آپ ﷺ کے پاس فیصلے کے لیے مقدمات لائے جاتے تھے۔ جامع ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار ابو جہل نے آپ ﷺ سے کہا: "ہم آپ ﷺ کو جھوٹا نہیں کہتے البتہ آپ ﷺ جو کچھ لے کر آئے ہیں، اُسے جُھٹلاتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فانھم لایکذبونک ولکن الظلمین۔۔۔۔۔۔۔(۳۳،۶)

(ترجمہ: یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں)

ہرقل نے ابو سفیان سے دریافت کیا کہ کیا اس نبی ﷺ نے جو بات کہی ہے، اس کے کہنے سے پہلے تم لوگ اُس پر جھوٹ کا الزام لگاتے تھے؟ تو ابو سفیان نے جواب دیا کہ "نہیں"۔

آپ ﷺ سب سے زیادہ متواضع اور تکبُّر سے دُور تھے۔ جس طرح بادشاہوں کے لیے ان کے خُدام و حاشیہ بردار کھڑے رہتے ہیں اِس طرح اپنے لیے آپ ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کو کھڑے ہونے سے منع فرماتے تھے۔ مسکینوں کی عیادت کرتے تھے، فقرا کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے تھے، غلام کی دعوت منظور فرماتے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم میں کسی امتیاز کے بغیر ایک عام آدمی کی طرح بیٹھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ اپنے جُوتے خُود ٹانکتے تھے، اپنے کپڑے خود سیتے تھے اور اپنے ہاتھ سے اس طرح کام کرتے تھے جیسے تم میں سے کوئی آدمی اپنے گھر کے کام کاج کرتا ہے۔ آپ ﷺ بھی انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ اپنی بکری خود دوہتے اور اپنا کام خود کرتے تھے۔

آپ ﷺ سب سے بڑھ کر عہد کی پابندی اور صلہء رحمی فرماتے تھے۔ لوگوں کے ساتھ سب سے زیادہ شفقت و رحم و مروت سے پیش آتے تھے۔ رہائش اور ادب میں سب سے اچھے تھے۔ آپ ﷺ کا اخلاق سب سے زیادہ کشادہ تھا۔ بدخُلقی سے سب سے زیادہ دُور و نفُور تھے۔ نہ لعنت کرتے تھے، نہ بازار میں چیختے چلاتے تھے، نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے بلکہ معافی اور دَرگُذر سے کام لیتے تھے۔ کسی کو اپنے پیچھے چلتا ہوا نہ چھوڑتے تھے اور نہ کھانے پینے میں اپنے غلاموں اور لونڈیوں سے تَرفُّع اختیار فرماتے تھے۔ اپنے خادم کا کام خود ہی کر دیتے تھے۔ کبھی اپنے خادم کو اُف نہیں کہا نہ اس پر کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر عتاب فرمایا۔ مسکینوں سے محبت کرتے، ان کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے اور ان کے جنازوں میں حاضر ہوتے تھے۔ کسی فقیر کو اس کے فقر کی وجہ سے حقیر نہیں سمجھتے تھے۔ ایک بار آپ ﷺ سفر میں تھے۔ ایک بکری کاٹنے پکانے کا مشورہ ہُوا۔ ایک نے کہا: ذبح کرنا میرے ذمے۔ دوسرے نے کہا: کھال اُتارنا میرے ذمے۔ تیسرے نے کہا: پکانا میرے ذمے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ایندھن کی لکڑیاں جمع کرنا میرے ذمے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہم آپ ﷺ کا کام کر دیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں جانتا ہوں کہ تم لوگ میرا کام کر دو گے لیکن میں پسند نہیں کرتا کہ تم پر امتیاز حاصل کروں کیوں کہ اللہ اپنے بندے کی یہ حرکت ناپسند فرماتا ہے کہ اپنے آپ کو اپنے رفقا سے ممتاز سمجھے۔" اس کے بعد آپ ﷺ نے اُٹھ کر لکڑیاں جمع فرمائیں۔

آیئے! ذرا ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی رسول اللہ ﷺ کے اوصاف سنیں۔ حضرت ہند رضی اللہ عنہ اپنی ایک طویل روایت میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ہمیشہ غور و فکر فرماتے رہتے تھے۔ بلا ضرورت نہ بولتے تھے۔ دیر تک خاموش رہتے تھے، از اول تا آخر بات پورے منہ سے کرتے تھے یعنی صرف منہ کے کنارے سے نہ بولتے تھے۔ جامع اور دوٹوک کلمات کہتے تھے جن میں نہ فضول گوئی ہوتی تھی نہ کوتاہی۔ نرم خُو تھے۔ نعمت معمولی بھی ہوتی تو اس کی تعظیم کرتے تھے۔ کسی چیز کی مذمت نہیں فرماتے تھے۔ حق کو کوئی نقصان پہنچاتا تو جب تک انتقام نہ لے لیتے آپ ﷺ کے غضب کو روکا نہ جاسکتا تھا۔ جب آپ ﷺ اشارہ فرماتے تو پوری ہتھیلی سے اشارہ فرماتے اور تعجب کے وقت ہتھیلی پلٹتے۔ آپ ﷺ کی بیشتر ہنسی تبسم کی صورت میں تھی، مسکراتے تو دانت اولوں کی طرح چمکتے۔ ساتھیوں کو جوڑتے تھے، توڑتے نہ تھے۔ ہر قوم کے معزز آدمی کی تکریم فرماتے تھے اور اُسی کو اُن کا والی بناتے تھے۔ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کی خبر گیری کرتے اور لوگوں کے حالات دریافت فرماتے۔ جو لوگ آپ ﷺ کے قریب رہتے تھے، وہ سب سے اچھے لوگ تھے اور اُن میں بھی آپ ﷺ کے نزدیک افضل وہ تھا جو سب سے بڑھ کر خیر خواہ ہو اور سب سے زیادہ قدر آپ ﷺ کے نزدیک اُس کی تھی جو سب سے اچھا غم گُسار و مدد گار ہو۔

آپ ﷺ اُٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر ضرور فرماتے، جگہیں متعین نہ فرماتے۔۔۔ یعنی اپنے لیے کوئی امتیازی جگہ مقرر نہ فرماتے۔۔۔ جب قوم کے پاس پہنچتے تو مجلس میں جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے اور اسی کا حکم فرماتے۔ سب اہل مجلس پر برابر توجہ فرماتے حتیٰ کہ کوئی جلیس یہ محسوس نہ کرتا کہ کوئی شخص آپ ﷺ کے نزدیک اس سے زیادہ با عزت ہے۔ کوئی کسی ضرورت سے آپ ﷺ کے پاس بیٹھتا یا کھڑا ہوتا تو آپ ﷺ اتنے صبر کے ساتھ اُس کے لیے رُکے رہتے کہ وہ خُود ہی واپس ہوتا۔ کوئی کسی ضرورت کا سوال کر دیتا تو آپ ﷺ اُسے عطا کیے بغیر یا اچھی بات کہے بغیر واپس نہ فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی خندہ جبینی اور اخلاق سے سب کو نوازا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ سب کے لیے باپ کا درجہ رکھتے تھے اور سب آپ ﷺ کے نزدیک یکساں حق رکھتے تھے، کسی کو فضیلت تھی تو تقویٰ کی بنیاد پر۔ آپ ﷺ کی مجلس حلم و حیا اور صبر و امانت کی مجلس ہوتی تھی۔ اس میں آوازیں بلند نہ کی جاتی تھیں اور نہ حُرمتوں پر عیب لگتے تھے۔۔۔ یعنی کسی کی بے آبروئی کا اندیشہ نہ تھا۔۔۔ لوگ تقویٰ کی یہ دولت، باہم محبت و ہم دردی رکھتے تھے۔ بڑے کا احترام کرتے تھے، چھوٹے پر رحم کرتے تھے۔ حاجت مند کو نوازتے تھے اور اجنبی کو اُنس عطا کرتے تھے۔ خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ اپنی مجلس میں سب سے زیادہ باوقار ہوتے۔ اپنے پاؤں وغیرہ نہ پھیلاتے۔

حاصل یہ کہ نبی ﷺ بے نظیر صفاتِ کمال سے آراستہ تھے۔ آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کو بے نظیر ادب سے نوازا تھا حتیٰ کہ اُس نے خود آپ ﷺ کی تعریف میں فرمایا:

وانک لعلیٰ خلق عظیم (القلم: آیت ۴)

(ترجمہ: یقیناً آپ عظیم اخلاق پر ہیں۔)

اور یہ ایسی خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے لوگ آپ ﷺ کی طرف کھنچ آتے۔ دِلوں میں آپ ﷺ کی محبت بیٹھ گئی اور آپ ﷺ کو قیادت کا وہ مقام حاصل ہُوا کہ لوگ آپ ﷺ پر وارفتہ ہوگئے۔ اِن ہی خوبیوں کے سبب آپ ﷺ کی قوم کی اکڑ اور سختی، نرمی میں تبدیل ہوئی۔ یہاں تک کہ یہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوگئی۔ یاد رہے کہ جن خوبیوں کا ذکر ہم نے کیا ہے وہ آپ ﷺ

کے کمال اور عظیم صفات کے مظاہر کی چند چھوٹی چھوٹی لکیریں ہیں۔ ورنہ آپ ﷺ کے شرف اور شمائل و خصائل کی بلندی اور کمال کا یہ عالم تھا کہ اُن کی حقیقت اور تہ تک نہ رسائی ممکن ہے نہ اس کی گہرائی ناپی جاسکتی ہے۔ بھلا عالم وجود کے اس سب سے عظیم بشر کی عظمت کی انتہا تک کس کی رسائی ہو سکتی ہے جس نے مجد د کمال کی سب سے بلند چوٹی پر اپنا نشیمن بنایا اور اپنے رب کے نُور سے اِس طرح منور ہوا کہ کتاب الٰہی ہی کو اُس کا وَصف اور خُلق قرار دیا گیا یعنی:

ع قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

(الرحیق المختوم)

مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری (۱۹۴۳ء۔۲۰۰۶ء)

مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری ایک سوانح نگار، عالم اور معروف مصنف تھے۔ اُتر پردیش کے ضلع اعظم گڑھ کے ایک گاؤں میں پیدائش ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے دادا جان اور چچا جان سے حاصل کی جو زیادہ تر فارسی، عربی اور قرآن مجید سے متعلق تھی۔ اس کے بعد باقاعدہ تعلیم کے لیے مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں داخلہ لیا۔

آپ کی شہرہ آفاق تصنیف ''الرحیق المختوم'' ہے جو سیرتِ رسول ﷺ یا حیاتِ طیبہ کے مختلف پہلوؤں اور زاویوں پر مستند ترین دستاویز سمجھی جاتی ہے۔ پہلے یہ کتاب عربی میں لکھی اور بعد میں خود ہی اس کا اردو ترجمہ بھی کر دیا۔ اسلام اور عدم تشدد، تذکرہ مولانا محمد بن عبدالوہاب، قادیانیت اپنے آئینے میں، کے علاوہ دیگر تصانیف بھی مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری کے علمی ترفع اور مقام و مرتبے کا ثبوت ہیں۔ آپ کو فارسی اور عربی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ ''الرحیق المختوم'' کو رابطۂ اسلامی مکہ کی طرف سے منعقدہ مقابلۂ سیرت النبی ﷺ میں پہلے انعام سے نوازا گیا۔ ۱۹۷۹ء میں منعقد ہونے والے اس مقابلے میں ساری دنیا سے دس ہزار سے زائد مقالے / مضامین پیش کیے گئے تھے۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری تریسٹھ سال کی عمر میں اس دنیائے فانی سے کُوچ کر گئے اور مبارک پور میں سپردِ خاک کیے گئے۔

مشق

۱:۔ مناسب ترین جواب کا انتخاب کریں:

(i) نبی ﷺ فصاحت و بلاغت میں تھے:

الف۔ سب سے بڑھ کر ب۔ ممتاز ج۔ قابلِ فخر د۔ بے مثال

(ii) جب نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال کو محفوظ کرنا شروع کیا گیا تو اُسی دن سے شروع ہو گئی:

الف۔ نعت گوئی ب۔ قصیدہ گوئی د۔ سیرت نگاری ج۔ تاریخ نگاری

(iii) سبق ''کمالِ نفس اور مکارمِ اخلاق'' کس کتاب سے لیا گیا ہے؟

الف۔ سیرت النبی ﷺ ب۔ الرحیق المختوم ج۔ خاتم المرسلین د۔ اُسوۂ کامل

(iv)۔ نبوت سے پہلے آپ ﷺ کو کہا جاتا تھا:

الف۔ امین . ب۔ امیر مکہ ج۔ رئیس مکہ د۔ سردارِ اعلیٰ

(v) آپ ﷺ مسکراتے تو دانت چمکتے:

الف۔ ستاروں کی طرح ب۔ چاند کی طرح ج۔ اولوں کی طرح د۔ بجلیوں کی طرح

۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب لکھیں:

الف۔ مصنف نے آپ ﷺ کے لیے "جوامع الکلام" کی لفظی ترکیب کس بنیاد پر استعمال کی ہے؟

ب۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی تربیت کن اوصاف کے ذریعے کی تھی؟

ج۔ اس سبق کو پڑھنے کے بعد حضور ﷺ کی شخصیت کے تین اوصاف اپنے الفاظ میں لکھیں۔

د۔ آپ ﷺ کی بلندی کردار کن باتوں سے ظاہر تھی؟

ہ۔ حضور ﷺ کے جود و سخا کے متعلق ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ کا کیا بیان ہے؟

و۔ حضور ﷺ کی شخصیت میں بہادری اور دلیری کس حد تک تھی؟ وضاحت کریں۔

ز۔ حضور ﷺ کی بہادری سے متعلق بیان کیے گئے واقعے کو اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔

ح۔ حضرت ابو خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کے حیادار ہونے کے متعلق کیا فرمایا؟

ط۔ اپنے روز مرہ کے معاملات (کاموں) میں حضور ﷺ کا کیا معمول تھا؟

ی۔ حضور ﷺ کی مجالس کی کیفیت کیا ہوا کرتی تھی؟

مرکزی خیال:

مرکزی خیال کا لغوی مطلب وہ خاص معنیٰ جسے ادبی اظہار کا روپ دینا، فن کار کا مقصد ہوتا ہے۔ اس لیے ادب پارے کو ایک دائرہ سمجھ لیا جاتا ہے اور مقصد کو مرکز۔ اصطلاحی اعتبار سے کسی بھی نظم یا نثر پارے کا نچوڑ یا اصلی مفہوم جس کو سامنے رکھ کر شاعر یا ادیب اسے تخلیق کرتا ہے، مرکزی خیال کہلاتا ہے۔ مرکزی خیال شاعر یا مصنف کے بنیادی پیغام کو سمجھ کر انتہائی مختصر الفاظ میں دو سے تین سطروں میں لکھ دیا جاتا ہے۔

خلاصہ:

کسی تحریر کے اہم نکات کو بیان کرنے کے لیے لکھا جاتا ہے۔ زائد الفاظ، جملوں اور خیالات و تصورات کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ خلاصے میں واقعات اور جملوں کی تکرار سے بچا جاتا ہے۔ طویل جملوں کو مختصر بنایا جاتا ہے جب کہ متعدد پیراگرافوں کو ایک یا کم سے کم پیراگراف میں لکھا جاتا ہے۔ گویا خلاصہ کسی بھی تحریر کا مختصر تحریری اظہار ہوتا ہے لیکن اس میں اصل تحریر کا کوئی اہم نکتہ چھوڑا نہیں جاتا۔ اگر تحریر مکالمے کی صورت میں ہو تو خلاصے یا تلخیص کو رواں عبارت کی صورت میں پیراگراف میں لکھیں گے۔

۳۔ سبق "کمالِ نفس اور مکارمِ اخلاق" کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھیں۔

۴۔ سبق کو پڑھ کر مصنف اور قاری کے نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے مرکزی خیال تحریر کریں۔

درج ذیل عبارت سبق کے درمیان سے لی گئی ہے، ایک طالب علم اسے بلند آواز میں درست تلفظ کے ساتھ پڑھے جب کہ باقی طلبہ اس کے مرکزی خیال تک رسائی حاصل کر کے اس کے سیاق (دی گئی عبارت کے بعد کا حصہ) اور سباق (دی گئی عبارت سے قبل کا حصہ) کے ساتھ اس کے اہم نکات کو باری باری بیان کریں:

شجاعت، بہادری اور دلیری میں بھی آپ ﷺ کا مقام سب سے بلند اور معرُوف تھا۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ دلیر تھے۔ نہایت کٹھن اور مشکل مواقع پر جب کہ اچھے اچھے جاں بازوں کے پاؤں اُکھڑ گئے، آپ ﷺ اپنی جگہ برقرار رہے اور پیچھے ہٹنے کی بہ جائے آگے ہی بڑھتے گئے۔ پائے ثبات میں ذرا لغزِش نہ آئی۔ بڑے بڑے بہادر بھی کبھی نہ کبھی بھاگے اور پسپا ہوئے ہیں مگر آپ ﷺ میں یہ بات کبھی نہیں پائی گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب زور کا رَن پڑتا تھا اور جنگ کے شعلے خُوب بھڑک اُٹھتے تو ہم رسول اللہ ﷺ کی آڑ لیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی دشمن کے قریب نہ ہوتا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک رات اہلِ مدینہ کو خطرہ محسوس ہُوا۔ لوگ شور کی طرف دوڑے تو راستے میں رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ واپس آتے ہوئے ملے۔ آپ ﷺ لوگوں سے پہلے ہی آواز کی جانب پہنچ کر، خطرے کے مقام کا جائزہ لے چکے تھے۔ اُس وقت آپ ﷺ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے، بغیر زِین کے گھوڑے پر سوار تھے۔ گردن میں تلوار حمائل کر رکھی تھی اور فرما رہے تھے: "ڈرو نہیں، ڈرو نہیں۔" (کوئی خطرہ نہیں)

سبق کے پڑھے گئے درج ذیل حصے کو دہراتے ہوئے حوالوں اور دلائل کے ساتھ اظہار خیال کریں جب کہ آخر میں دی گئی جزئیات کو پیش نظر رکھ کر تبصرہ تحریر کریں:

آپ ﷺ اُٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر ضرور فرماتے، جگہیں متعین نہ فرماتے۔ یعنی اپنے لیے کوئی امتیازی جگہ مقرر نہ فرماتے۔ جب قوم کے پاس پہنچتے تو مجلس میں جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے اور اسی کا حکم فرماتے۔ سب اہلِ مجلس پر برابر توجہ فرماتے حتیٰ کہ کوئی جلیس یہ محسوس نہ کرتا کہ کوئی شخص آپ ﷺ کے نزدیک اس سے زیادہ باعزت ہے۔ کوئی کسی ضرورت سے آپ ﷺ کے پاس بیٹھتا یا کھڑا ہوتا تو آپ ﷺ اتنے صبر کے ساتھ اُس کے لیے رُکے رہتے کہ وہ خُود ہی واپس ہوتا۔

کوئی کسی ضرورت کا سوال کر دیتا تو آپ ﷺ اُسے عطا کیے بغیر یا اچھی بات کہے بغیر واپس نہ فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی خندہ جبینی اور اخلاق سے سب کو نوازا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ سب کے لیے باپ کا درجہ رکھتے تھے اور سب آپ ﷺ کے نزدیک یکساں حق رکھتے تھے، کسی کو فضیلت تھی تو تقویٰ کی بنیاد پر۔ آپ ﷺ کی مجلس حلم وحیا اور صبر وامانت کی مجلس ہوتی تھی۔ اس میں آوازیں بلند نہ کی جاتی تھیں اور نہ حُرمتوں پر عیب لگتے تھے۔۔۔ یعنی کسی کی بے آبروئی کا اندیشہ نہ تھا۔۔۔ لوگ تقویٰ کی بہ دولت، باہم محبت وہم دردی رکھتے تھے۔ بڑے کا احترام کرتے تھے، چھوٹے پر رحم کرتے تھے۔ حاجت مند کو نوازتے تھے اور اجنبی کو اُنس عطا کرتے تھے۔ خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ اپنی مجلس میں سب سے زیادہ باوقار ہوتے۔ اپنے پاؤں وغیرہ نہ پھیلاتے۔

الف۔ اس عبارت میں ان مجلسی آداب کے متعلق بیان کیا گیا ہے جنھیں حضور ﷺ پیش نظر فرماتے۔ حضور ﷺ نے جن آداب کو ملحوظِ خاطر رکھا انھیں اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔

ب۔ محفل میں اگر ہمارا مقام و مرتبہ ممتاز اور نمایاں بھی ہو تو ہمیں کس طرح کا طرزِ عمل اپنانا چاہیے؟ درج بالا عبارت کی روشنی میں تبصرہ تحریر کریں

تنقید:

عربی زبان کا لفظ ہے جو نقد سے ماخوذ ہے۔اس کے لغوی معانی ہیں: پرکھنا، کھوٹے اور کھرے کا فرق معلوم کرنا۔اصطلاح میں کسی ادیب یا شاعر کی تخلیقی کاوش کے محاسن اور معائب کا صحیح اندازہ کرنا اور سچائی کے ساتھ اپنی رائے پیش کرنا تنقید کہلاتا ہے۔ تنقید چند ایسے اصولوں کا نام ہے جن کے باعث کسی ادب پارے کی تمام خوبیوں اور خامیوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔استحسان کا مطلب ہے کہ کسی ادب پارے میں ایسی باتوں اور نکات کی تلاش ہے جن کی وجہ سے وہ ادب پارہ لوگوں میں اہل علم طبقے میں اچھا، مستحسن یا پسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔اس میں کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر بے لاگ رائے کا اظہار کیا جاتا ہے۔ان نکات کو پیش نظر رکھ کر جو گفت گو کی جائے گی اُسے تنقیدی گفت گو کہیں گے۔

فیچر:

سوشل اور الیکٹرانک میڈیا کے تیز رفتار دور نے پرنٹ میڈیا کی اہمیت وافادیت کسی حد تک کم کر دی ہے۔وہ روزنامے، رسائل اور جرائد جو کسی زمانے میں ہزاروں کی تعداد میں اشاعت پذیر ہوا کرتے تھے، حالات کی ستم ظریفی کہیے کہ اب اُن کی تعداد معدوم ہوتی چلی جارہی ہے۔یہ اخبارات مختلف موضوعات پر خبریں، اداریے اور فیچر شامل اشاعت کرتے تھے۔اردو صحافت میں فیچر کی اصطلاح متعدد معانی میں مستعمل ہے۔مثال کے طور پر اگر کسی خبر کے کسی ایک پہلو یا زاویے کو کسی قدر نمایاں کرنا مقصود ہو تو اس پہلو کو فیچر کیا جاتا ہے۔اگر کوئی ایسی خبر گردش میں ہو جس میں عوام کی دل چسپی کا عنصر زیادہ ہو اور اس سے اخبار کی فروخت میں اضافے کا بھی امکان ہو تو اس خبر کو بھی فیچر کر دیا جاتا ہے۔ مستقل عنوانات کے تحت بھی فیچر تحریر کیے جاتے ہیں۔گویا فیچر اس مضمون کو کہا جاسکتا ہے جس میں قارئین سے بہ راہِ راست گفت گو کا اسلوب نمایاں ہو اور اس میں ڈرامائی، داستانی طرز اپنایا گیا ہو۔فیچر ایک بے ساختہ، دل چسپ تحریر ہے جس میں دی گئی معلومات یا خبروں کا مفہوم، معنی اور مطلب بہ آسانی پہنچ جاتا ہے۔چوں کہ صحافتی محضر کے مخاطب ہر ذہنی، فکری اور علمی سطح کے لوگ ہوتے ہیں اس لیے اسلوبِ تحریر ایسا اختیار کیا جاتا ہے کہ سب کی سمجھ میں آجائے۔سائنسی، تحقیقی، لسانی، سماجی، معاشرتی، اخلاقی اور معاشی موضوعات کے فیچر بھی ہو سکتے ہیں۔

۷۔درج ذیل موضوعات پر کسی روزنامہ اخبار میں شائع ہونے والی تنقیدی بحث کو نوٹ کریں۔اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی موضوع کے حامل کسی فیچر، ڈرامے یا خبر پر کی گئی اس تنقید کو پوری کلاس کے طلبہ پانچ پانچ کے گروہوں میں تقسیم ہو کر ایک دوسرے کو سنائیں۔موضوع کی مناسبت سے ہر طالبِ علم اپنی رائے کا اضافہ بھی کرے:

الف۔سوشل میڈیا کے آداب

ب۔برداشت اور رواداری

ج۔تخفیفِ غربت

۸۔درج ذیل عبارت پڑھ کر اس میں درج معلومات اور تصورات کی پیش کش پر تبصرہ کرتے ہوئے قارئین پر ان کے اثرات کا تجزیہ کریں۔

نبی ﷺ فصاحت وبلاغت میں ممتاز تھے۔آپ طبیعت کی روانی، لفظ کے نکھار، فقروں کی جزالت، معانی کی صحت اور تکلف کی دوری کے ساتھ ساتھ جوامعُ الکلام (جامع باتوں) سے نوازے گئے تھے۔آپ ﷺ کو نادر حکمتوں اور عرب کی تمام زبانوں کا علم عطا ہُوا تھا۔چناں چہ

آپ ﷺ ہر قبیلے سے اُسی کی زبان اور محاوروں میں گُفت گو فرماتے تھے۔ آپ ﷺ میں بدویوں کا زورِ بیان اور قوّتِ تخاطب اور شہریوں کی شستگیِ الفاظ، شُفتگی و شائستگی جمع تھی اور وحی پر مبنی تائیدِ ربانی الگ سے۔

بُردباری، قوتِ برداشت، قُدرت پاکر دَرگذر اور مشکلات پر صبر؛ ایسے اوصاف تھے جن کے ذریعے اللہ نے آپ ﷺ کی تربیت کی تھی۔ ہر حلیم و بُردبار کی کوئی نہ کوئی لغزِش اور کوئی نہ کوئی زبان کی بے احتیاطی جانی جاتی ہے مگر نبی ﷺ کی بلندی کردار کا یہ عالَم تھا کہ آپ ﷺ کے خلاف دشمنوں کی ایذا رسانی اور بدمعاشیوں کی خودسَری و زیادتی جس قَدَر بڑھتی گئی آپ ﷺ کے صَبر و حِلم میں اُسی قدر اِضافہ ہوتا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جب بھی دو کاموں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو آپ ﷺ وہی کام اختیار فرماتے جو آسان ہوتا، جب تک کہ وہ گناہ کا کام نہ ہوتا۔ اگر گناہ کا کام ہوتا تو آپ ﷺ سب سے بڑھ کر اُس سے دُور رہتے۔ آپ ﷺ نے کبھی اپنے نَفس کے لیے انتقام نہ لیا۔ البتہ اگر اللہ کی حُرمت چاک کی جاتی تو آپ ﷺ اللہ کے لیے انتقام لیتے۔

حروف اوران کی اقسام:

حروفِ فجائیہ:

i۔ حروفِ ندا:

کسی کو پکارنے یا آواز دینے کے لیے استعمال ہونے والے حروف کو حروفِ ندا کہتے ہیں۔

مثلاً یااللہ!، اوئے!، اجی!، او، ابے! وغیرہ

ii۔ حروفِ تحسین یا انبساط:

کسی کی تعریف یا خوشی کے اظہار کے لیے بولے جانے والے حروف کو حروفِ تحسین یا حروفِ انبساط کہتے ہیں۔

مثلاً سبحان اللہ!، شاباش!، واہ واہ!، مرحبا! وغیرہ

iii۔ حروفِ نفرین:

نفرت یا ملامت کے اظہار کے لیے استعمال ہونے والے حروف کو حروفِ نفرین کہتے ہیں۔

مثلاً اُف!، لعنت!، پھٹکار!، ہزار لعنت!، وغیرہ

iv۔ حروفِ تاسف:

یہ حروف غم یا افسوس کے اظہار کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

افسوس!، وائے!، ہائے!، اُف!، ہے ہے! وغیرہ

v۔ حروفِ تنبیہ:

وہ حروف جو خبردار کرنے اور ڈرانے کے لیے استعمال ہوں۔ مثلاً خبردار، زنہار، دیکھنا، وغیرہ

vi۔ حروفِ استعجاب:

تعجب اور حیرانی کے موقع پر استعمال ہونے والے حروف۔ مثلاً اللہ اللہ!، اللہ اکبر!، اوہو! وغیرہ

vii۔ حروفِ تہنیت:

کسی خوشی یا کامیابی کے موقعے پر استعمال ہونے والے حروف۔ مثلاً مبارک باد!، شاباش!، بہت خوب! وغیرہ

viii۔ حروفِ تمنا:

کسی تمنا، آرزو اور خواہش کے موقعے پر استعمال ہونے والے حروف۔ مثلاً: کاش کہ!، کاش!، اے کاش! وغیرہ

ix۔ حروفِ قسم:

وہ حروف جو قسم کھانے کے لیے استعمال ہوں۔ مثلاً بہ خدا!، واللہ! وغیرہ

۹۔ درج ذیل حروف کی نشان دہی کرتے ہوئے ان کے جملے بنائیں تاکہ وہ تحریر و تقریر میں استعمال ہو سکیں:

اے!، بہت خوب!، اخ تھو!، سنو!، حاشا و کلا!، حیف!

سرگرمی

کالج میں سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر یک سیمی نار منعقد کرائیں جس میں صدر شعبہ اسلامیات سے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں "برداشت اور رواداری" کے موضوع پر تقریر کرائیں۔

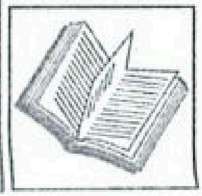

۲

محشر

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ :

- کلام / بات کو آغاز / درمیان سے سن کر نظم و نثر کے مرکزی خیال، نکتے یا تصور تک رسائی حاصل کر کے سیاق و سباق کو سمجھ اور موضوع بیان کر سکیں۔
- کسی بات، پیغام، کلام، نشریات، کہانی مکالمے کو سن کر اس کے حسن و قبح کا جائزہ لیتے ہوئے دہرا سکیں۔
- عبارت کو درست تلفظ، لب و لہجے، اتار چڑھاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر کے ساتھ پڑھ سکیں۔
- مختلف منظوم اور منثور اصنافِ ادب پڑھ کر مصنفین کے طرزِ تحریر پر تبصرہ کر سکیں۔
- ناول / سفر نامہ / انشائیہ / افسانہ / ڈراما کے اجزا اور ادبی محاسن کو شناخت کرتے ہوئے ان پر ہدایات کے مطابق عمل کر سکیں۔
- اپنی جماعت کے معیار کے مطابق روزمرہ، ضرب الامثال اور محاورات کا استعمال کرتے ہوئے سادہ اور مرکب جملے تحریر کر سکیں۔
- واحد جمع (جمع مکسر / جمع سالم) بنا سکیں اور استعمال کر سکیں۔
- جمع الجمع کا تحریر میں بر محل استعمال کر سکیں۔

خاص	سَوا نیزے پر	چٹیل مَیدان	سفید پوش	صُور	شرابُور
الفاظ	دَر بہ دَر	بُغض وعَناد	قَد آور	ہَنکانا	گوش گُزار کرنا

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو پاکستانی زبانوں پنجابی، سندھی، بلوچی، براہوی، پشتو اور کشمیر، گلگت بلتستان کی زبانوں میں لکھے جانے والے افسانوں کے تراجم سے روشناس کرائیں۔

پڑھیں

پڑھنے سے پہلے سوچیں

افسانہ کس کہانی کو کہتے ہیں اور یہ صنفِ نثر کس زبان سے اردو میں وارد ہوئی؟

دوپہر کا وقت تھا، سورج سوا نیزے پر کھڑا تھا۔ گرمی کی شدّت نے چیونٹیوں اور پرندوں سے لے کر چیتوں اور ہاتھیوں تک کو پریشان کر رکھا تھا۔ جہاں تک نگاہیں پہنچ سکتی تھیں، دنیا ایک چٹیل میدان نظر آ رہی تھی اور زمین ایک تپتے ہوئے توے کی مانند تھی۔

یکایک دُور سے ایک گرد اٹھتی ہوئی نظر آنے لگی۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی جان دار آ رہا ہے لیکن یہ جاننا مشکل تھا کہ وہ کوئی حیوان تھا، انسان تھا یا سواری کے ساتھ کوئی انسان!

اونچی عمارت کے دروازے کے سامنے کھڑے خوش شکل اور قد آور سفید پوش نوجوان کی نگاہیں اسی گرد پر لگی ہوئی تھیں اور وہ حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا، جو لمحہ بہ لمحہ قریب سے قریب تر ہوتی آرہی تھی۔

جب گرد قریب پہنچی تو اس میں سے ایک ایسا بوڑھا شخص نمودار ہوا جو پھٹی ہوئی پگڑی، پیوندوں سے اَٹی ہوئی چوڑی شلوار اور گریبان اور آستینوں سے عاری لمبی قمیض پہنے ہوئے تھا، جس کا چہرہ گرد آلود اور پاؤں ننگے تھے اور جو جلدی جلدی اس عمارت کی جانب بڑھ رہا تھا۔ جوں ہی وہ عمارت کے سامنے پہنچا اور اس میں داخل ہونے لگا تو عمارت کے پاسبان نوجوان نے اسے روکتے ہوئے کہا:

آپ پہلے کہاں تھے؟"

''میں۔۔۔میں۔۔۔سویا۔۔۔ہوا۔۔۔تھا۔''

''آپ سوئے ہوئے تھے۔ لیکن کیوں؟''نوجوان نے حیرت سے پوچھا:''کیا آپ نے صور کی زوردار آواز نہیں سنی تھی؟''

''نہیں تو۔۔۔''بوڑھے نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا:''مجھے تو کچھ بھی معلوم نہیں۔۔۔''

پھر بے چینی سے نوجوان کی منت سماجت کرتے ہوئے کہا:

''مجھے۔۔۔مجھے اس عمارت میں داخل ہونے دیں۔ تاکہ کچھ آرام تو کر سکوں۔۔۔اف کتنی گرمی ہے۔۔۔''

نوجوان کچھ مسکرایا اور حیرانی سے بوڑھے کو دیکھتا رہا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ بوڑھا اس کے لیے کوئی انوکھی چیز ہو۔ تھوڑی دیر بعد نوجوان نے کہا:

''کیا آپ کو معلوم ہے کہ آج کون سا دن ہے؟''

''اوہ نہیں۔۔۔ نہیں تو۔۔۔''بوڑھے نے جواب دیا:''میں نے پہلے بتایا تھا کہ میں سویا ہوا تھا۔۔۔مجھے سورج کی تپتی ہوئی شعاعوں نے جگا دیا۔۔''

نوجوان کو بوڑھے پر رحم آیا کہ اس بے چارے کو کسی چیز کا احساس ہی نہیں۔۔۔اس لیے اس نے بتایا۔''بابا! آج محشر ہے محشر!---صبح خدا نے حساب کتاب شروع کیا تھا۔ یہ ان لوگوں کی جگہ ہے، جنھوں نے دنیا میں اچھے کام کیے ہیں۔۔۔اس جگہ کو جنّت کہتے ہیں۔۔ لیکن۔۔۔ لیکن آپ تو نیند سے ابھی بیدار ہوئے ہیں۔ آپ کا حساب کتاب ابھی تک نہیں ہوا ہے۔ آپ کو کس نے اس عمارت میں داخل ہونے کی اجازت دی ہے۔۔۔؟''پھر کچھ دیر بعد اس نے خود ہی کہا:

''تھوڑا صبر کریں، آپ کا نام جنّتیوں کے رجسٹر میں دیکھ لوں۔۔ شاید خدا نے آپ پر رحم کیا ہو اور آپ کو جنّتیوں میں شامل کیا ہو۔۔وہ بے شک بڑا رحیم اور مہربان ہے۔''نوجوان رجسٹر میں اس کا نام تلاش کرنے لگا۔

''جناب! آپ کا کیا نام ہے؟''نوجوان نے دریافت کیا۔

''میرا۔۔۔میرا نام۔۔۔میرا نام کلیڈ ہے''

''آپ کے باپ کا نام؟''نوجوان نے ایک بار پھر دریافت کیا۔

''میرے باپ کا۔۔۔میرے باپ کا نام ٹہلو ہے جناب!''بوڑھے نے جواب دیا۔

''آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟''نوجوان نے تیسرا سوال پوچھا۔

بوڑھے نے جو پسینے سے شرابور تھا، اور اپنے ننگے پاؤں گرمی کے باعث بار بار اٹھا رہا تھا، پھر جواب دیا۔ "جناب!۔۔۔ میں پنجپیں کرز بلوچستان کا رہنے والا ہوں اور میری عمر ستر سال ہے۔۔۔" اس نے اپنی عمر پوچھے بغیر ہی بتا دی۔

"اطمینان رکھیے اب آپ کا نام دیکھ لوں گا" نوجوان نے اپنی نگاہیں سامنے رکھے ہوئے رجسٹر پر ڈال دیں جو چار او نٹوں کے بوجھ سے بھی زیادہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ اطمینان سے اوراق الٹتا رہا مگر بوڑھا جو گرمی سے تنگ آ چکا تھا، انتظار نہ کر سکا اس لیے اس نے پھر نوجوان سے کہا:

"میں گرمی سے مرا جا رہا ہوں مجھے جنّت میں جانے دیں۔"

نوجوان نے کوئی جواب نہ دیا اور کافی دیر تک اوراق الٹتے رہنے کے بعد کہا:

"آپ کا نام یہاں نہیں ہے۔۔۔ یعنی آپ کا نام جنّتیوں کے ناموں میں شامل نہیں ہے یعنی جناب! آپ جنّتی نہیں ہیں۔ یہ عمارت آپ کے لیے نہیں۔"

بوڑھے نے دنیا میں سن رکھا تھا کہ محشر میں جو شخص جنّتی نہ ہو تو اس کی جگہ دوزخ ہو گی جو آگ اور انگاروں سے بھری رہتی ہے۔ جب نوجوان کے منھ سے اس نے اپنے جنّتی نہ ہونے کی بات سنی تو اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور وہ عاجزی سے نوجوان کی منت سماجت کرنے لگا۔ نوجوان کو اس پر رحم آ گیا۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کر کے اس سے کہا:

"اس طرف جاؤ۔۔ آگے کچھ مکانات نظر آئیں گے۔ شاید وہاں آپ کا نام ہو۔ بے چارہ!"

بے چارہ بوڑھا گرمی کے مارے پسینے سے شرابور ہوتا ہُوا اَن جانی منزل کی جانب بھاگتا رہا اور راستے میں جب تھک جاتا تو بیٹھ کر ذرا سستا لیتا اور پھر اٹھ کر بھاگتا رہتا۔ جب اسے دُور سے بعض مکانات نظر آئے تو اس نے اپنی رفتار تیز تر کر لی اور بالآخر وہاں پہنچ گیا۔ وہ مٹی اور گارے کے مکانات تھے۔ مگر ان کے ارد گرد کے مناظر خوب صورت تھے اور وہ ایک بڑی چار دیواری کے اندر واقع تھے۔ اس چار دیواری کے دروازے کے سامنے بھی ایک نوجوان کھڑا تھا۔ یہ نوجوان پچھلے نوجوان کی مانند خوش شکل اور قد آور تو نہ تھا مگر پھر بھی اچھا لگتا تھا۔ بوڑھے نے دل میں سوچا کہ شاید یہ نوجوان پچھلے نوجوان کا بھائی ہو۔ لیکن پھر اس نے اپنا خیال خود ہی رَد کر دیا۔

"نہیں، یہ بھائی تو نہیں ہو سکتے، البتہ ہم پیشہ ہو سکتے ہیں۔" جب قریب پہنچا تو نوجوان کو سلام دے کر کہا:

"بیٹے میرے نام کو اپنے رجسٹر میں تلاش کریں۔ میں آپ کے ہم پیشہ نوجوان کے کہنے پر یہاں آیا ہوں۔ صبح میں حساب کتاب سے رہ گیا ہوں خدا نے میرا نام جنّتیوں کے ناموں میں شامل نہیں کیا۔ شاید آپ کے رجسٹر میں میرا نام درج ہو۔ جلدی کیجیے جلدی کیوں کہ مجھے سخت گرمی لگ رہی ہے۔ میں اس شدید گرمی کو اب مزید برداشت نہیں کر سکتا میرے بیٹے!"

بوڑھا بولتا جا رہا تھا اور نوجوان حیرت سے اس کے چہرے کو تکتے ہُوئے سوچ رہا تھا کہ یہ بھلا کون ہو گا جو حشر کے دن بھی دربدر پھر رہا ہے۔ نوجوان ابھی تک سوچ رہا تھا کہ بوڑھے نے پھر کہا:

"میرا نام کلیڈ ہے۔۔۔ میرے باپ کا نام ٹھلو ہے۔ میری عمر ستر سال ہے۔ میں پنجپیں کرز بلوچستان کا باشندہ ہوں۔ میں سو گیا تھا اور حساب کتاب سے رہ گیا تھا۔ آپ اپنے رجسٹر میں میرا نام تو دیکھیے لیکن جلدی کیجیے، کیوں کہ میں گرمی سے مرا جا رہا ہوں۔"

بوڑھے نے پوچھے بغیر اپنے تمام حالات نوجوان کے گوش گزار کر دیے۔ نوجوان اپنے رجسٹر میں اس کا نام تلاش کرنے لگا، مگر کچھ دیر بعد اس نے

بوڑھے سے پوچھا:

"کیا نام بتایا آپ نے اپنا۔۔۔ کلیر اور باپ کا نام تصلو؟ یہ نام یہاں نہیں ہے۔"

بوڑھے نے دیکھا کہ نوجوان نے اس کا نام اور اس کے باپ کا نام دونوں غلط بتائے۔ شاید رجسٹر میں بھی اس نے غلط دیکھے ہیں۔ اس لیے اس نے اپنا نام اور اپنے باپ کا نام دونوں دوبارہ بتادیے:

"میرا نام کلیڈ اور میرے باپ ٹھلو ہے آپ یہی نام دیکھ لیں۔"

نوجوان نے پھر کلیر ولد تصلو کے نہ ہونے کا اعلان کیا۔ بوڑھے نے پھر کلیڈ ولد ٹھلو دیکھنے کی استدعا کی۔ عربی اور بلوچی کے فرق نے دونوں کو کافی پریشان کر رکھا تھا۔ کلیڈ ولد ٹھلو اور کلیر ولد تصلو کی الجھن سے بیزار ہو کر نوجوان نے مشرق کی جانب ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"اس طرف چلے جایئے۔ آپ کو ایک آگ جلتی ہوئی نظر آئے گی۔ اسی آگ کے پاس جایئے، آپ کو کلیر ولد تصلو کا نام وہیں مل جائے گا۔"

اتنا کہہ کر نوجوان نے اپنا منہ پھیر لیا۔ بوڑھا سمجھ گیا کہ وہ بیزار ہو گیا ہے۔۔۔ اس لیے مجبوراً وہاں سے چلنے لگا مگر پھر کچھ سوچ کر اس نے پوچھا:

"یہ بتایئے کہ اس جگہ کا کیا نام ہے جہاں پچھلی جگہ کی طرح میرا نام نہیں ہے۔"

"بابا! اس جگہ کو "اعراف" کہتے ہیں۔۔۔ "نوجوان نے غصے جواب دیا: "یہ ان لوگوں کی جگہ ہے۔ جو یہاں چند سال گزارنے کے بعد جنّت میں جاتے ہیں۔ یہاں آپ کا نام نہیں ہے۔۔۔ میری جان تو چھوڑیے۔"

بوڑھا مشرق کی طرف روانہ ہوا۔ اور بے بسی اور مجبوری سے شدید گرمی میں بھاگتا رہا۔۔۔ اسی امید پر کہ شاید کہیں کوئی سایہ مل جائے۔ اس نے دُور سے ایک آگ جلتی ہوئی دیکھی۔ آگ کے شعلے کبھی سرخ کبھی سبز اور کبھی کالے نظر آ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد دھوپ کی گرمی کے ساتھ ساتھ آگ کے شعلوں کی گرمی نے بھی بوڑھے کو آلیا۔ لیکن وہ چلتا رہا۔ جب قریب پہنچا تو ایک شخص نے بوڑھے کا خیر مقدم کیا۔ یہ شخص ان دونوں نوجوانوں سے مختلف تھا۔ یہ شخص انتہائی کالا اور بدشکل تھا۔ ناک ہاتھی کی ناک جیسی اور آنکھیں پیشانی پر۔ ایک موٹا سا ڈنڈا ہاتھ میں، جس کا سرا جلا ہوا۔

"آپ کون ہیں اور یہاں کیسے آئے ہیں؟" کالے شخص نے بوڑھے سے دریافت کیا: "جایئے! یہاں سے چلے جایئے یہ کوئی اچھی جگہ نہیں ہے۔"

"میں سو گیا تھا۔ حساب کتاب سے رہ گیا تھا۔۔۔ جنت اور اعراف میں میرا نام نہیں تھا۔ اب آپ مہربانی کر کے اپنے رجسٹر میں دیکھیں کہ میرا نام اس میں ہے کہ نہیں۔۔۔ میرا نام۔"

"یہاں کوئی رجسٹر وجسٹر نہیں ہے بابا۔" بوڑھے کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اس کالے شخص نے بتایا: "جس کے گناہ ثوابوں سے زیادہ ہوں ان کی جگہ یہیں ہے۔ یہاں نام کے ذریعے کوئی نہیں آتا۔۔۔ لیکن آپ کیسے آئے ہیں؟ یہاں تو ہر کسی کو فرشتے لاتے ہیں اور آگ سے بھرے ہوئے کنوؤں میں پھینک دیتے ہیں۔" "میں حیران ہوں۔" بوڑھے نے کہا:

"دنیا میں میری ایک بڑی قوم تھی۔ لیکن یہاں تو میری قوم کا ایک فرد بھی نظر نہیں آتا؟ شاید مجھ سے پہلے آئے ہیں۔ اگر میں انھیں دیکھ لیتا تو مجھے اپنی جگہ کا بھی پتا چل جاتا۔ آپ مہربانی کر کے مجھے وہ کنوئیں تو دکھا دیں، جہاں آپ کے بقول فرشتے لوگوں کو لا کر پھینک دیتے ہیں؟

کالا شخص جو اخلاق و ہمدردی کے لحاظ سے پچھلے دونوں نوجوانوں سے بہتر تھا، بوڑھے کو دوزخ کی سیر کرانے لگا۔ تاکہ وہ اپنی قوم کو دیکھ سکے۔

بوڑھے نے دیکھا کہ آگ اور انگاروں سے بھرے ہوئے کنوؤں میں لوگ جل رہے ہیں۔ جب وہ ایک کنوئیں کے قریب پہنچے تو کالے شخص نے پوچھا:

''کیا یہیں ہیں آپ کے لوگ؟''

بوڑھے نے اپنی نگاہیں اٹھا کر کنوئیں کے اندر دیکھا، جہاں لوگ خاموشی سے جل رہے تھے۔ کوئی ایک شخص بھی ہاتھ پاؤں نہیں ہلا رہا تھا۔

''نہیں یہ میری قوم نہیں ہے۔'' بوڑھے نے جواب دیا: ''میری قوم اتنی کاہل نہیں تھی۔''

کالا شخص بوڑھے کو ایک دوسرے کنوئیں کے قریب لے گیا۔ اور اس سے پوچھنے لگا:

''کیا یہ ہے آپ کی قوم؟''

بوڑھے نے پھر نگاہیں اٹھا کر دوسرے کنوئیں کے اندر دیکھا، جہاں سارے لوگ آپس میں بے پناہ ہمدردی رکھتے تھے اور ہر شخص کی کوشش یہی تھی کہ دوسرے کے بجائے وہی جل جائے۔

''نہیں نہیں۔ یہ قوم میری نہیں ہو سکتی۔ میری قوم اتنی تو کبھی نہیں رہی ہے۔''

دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ایک اور کنوئیں کے قریب پہنچے۔ بوڑھے نے کالے شخص کے کہنے پر اس کنوئیں میں بھی نگاہیں اٹھا کر دیکھا جہاں سارے لوگ رو رہے تھے اور ایک دوسرے کے نیچے گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''نہیں جی نہیں!'' بوڑھے نے کہا: ''ایسی بزدل قوم میری ہرگز نہیں ہو سکتی۔''

پھر دونوں ایک اور بڑے کنوئیں کے قریب گئے۔ اس کنوئیں کی آگ کنوئیں کے کناروں تک پھیلی ہوئی تھی۔

''کیا یہی ہے آپ کی قوم؟'' کالے شخص نے پھر بوڑھے سے دریافت کیا۔

بوڑھے نے کنوئیں کے لوگوں کی طرف دیکھا۔ پھر اپنی آنکھیں موند کر اچھی طرح سے دیکھنے لگا۔ ذرا اور آگے بڑھا اور اپنی آنکھیں اچھی طرح سے موند کر بہ غور دیکھا اور پھر بے ساختہ چیخ اٹھا: ''یہی ہے۔۔۔ یہی ہے۔۔۔ میری قوم! بے شک یہی ہے۔''

کالا شخص حیرت سے بوڑھے کو دیکھتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر اس نے اپنی قوم کو کس طرح پہچان لیا؟ پھر اس نے پوچھا:

''آخر آپ کی قوم کی شناخت کیا ہے؟ ان لوگوں کی شکلیں تو مسخ ہو چکی ہیں اور کھالیں تک اتر چکی ہیں۔ اس حالت میں آپ نے کیوں کر انھیں پہچان لیا؟''

''آپ کی بات درست ہے۔'' بوڑھے نے جواب دیا: ''لیکن قوم شکل سے نہیں کردار سے پہچانی جا سکتی ہے۔۔ دیکھیے! ہر فرد اس کوشش میں ہے کہ کنوئیں سے باہر نکل جائے۔ جب ایک فرد کنوئیں کے کنارے تک پہنچ جاتا ہے اور باہر نکلنے ہی والا ہوتا ہے تو دوسرے افراد اس کے پاؤں پکڑ کر کھینچتے ہیں اور اسے دوبارہ کنوئیں میں گرا دیتے ہیں تاکہ وہ نکل نہ جائے کیوں کہ اس سے دوسرے افراد پیچھے رہ جائیں گے۔ یہ کردار دنیا میں میری قوم کے سوا اور کسی قوم کا نہ تھا۔ یہ غیر متحد اور بغض و عناد رکھنے والی قوم میری ہے۔ مجھے جانے دیجیے اس کے پاس کہ یہی ہے میری قوم!''

(بلوچی سے ترجمہ: غنی پرواز)

غوث بہار (۱۹۵۲ـ۲۰۱۸ء)

غوث بہار بلوچی زبان کے معروف افسانہ نگار اور شاعر ہیں۔ انھوں نے بلوچی لسانیات پر بھی قلم اٹھایا ہے۔ انھوں نے اُردو ادب سے بلوچی میں تراجم بھی کیے ہیں۔ بلوچی رسم الخط، عروض اور دیگر لسانی موضوعات پر وہ مسلسل لکھتے رہے ہیں۔ بلوچی زبان کی ترویج کے لیے انھوں نے متعدد مضامین اور مقالے تحریر کیے۔ غوث بہار کا تعلق قلم اور کتاب کے اُس قبیلے سے سمجھا جاتا ہے جس نے نامساعد حالات میں بھی قلم کی حرمت کا سودا نہ کیا اور معاشی تنگی کے باوجود علم و ادب سے جُڑے رہے۔ لسانیات پر اُن کی تین کتابیں شائع ہوئیں۔ دو بلوچی افسانوی مجموعے "زرگوات" اور "کرکینک" کے علاوہ بلوچی شاعری کا ایک مجموعہ "اینگین بلور" اِن کے ادبی ورثے کا حصہ ہیں۔ غوث بہار نے کوئٹہ میں ۲۰۱۸ء میں وفات پائی۔

غنی پرواز ۱۵ اگست ۱۹۴۵ کو بلوچستان کے شہر تربت میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے ادب، ثقافت، فلسفہ، سیاسیات، صحافت، تعلیم اور انسانی حقوق سے دلچسپی رہی ہے۔ ساری عمر علم و ادب کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اپنی ادبی زندگی میں کہانیوں، شاعری، افسانہ نگاری، ناول نگاری، ڈراما، تنقید نگاری، تحقیق اور ترجمہ جیسے شعبوں میں اُردو، انگریزی اور بلوچی زبان میں تصنیف و تالیف کا کام کیا۔

مشق

۱۔ درج ذیل اقتباس کو پڑھ کر دیے گئے سوالات کے جواب لکھیں:

کالا شخص حیرت سے بوڑھے کو دیکھتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر اس نے اپنی قوم کو کس طرح پہچان لیا؟ پھر اس نے پوچھا:
"آخر آپ کی قوم کی شناخت کیا ہے؟ ان لوگوں کی شکلیں تو مسخ ہو چکی ہیں اور کھالیں تک اتر چکی ہیں۔ اس حالت میں آپ نے کیوں کر انھیں پہچان لیا؟"

"آپ کی بات درست ہے۔" بوڑھے نے جواب دیا: "لیکن قوم شکل سے نہیں کردار سے پہچانی جاسکتی ہے۔۔ دیکھیے! ہر فرد اس کوشش میں ہے کہ کنوئیں سے باہر نکل جائے۔ جب ایک فرد کنوئیں کے کنارے تک پہنچ جاتا ہے اور باہر نکلنے ہی والا ہوتا ہے تو دوسرے افراد اس کے پاؤں پکڑ کر کھینچتے ہیں اور اسے دوبارہ کنوئیں میں گرا دیتے ہیں تاکہ وہ نکل نہ جائے کیوں کہ اس سے دوسرے افراد پیچھے رہ جائیں گے۔ یہ کردار دنیا میں میری قوم کے سوا اور کسی قوم کا نہ تھا۔ یہ غیر متحد اور بغض و عناد رکھنے والی قوم میری ہے۔ مجھے جانے دیجیے اس کے پاس کہ یہی ہے میری قوم!"

سوالات:

الف۔ کالا شخص بوڑھے کی کس بات سے حیران تھا؟

ب۔ بوڑھے کے مطابق قوم کی پہچان کس سے ہوتی ہے؟

ج۔ اس عبارت سے ہمیں کیا پیغام حاصل ہوتا ہے؟

د۔ بوڑھے نے اپنی قوم کو کس نشانی سے پہچانا؟

۲۔افسانہ ”محشر“ کا درج ذیل حصہ درمیان سے لیا گیا ہے۔ایک طالب علم درست تلفظ کے ساتھ بلند خوانی کرے جب کہ باقی طلبہ اسے سن کر افسانے کے مرکزی خیال، نکتے یا تصور تک رسائی حاصل کر کے سیاق و سباق کو سمجھیں اور اپنے اپنے الفاظ میں جماعت کے دیگر ساتھیوں کے سامنے بیان کریں:

بوڑھے نے جو پسینے سے شرابور تھا،اور اپنے ننگے پاؤں گرمی کے باعث بار بار اٹھار ہا تھا، پھر جواب دیا۔”جناب!۔۔۔میں پنچپیں کرز بلوچستان کا رہنے والا ہوں اور میری عمر ستر سال ہے۔۔۔“اس نے اپنی عمر پوچھے بغیر ہی بتادی۔

”اطمینان رکھیے اب آپ کا نام دیکھ لوں گا“نوجوان نے اپنی نگاہیں سامنے رکھے ہوئے رجسٹر پر ڈال دیں جو چار اونٹوں کے بوجھ سے بھی زیادہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ اطمینان سے اوراق الٹتا رہا مگر بوڑھا جو گرمی سے تنگ آچکا تھا،انتظار نہ کر سکا اس لیے اس نے پھر نوجوان سے کہا:”میں گرمی سے مرا جارہا ہوں مجھے جنّت میں جانے دیں۔“

نوجوان نے کوئی جواب نہ دیا اور کافی دیر تک اوراق الٹتے رہنے کے بعد کہا:”آپ کا نام یہاں نہیں ہے۔۔۔یعنی آپ کا نام جنّتیوں کے ناموں میں شامل نہیں ہے یعنی جناب!آپ جنّتی نہیں ہیں۔ یہ عمارت آپ کے لیے نہیں۔“

بوڑھے نے دنیا میں سن رکھا تھا کہ محشر میں جو شخص جنّتی نہ ہو تو اس کی جگہ دوزخ ہوگی جو آگ اور انگاروں سے بھری رہتی ہے۔جب نوجوان کے منھ سے اس نے اپنے جنّتی نہ ہونے کی بات سنی تو اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور وہ عاجزی سے نوجوان کی منت سماجت کرنے لگا۔

۳۔آپ نے افسانہ ”محشر“ کی کہانی اور اس میں بوڑھے اور نوجوان کے درمیان ہونے والے مکالمے کو سنا۔اس افسانے کی عبارت کو غور سے سننے اور پڑھنے کے بعد اس میں موجود حسن و قبح کا جائزہ لیتے ہوئے دہرائیں۔ حُسن و قبح سے مراد وہ خوبیاں اور خامیاں ہیں جنھیں ایک نقاد کسی ادب پارے کا معیار قائم کرنے کے لیے بیان کرتا ہے۔یعنی زبان و بیان کا انداز کیا ہے؟ کہانی کا پلاٹ، آغاز، اختتام اور نقطۂ عروج کس حد تک متاثر کن ہے؟ کردار نگاری، مکالمہ نگاری کس حد موضوع سے مناسبت رکھتے ہیں؟

۴۔عبارت کو درست تلفظ، لب و لہجے، اتار چڑھاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر کے ساتھ پڑھیں۔

دراصل ماسٹر صاحب سیدھے آدمی تھے اور ان کو زمانے کے ساتھ چلنے کا ڈھنگ نہیں آتا تھا۔کچھ تو ان کی شکل ہی ایسی تھی کہ اُسے دیکھ کر لوگوں کے دل میں محبت یا ہم دردی کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا تھا اور کچھ ان کی گفت گو اس انداز کی ہوتی تھی کہ کسی کو اس پر یقین نہیں آتا تھا۔ وہ جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ہیرا پھیری نہیں کرتے تھے۔ مبالغے سے کام نہیں لیتے تھے۔ شیخی نہیں بگھارتے تھے۔ کسی کو خوف زدہ نہیں کرتے تھے۔اسی وجہ سے کسی کو ان کی بات پر یقین نہیں آتا تھا۔ان کی گفت گو میں گرامر کی اور علمِ بیان کی بہت سی غلطیاں ہوتی تھیں اور سننے والا جھلّا کر ان کی صحبت چھوڑ دیتا تھا۔ وہ اتنے سیدھے اور اس قدر بے پیچ تھے کہ انسان ہی نہیں لگتے تھے۔ سارے محلے اور ساری سوسائٹی پر ایک بوجھ سا لگتے تھے اور چوں کہ ایسے لوگوں کے ساتھ رسم و راہ پیدا کرنا کوئی بھی پسند نہیں کرتا، اس لیے کوئی بھی ان کا دوست نہیں تھا۔یہی وجہ تھی کہ محلے والے ان کی عزت کرتے تھے اور ان کے دروازے کے آگے سے گزرتے ہوئے ”السلام علیکم“ کہہ کر آگے بڑھ جاتے۔

۵۔افسانہ ”محشر“ کو پڑھ کر پروفیسر غنی پرواز کی طرزِ تحریر پر تبصرہ کریں۔

مختلف نثری اصناف ادب:

i۔ ناول

ناول سے مراد ایسی طویل کہانی ہے جس میں انسانی زندگی کے معمولی واقعات اور روزانہ پیش آنے والے معاملات کو اس انداز میں بیان کیا جائے کہ پڑھنے والے کو اس میں دل چسپی پیدا ہو۔ یہ دل چسپی پلاٹ، منظر نگاری، کردار نگاری اور مکالمہ نگاری سے پیدا کی جاتی ہے۔ ناول اس نثری قصے کو کہتے ہیں جس میں کسی خاص نقطۂ نظر کے تحت زندگی کی حقیقی اور واقعاتی عکاسی کی گئی ہو۔ ناول کا مرکزی کردار اس کا ہیرو ہوتا ہے۔ واقعات میں ایک تسلسل موجود ہوتا ہے۔ حقیقت نگاری اور صداقت بیانی اس کا خاصہ ہے۔ اس کا موضوع انسانی زندگی ہوتا ہے۔ یعنی انسانی زندگی کے حالات و واقعات اور معاملات کو انتہائی گہرے اور مکمل مشاہدے کے بعد کہانی کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔

ناول کے اجزا: کہانی، پلاٹ، کردار، مکالمے، منظر نگاری، زبان و بیان

ii۔ ڈراما

ڈراما یونانی زبان کے لفظ ڈراؤ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی عمل کر کے دکھانا۔ ڈرامے کی ابتدا بھی یونان سے ہوئی۔ برِّصغیر میں بھی قدیم زمانوں سے ڈرامے کا سراغ ملتا ہے۔ راجہ بکرماجیت کے عہد کا لکھا ہوا ڈراما ''شکنتلا'' دنیا بھر میں بڑی شہرت رکھتا ہے۔ قدیم زمانے میں لوگ اپنے دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے ڈراما کھیلا کرتے تھے۔ مگر بعد میں ترقی کر کے فن کی منزل تک پہنچ گیا۔ ڈرامے کی دو مشہور اقسام ہیں۔

ا۔ طربیہ ڈراما: وہ ڈراما جس میں ہنسی اور مزاح کے ذریعے سماج کی کم زوریوں سے پردہ اٹھایا جائے۔

المیہ ڈراما: وہ ڈراما جس میں پیش آنے والے واقعات اندوہ ناک ہوں اور اس کا انجام المیہ ہو۔

ڈرامے کے اجزائے ترکیبی: پلاٹ، کردار نگاری، ارتقائی عمل، کش مکش، مکالمے، اسٹیج، حرکات و سکنات، اختتامی عمل

iii۔ افسانہ

لغت میں افسانہ ایک فرضی کہانی کو کہتے ہیں۔ ادبی اصطلاح میں یہ ایک ایسی کہانی ہوتی ہے جو زندگی کا ایک جزو پیش کرتی ہے۔ افسانہ: اختصار اور وحدت تاثر کی حامل بھی ایک کہانی ہوتی ہے۔ افسانہ یا مختصر افسانہ کم سے آدھے گھنٹے میں پڑھا جانے والا ایسا قصہ ہوتا ہے جس میں کسی ایک واقعے یا زندگی کے کسی ایک پہلو کو اختصار اور دل چسپی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ افسانے کے اجزائے ترکیبی میں: پلاٹ، کردار، نقطہ نظر یا مرکزی خیال، مکالمہ، آغاز و اختتام اور اسلوب بیان شامل ہیں۔

۶۔ آپ نے افسانہ ''محشر'' پڑھا ہے۔ افسانے کے اجزائے ترکیبی کے حوالے سے اوپر دی گئی ہدایات کے مطابق ''محشر'' کے ادبی محاسن کو شناخت کریں۔

روزمرہ، محاورہ، ضرب الامثال کے استعمال سے سادہ اور مرکب جملے بنانا

اہلِ زبان کی بات چیت جو وہ روزمرہ زندگی میں کرتے ہیں، روزمرہ کہلاتی ہے۔ اصطلاح میں دو یا دو سے زیادہ الفاظ کا مجموعہ جو اہلِ زبان کی بول چال کے موافق، حقیقی معنوں میں استعمال ہو، روزمرہ کہلاتا ہے۔ مثلاً: ہر روز، آئے دن، پانچ سات

دو یا دو سے زیادہ الفاظ کا مجموعہ جو اپنے لغوی معنوں کی بہ جائے مجازی معانی میں استعمال ہو، محاورہ کہلاتا ہے۔ مثال کے طور پر: اپنا اُلّو سیدھا کرنا، بات کا بتنگڑ بنانا۔

ضرب المثل ایک ایسا مکمل جملہ ہوتا ہے جو کسی واقعے کو بتانے اور اس پر مہر تائید ثبت کرنے کا ایک نرالا انداز ہے جس سے گفت گو اور کلام میں چاشنی پیدا ہوتی ہے اور مضمون نہایت عمدہ ہو جاتا ہے۔ ضرب المثل کو کہاوت بھی کہتے ہیں۔ مثلاً دال میں کچھ کالا ہے، چور کی داڑھی میں تنکا

اگر کوئی جملہ ایک ہی حصے پر مشتمل ہو یعنی کوئی ایک خبر وغیرہ دی گئی ہو تو اُسے سادہ جملہ کہیں گے۔ تاہم اگر جملہ دو یا دو سے زائد حصوں پر مشتمل ہو تو اسے مرکب جملہ کہتے ہیں۔ پہلے کو اصل جملہ جب کہ دوسرے کو تابع جملہ کہتے ہیں۔

۷۔ درج ذیل روزمرہ، محاورات اور ضرب الامثال کی نشان دہی کرتے ہوئے ان کے مرکب اور سادہ جملے لکھیں:

آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا،	روز بہ روز،	آپ آپ ہونا،	ایک انار سو بیمار،
ایک پنتھ دو کاج،	آسمان سے باتیں کرنا،	آفت کا پرکالہ،	پھونک پھونک کر قدم رکھنا، اونچی
دکان پھیکا پکوان،	عید کا چاند ہونا،	آنکھوں سے اترنا	

واحد جمع (جمع مکسر اور جمع سالم) یا جمع الجمع:

وہ لفظ جو فقط ایک شخص، شے یا جگہ کے لیے استعمال ہو۔ واحد کہلاتا ہے۔

مثلاً: اثر، کتاب، عام وغیرہ، واحد کہلاتا ہے۔

وہ لفظ ایک سے زیادہ اشخاص، اشیا یا جگہوں کے لیے استعمال ہو ''جمع'' کہلاتا ہے۔ مثلاً: آثار، کتب، عوام وغیرہ

جمع کی صورتیں

جمع کی درج ذیل صورتیں ہیں۔

جمع مکسر، جمع سالم، تثنیہ، جمع الجمع

جمع مکسر: واحد سے جمع بناتے ہوئے واحد کی صورت بالکل بدل جائے تو اسے جمع مکسر کہتے ہیں۔ مثلاً: تصویر سے تصاویر، اکبر سے اکابر وغیرہ

جمع سالم: واحد سے جمع بناتے وقت واحد کے حروف میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہو تو اسے جمع سالم کہیں گے۔ مثلاً: ماہر سے ماہرین، مجاہد سے مجاہدین وغیرہ۔

تثنیہ: عربی زبان میں دو چیزوں کے لیے جمع کی ایک الگ صورت استعمال کی جاتی ہے، اسے تثنیہ کہتے ہیں۔ مثلاً: والد سے والدین، عید سے عیدین وغیرہ

جمع الجمع: کسی واحد سے جمع کی جمع کو ''جمع الجمع'' کہتے ہیں۔

مثلاً: خبر سے اخبار، اخبار سے اخبارات، لقب سے القاب، القاب سے القابات۔

۸۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے جمع لکھیں۔ (جمع مکسر جمع سالم اور تثنیہ) اس کے علاوہ جن الفاظ کی جمع الجمع بن سکتی ہے بنائیں اور جملوں میں استعمال کریں:

نور، خاتون، آفت، اثر، امام، سلطان، وجہ، شجر، استعارہ، نادر، دوا، اکبر

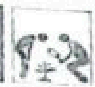

سرگرمی

شفیع عقیل کی تصانیف ''پنجابی لوک کہانیاں'' یا ''پنجاب کی لوک داستانیں'' کالج لائبریری سے جاری کرا کے اس کا مطالعہ کریں۔

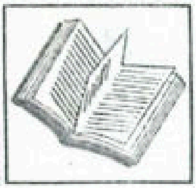

۳

ماں جی

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- نظم و نثر کو فہم کے ساتھ پڑھ کر مصنف / شاعر کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی سوالات کے جوابات دے سکیں۔
- اپنی گفتگو میں جذبے اور تاثر کے حوالے سے شدت اور لہجے کے زیر و بم کا لحاظ رکھ کر ڈرامائی کیفیات ادا کر سکیں۔
- افسانوی اور غیر افسانوی اقتباس کو اس کے اسلوب اور بیان کے پیشِ نظر خاص مقاصد (تفہیم / تجزیہ / موازنہ) کے لیے پڑھ سکیں۔
- کسی بھی نظم یا نثر کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھ سکیں۔
- کسی ادبی، علمی یا صحافتی موضوع پر اپنے مطالعے، تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں استدلال، درست تلفظ، اور عمدہ لب و لہجے کے ساتھ زبانی تقریر کر سکیں۔
- حروفِ ربط، حروفِ جار، حروفِ اضافت، حروفِ استفہام، حروفِ عطف، حروفِ تردید، حروفِ شرط و جزا، حروفِ علت، حروفِ اضراب، حروفِ بیان اور حروفِ تشبیہ کو تحریر و تقریر میں استعمال کر سکیں۔
- تذکیر و تانیث (اسم اور ضمائر) کا فہم رکھتے ہوئے زبان میں ہونے والی تبدیلیوں کو روز مرہ گفتگو / تحریر / تخلیق میں استعمال کر سکیں۔

خاص الفاظ	غَریبُ الحال	جوق دَر جوق	مُعاوِضہ	صَبر و شُکر	تَوفیق
	پاپیادہ	مُسافَت	مَصرُوف	اِمتیاز	تہوار

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- سبق خوانی سے قبل طلبہ کو افسانہ، کہانی اور ناول کے فرق کے بارے میں بتائیں اور خاص طور پر اردو افسانہ نگاری کی روایت پر مختصر آگاہی دیں۔

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

- کوئی سے تین افسانوں کے نام بتائیں؟
- "شہاب نامہ" کس کی تصنیف ہے؟

پڑھیں

ماں جی کی پیدائش کا صحیح سال معلوم نہ ہو سکا۔ جس زمانے میں لائل پور کا ضلع نیا نیا آباد ہو رہا تھا، پنجاب کے ہر قصبے سے غریب الحال لوگ زمین حاصل کرنے کے لیے اس نئی کالونی میں جوق در جوق کھنچے چلے آ رہے تھے۔ عرفِ عام میں لائل پور، جھنگ، سرگودھا وغیرہ کو "بار" کا علاقہ کہا جاتا تھا۔ اس زمانے میں ماں جی کی عمر دس بارہ سال تھی۔ اس حساب سے ان کی پیدائش پچھلی صدی کے آخری دس پندرہ سالوں میں کسی وقت ہوئی ہو گی۔

ماں جی کا آبائی وطن تحصیل روپڑ ضلع انبالہ میں ایک گاؤں منیلہ نامی تھا۔ والدین کے پاس چند ایکڑ اراضی تھی۔ ان دنوں روپڑ میں دریائے ستلج سے نہر سرہند کی کھدائی ہو رہی تھی۔ نانا جی کی اراضی نہر کی کھدائی میں ضم ہو گئی۔ روپڑ میں انگریز حاکم کے دفتر سے ایسی زمینوں کے معاوضے دیے جاتے تھے۔ نانا جی دو تین بار معاوضے کی تلاش میں شہر گئے لیکن سیدھے آدمی تھے۔ کبھی اتنا بھی معلوم نہ کر سکے کہ انگریز کا دفتر کہاں ہے اور معاوضہ وصول

کرنے کے لیے کیا قدم اٹھانا چاہیے۔ انجام کار صبر و شکر کر کے بیٹھ گئے اور نہر کی کھدائی کی مزدوری کرنے لگے۔ انھی دنوں پتہ چلا کہ بار میں کالونی کھل گئی ہے اور نئے آباد کاروں کو مفت زمین مل رہی ہے۔ نانا جی اپنی بیوی، دو ننھے بیٹوں اور ایک بیٹی کا کنبہ ساتھ لے کر لائل پور روانہ ہو گئے۔ سواری کی توفیق نہ تھی۔ اس لیے پا پیادہ چل کھڑے ہوئے۔ راستے میں محنت مزدوری کر کے پیٹ پالتے۔ نانا جی جگہ بہ جگہ قلی کا کام کر لیتے یا کسی ٹال پر لکڑیاں چیر دیتے۔ نانی اور ماں جی کسی کا سوت کات دیتیں یا مکانوں کے فرش اور دیواریں لیپ دیتیں۔ لائل پور کا صحیح راستہ کسی کو نہ آتا تھا جگہ جگہ بھٹکتے تھے اور پوچھ پوچھ کر دنوں کی منزل ہفتوں میں طے کرتے تھے۔

ڈیڑھ دو مہینے کی مسافت کے بعد جڑانوالا پہنچے۔ پا پیادہ چلنے اور محنت مزدوری کی مشقت سے سب کے جسم نڈھال اور پاؤں سوجے ہوئے تھے۔ یہاں پر چند ماہ قیام کیا۔ نانا جی دن بھر غلہ منڈی میں بوریاں اٹھانے کا کام کرتے۔ نانی چرخہ کات کر سوت بیچتیں اور ماں جی گھر سنبھالتیں جو ایک چھوٹے سے جھونپڑے پر مشتمل تھا۔ انھی دنوں بقر عید کا تہوار آیا۔ نانا جی کے پاس چند روپے جمع ہو گئے تھے۔ انھوں نے ماں جی کو تین آنے بطور عیدی دیے۔ زندگی میں پہلی بار ماں جی کے ہاتھ اتنے پیسے آئے تھے۔ انھوں نے بہت سوچا لیکن اس رقم کا کوئی مصرف ان کی سمجھ میں نہ آسکا۔ وفات کے وقت ان کی عمر کوئی اسی برس کے لگ بھگ تھی لیکن ان کے نزدیک سو روپے، دس روپے، پانچ روپے کے نوٹوں میں امتیاز کرنا آسان کام نہ تھا۔ عیدی کے تین آنے کئی روز ماں جی کے دوپٹے کے ایک کونے میں بندھے رہے۔ جس روز وہ جڑانوالا سے رخصت ہو رہی تھیں ماں جی نے گیارہ پیسے کا تیل خرید کر مسجد کے چراغ میں ڈال دیا۔ باقی ایک پیسہ اپنے پاس رکھا۔ اس کے بعد جب کبھی گیارہ پیسے پورے ہو جاتے تو وہ فوراً مسجد میں تیل بھجوا دیتیں۔ ساری عمر جمعرات کی شام کو اس عمل پر بڑی وضع داری سے پابند رہیں۔ رفتہ رفتہ بہت سی مسجدوں میں بجلی آگئی لیکن لاہور اور کراچی جیسے شہروں میں بھی انھیں ایسی مسجدوں کا علم رہتا تھا جن کے چراغ اب بھی تیل سے روشن ہوتے تھے۔ وفات کی شب بھی ماں جی کے سرہانے ململ کے رومال میں بندھے ہوئے چند آنے موجود تھے۔ غالباً یہ پیسے بھی مسجد کے تیل کے لیے جمع کر رکھے تھے چونکہ وہ جمعرات کی شب تھی۔

ان چند آنوں کے علاوہ ماں جی کے پاس نہ کچھ اور رقم تھی اور نہ کوئی زیور۔ اسباب دنیا میں ان کے پاس گنتی کی چند چیزیں تھیں۔ تین جوڑے سوتی کپڑے، ایک جوڑا دیسی جوتا، ایک جوڑا ربڑ کے چپل، ایک عینک، ایک انگوٹھی جس میں تین چھوٹے چھوٹے فیروزے جڑے ہوئے تھے۔ ایک جائے نماز، ایک تسبیح اور باقی اللہ اللہ۔ پہننے کے لیے تین جوڑوں کو وہ خاص اہتمام سے رکھتی تھیں۔ ایک زیب تن، دوسرا اپنے ہاتھوں سے دھو کر تکیے کے نیچے رکھا رہتا تھا۔ تاکہ استری ہو جائے تیسرا دھونے کے لیے تیار۔ ان کے علاوہ اگر چوتھا کپڑا ان کے پاس آتا تھا تو وہ چپکے سے ایک جوڑا کسی کو دے دیتی تھیں۔ اسی وجہ سے ساری عمر انھیں سوٹ کیس رکھنے کی حاجت محسوس نہ ہوئی۔ لمبے سے لمبے سفر پر روانہ ہونے کے لیے انھیں تیاری میں چند منٹ سے زیادہ نہ لگتے تھے۔ کپڑوں کی پوٹلی بنا کر انھیں جائے نماز میں لپیٹا۔ جاڑوں میں اونی فرد اور گرمیوں میں ململ کے دوپٹے کی بُکل ماری اور جہاں کہیے چلنے کو تیار۔ سفر آخرت بھی انھوں نے اسی سادگی سے اختیار کیا۔ میلے کپڑے اپنے ہاتھوں سے دھو کر تکیے کے نیچے رکھے۔ نہا دھو کر بال سکھائے اور چند ہی منٹوں میں زندگی کے سب سے لمبے سفر پر روانہ ہو گئیں۔ جس خاموشی سے دنیا میں رہی تھیں، اسی خاموشی سے عقبیٰ کو سدھار گئیں۔ غالباً اس موقعے کے لیے وہ اکثر یہ دعا مانگا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ ہاتھ چلتے چلاتے اٹھا لے۔ اللہ کبھی کسی کا محتاج نہ کرے۔

کھانے پینے میں وہ کپڑے لتے سے بھی زیادہ سادہ اور غریب مزاج تھیں۔ ان کی مرغوب ترین غذا مکئی کی روٹی، دھنیے پودینے کی چٹنی کے ساتھ تھی۔ باقی چیزیں خوشی سے تو کھا لیتی تھیں لیکن شوق سے نہیں۔ تقریباً ہر نوالے پر اللہ کا شکر ادا کرتی تھیں۔ پھلوں میں کبھی بہت ہی مجبور کیا جائے

تو کبھی کبھار کیلے کی فرمائش کرتی تھیں۔ البتہ ناشتے میں چائے دو پیالے اور تیسرے پہر سادہ چائے کا ایک پیالہ ضرور پیتی تھیں۔ کھانا صرف ایک وقت کھاتی تھیں۔ اکثر و بیشتر دوپہر کا، شاذ و نادر رات کا۔ گرمیوں میں عموماً مکھن نکالی ہوئی پتلی نمکین لسی کے ساتھ ایک آدھ سادہ چپاتی ان کی محبوب خوراک تھی۔

دوسروں کو کوئی چیز رغبت سے کھاتے دیکھ کر خوش ہوتی تھیں اور ہمیشہ دعا کرتی تھیں۔ سب کا بھلا، خاص اپنے یا اپنے بچوں کے لیے انھوں نے براہ راست کبھی کچھ نہ مانگا۔ پہلے دوسروں کے لیے مانگتی تھیں اور اس کے بعد مخلوقِ خدا کی حاجت روائی کے طفیل اپنے بچوں یا عزیزوں کا بھلا چاہتی تھیں۔ اپنے بیٹوں یا بیٹیوں کو انھوں نے اپنی زبان سے کبھی "میرے بیٹے" یا "میری بیٹی" کہنے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ہمیشہ ان کو اللہ کا مال کہا کرتی تھیں۔

کسی سے کوئی کام لینا ماں جی پر بہت گراں گزرتا تھا۔ اپنے سب کام وہ اپنے ہاتھوں خود انجام دیتی تھیں۔ اگر کوئی ملازم زبردستی ان کا کوئی کام کر دیتا تو انھیں ایک عجیب قسم کی شرمندگی کا احساس ہونے لگتا تھا اور وہ احسان مندی سے سارا دن اسے دعائیں دیتی رہتی تھیں۔ سادگی اور درویشی کا یہ رکھ رکھاؤ کچھ تو قدرت نے ماں جی کی سرشت میں پیدا کیا تھا کچھ یقیناً زندگی کے زیر و بم نے سکھایا تھا۔

جڑانوالا میں کچھ عرصہ قیام کے بعد جب وہ اپنے والدین اور خورد سال بھائیوں کے ساتھ زمین کی تلاش میں لائل پور کی کالونی کی طرف روانہ ہوئیں تو انھیں معلوم نہ تھا کہ انھیں کس مقام پر جانا ہے اور زمین حاصل کرنے کے لیے کیا قدم اٹھانا ہے؟

ماں جی بتایا کرتی تھیں کہ اس زمانے میں ان کے ذہن میں کالونی کا تصور ایک فرشتہ سیرت بزرگ کا تھا جو کہیں سرِ راہ بیٹھا زمین کے پروانے تقسیم کر رہا ہو گا۔ کئی ہفتے یہ چھوٹا سا قافلہ لائل پور کے علاقے میں پاپیادہ بھٹکتا رہا لیکن کسی راہ گزار پر انھیں کالونی کا خضر صورت رہنما نہ مل سکا۔ آخر تنگ آ کر انھوں نے چک نمبر ۳۹۲ جو ان دنوں نیا نیا آباد ہو رہا تھا ڈیرے ڈال دیے۔ لوگ جوق در جوق وہاں آ کر آباد ہو رہے تھے۔ نانا جی نے اپنی سادگی میں یہ سمجھا کہ کالونی میں آباد ہونے کا شاید یہی ایک طریقہ ہو گا۔ چناں چہ انھوں نے ایک چھوٹا سا احاطہ گھیر کر گھاس پھونس کی جھونپڑی بنائی اور بنجر اراضی کا ایک قطعہ تلاش کر کے کاشت کی تیاری کرنے لگے۔ انھی دنوں محکمۂ مال کا عملہ پڑتال کے لیے آیا۔ نانا جی کے پاس الاٹ منٹ کے کاغذات نہ تھے۔ چناں چہ انھیں چک سے نکال دیا گیا اور سرکاری زمین پر ناجائز جھونپڑا بنانے کی پاداش میں ان کے برتن اور بستر قرق کر لیے گئے۔ عملے کے ایک آدمی نے چاندی کی دو بالیاں بھی ماں جی کے کانوں سے اتروالیں۔ ایک بالی اتارنے میں ذرا دیر ہوئی تو اس نے زور سے کھینچ لی۔ جس سے ماں جی کے کان کا زیریں حصہ بری طرح سے پھٹ گیا۔

چک ۳۹۲ سے نکل کر جو راستہ سامنے آیا اس پر چل کھڑے ہوئے۔ گرمیوں کے دن تھے۔ دن بھر لو چلتی تھی۔ پانی رکھنے کے لیے مٹی کا پیالہ بھی پاس نہ تھا۔ جہاں کہیں کوئی کنواں نظر آیا ماں جی اپنا دوپٹہ بھگو لیتیں تاکہ پیاس لگنے سے اپنے چھوٹے بھائیوں کو چساتی جائیں۔ اس طرح وہ چلتے چلتے چک نمبر ۵۰ میں پہنچے جہاں پر ایک جان پہچان کے آباد کار نے نانا جی کو اپنا مزارع رکھ لیا۔ نانا جی ہل چلاتے تھے۔ نانی مویشی چرانے لے جاتی تھیں۔ ماں جی کھیتوں سے گھاس اور چارا کاٹ کر زمین دار کی بھینسوں اور گایوں کے لیے لایا کرتی تھیں۔ ان دنوں انھیں مقدور بھی نہ تھا کہ ایک وقت کی روٹی بھی پوری طرح کھا سکیں۔ کسی وقت جنگلی بیروں پر گزارہ ہوتا تھا۔ کبھی خربوزے کے چھلکے اُبال کر کھا لیتے تھے۔ کبھی کسی کھیت میں کچی انبیاں گری ہوئی مل گئیں تو ان کی چٹنی بنا لیتے تھے۔ ایک روز کہیں سے توریے اور کلتھے کا ملا جلا ساگ ہاتھ آ گیا۔ نانی محنت مزدوری میں مصروف تھیں۔ ماں جی نے ساگ چولہے پر چڑھایا۔ جب پک کر تیار ہو گیا اور ساگ کو گھوٹنے کا وقت آیا تو ماں جی نے ڈوئی ایسے زور سے چلائی کہ ہنڈیا کا پیندا ٹوٹ گیا اور سارا ساگ بہ کر

چولہے میں آپڑا۔ ماں جی کو نانی سے ڈانٹ پڑی اور مار بھی۔ رات کو سارے خاندان نے چولہے کی لکڑیوں پر گرا ہوا ساگ انگلیوں سے چاٹ چاٹ کر کسی قدر پیٹ بھرا۔

چک نمبر ۵۰۷ ناناجی کو خوب راس آیا۔ چند ماہ کی محنت مزدوری کے بعد نئی آبادکاری کے سلسلے میں آسان قسطوں پر ان کو ایک مربع زمین مل گئی۔ رفتہ رفتہ دن پھرنے لگے اور تین سال میں ان کا شمار گاؤں کے کھاتے پیتے لوگوں میں ہونے لگا۔ جوں جوں فارغ البالی بڑھتی گئی توں توں آبائی وطن کی یاد ستانے لگی۔ چناں چہ خوش حالی کے چار پانچ سال گزارنے کے بعد سارا خاندان ریل میں بیٹھ کر منیلہ کی طرف روانہ ہوا۔ ریل کا سفر ماں جی کو بہت پسند آیا۔ وہ سارا وقت کھڑکی سے باہر منہ نکال کر تماشا دیکھتی رہیں۔ اس عمل میں کوئلے کے بہت سے ذرے ان کی آنکھوں میں پڑ گئے۔ جس کی وجہ سے کئی روز تک وہ آشوبِ چشم میں مبتلا رہیں۔ اس تجربے کے بعد انھوں نے ساری عمر اپنے کسی بچے کو ریل کی کھڑکی سے باہر منہ نکالنے کی اجازت نہ دی۔

ماں جی ریل کے تھرڈ کلاس ڈبے میں بہت خوش رہتی تھیں۔ ہم سفر عورتوں اور بچوں سے فوراً گھل مل جاتیں۔ سفر کی تھکان اور راستے کے گرد و غبار کا ان پر کچھ اثر نہ ہوتا۔ اس کے برعکس اونچے درجوں میں بہت بے زار ہو جاتیں۔ ایک دو بار جب انھیں مجبوراً ائیر کنڈیشن ڈبے میں سفر کرنا پڑا تو وہ تھک کر چور ہو گئیں اور سارا وقت قید کی صعوبت کی طرح ان پر گراں گزرا۔ منیلہ پہنچ کر ناناجی نے اپنا آبائی مکان درست کیا۔ عزیز و اقارب کو تحائف دیے۔ دعوتیں ہوئیں اور پھر ماں جی کے لیے بر ڈھونڈنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اس زمانے میں لائل پور کے مربعہ داروں کی بڑی دھوم تھی۔ ان کا شمار خوش قسمت اور باعزت لوگوں میں ہوتا تھا۔ چناں چہ چاروں طرف سے ماں جی کے لیے پے در پے پیام آنے لگے۔ یوں بھی ان دنوں ماں جی کے بڑے ٹھاٹھ باٹھ تھے۔ برادری والوں پر رعب گانٹھنے کے لیے نانی جی انھیں ہر روز نت نئے کپڑے پہناتی تھیں اور ہر وقت دلہنوں کی طرح سجا کر رکھتی تھیں۔ کبھی کبھار پرانی یادوں کو تازہ کرنے لیے ماں جی بڑے معصوم فخر سے کہا کرتی تھیں: ان دنوں میرا تو گاؤں میں نکلنا دوبھر ہو گیا تھا۔ میں جس طرف سے گزر جاتی لوگ ٹھٹھک کر کھڑے ہو جاتے اور کہا کرتے: یہ خیال بخش مربعے دار کی بیٹی جا رہی ہے۔ دیکھیے! کون خوش نصیب اسے بیاہ کر لے جائے گا۔ ''ماں جی! آپ کی اپنی نظر میں کوئی ایسا خوش نصیب نہیں تھا!'' ہم لوگ چھیڑنے کی خاطر ان سے پوچھا کرتے۔ ''توبہ توبہ پت!'' ماں جی کانوں پر ہاتھ لگاتیں ''میری نظر میں بھلا کوئی کیسے ہو سکتا تھا۔ ہاں میرے دل میں اتنی سی خواہش ضرور تھی کہ اگر مجھے ایسا آدمی ملے جو دو حرف پڑھا لکھا ہو تو خدا کی بڑی مہربانی ہو گی۔'' ساری عمر میں غالباً یہی ایک خواہش تھی جو ماں جی کے دل میں خود اپنی ذات کے لیے پیدا ہوئی۔ اس کو خدا نے یوں پورا کر دیا کہ اسی سال ماں جی کی شادی عبداللہ صاحب سے ہو گئی۔

ان دنوں سارے علاقے میں عبداللہ صاحب کا طوطی بول رہا تھا۔ وہ ایک امیر کبیر گھرانے کے چشم و چراغ تھے لیکن پانچ چھے برس کی عمر میں یتیم بھی ہو گئے اور بے حد مفلوک الحال بھی۔ جب باپ کا سایہ سر سے اٹھا تو یہ انکشاف ہوا کہ ساری آبائی جائیداد رہن پڑی ہے۔ چناں چہ عبداللہ صاحب اپنی والدہ کے ساتھ ایک جھونپڑے میں اٹھ آئے۔ زر اور زمین کا یہ انجام دیکھ کر انھوں نے ایسی جائیداد بنانے کا عزم کر لیا جو مہاجنوں کے ہاتھ گروی نہ رکھی جا سکے۔ چناں چہ عبداللہ صاحب دل و جان سے تعلیم حاصل کرنے میں منہمک ہو گئے۔ وظیفے پر وظیفہ حاصل کر کے اور دو سال کے امتحان ایک ایک سال میں پاس کر کے پنجاب یونی ورسٹی کے میٹریکولیشن میں اول آئے۔ اس زمانے میں غالباً یہ پہلا موقع تھا کہ کسی مسلمان طالب علم نے یونی ورسٹی امتحان میں ریکارڈ قائم کیا ہو۔ اُڑتے اُڑتے یہ خبر سر سید کے کانوں میں پڑ گئی جو اُس وقت علی گڑھ مسلم کالج کی بنیاد رکھ چکے تھے۔ انھوں نے اپنا خاص منشی

گاؤں میں بھیجا اور عبد اللہ صاحب کو وظیفہ دے کر علی گڑھ بلا لیا۔ یہاں پر عبد اللہ صاحب نے خوب بڑھ چڑھ کر اپنا رنگ نکالا اور بی۔اے کرنے کے بعد انیس برس کی عمر میں وہیں پر انگریزی، عربی، فلسفہ اور حساب کے لیکچرار ہو گئے۔

سر سید کو اس بات کی دُھن تھی کہ مسلمان نوجوان زیادہ سے زیادہ تعداد میں اعلیٰ ملازمتوں پر جائیں۔ چناں چہ انھوں نے عبد اللہ صاحب کو سرکاری وظیفہ دلوایا تاکہ وہ انگلستان میں جا کر آئی سی ایس کے امتحان میں شریک ہوں۔

پچھلی صدی کے بڑے بوڑھے سات سمندر پار کے سفر کو بلائے ناگہانی سمجھتے تھے۔ عبد اللہ صاحب کی والدہ نے بیٹے کو ولایت جانے سے منع کر دیا۔ عبد اللہ صاحب کی سعادت مندی آڑے آئی اور انھوں نے وظیفہ واپس کر دیا۔ اس حرکت پر سر سید کو بے حد غصہ بھی آیا اور دکھ بھی ہوا۔ انھوں نے لاکھ سمجھایا، بجھایا، ڈرایا، دھمکایا لیکن عبد اللہ صاحب ٹس سے مس نہ ہوئے۔ "کیا تم اپنی بوڑھی ماں کو قوم کے مفاد پر ترجیح دیتے ہو؟" سر سید نے کڑک کر پوچھا:

"جی ہاں" عبد اللہ صاحب نے جواب دیا۔ یہ ٹکا سا جواب سن کر سر سید آپے سے باہر ہو گئے۔ کمرے کا دروازہ بند کر کے پہلے انھوں نے عبد اللہ صاحب کو لاتوں، مکوں، تھپڑوں اور جوتوں سے خوب پیٹا اور کالج کی نوکری سے برخاست کر کے یہ کہہ کر علی گڑھ سے نکال دیا: "اب تم ایسی جگہ جا کر مرو جہاں سے میں تمھارا نام بھی نہ سُن سکوں۔"

عبد اللہ صاحب جتنے سعادت مند بیٹے تھے، اتنے ہی سعادت مند شاگرد بھی تھے۔ نقشے پر انھیں سب سے دُور افتادہ اور دشوار گزار مقام گلگت نظر آیا۔ چناں چہ وہ ناک کی سیدھ میں گلگت پہنچے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہاں کی گورنری کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ جن دنوں ماں جی کی منگنی کی فکر ہو رہی تھی انھی دنوں عبد اللہ صاحب بھی چھٹی پر گاؤں آئے ہوئے تھے۔ قسمت میں دونوں کا سنجوگ لکھا ہوا تھا۔ ان کی منگنی ہو گئی اور ایک ماہ بعد شادی بھی ٹھہر گئی تاکہ عبد اللہ صاحب دلہن کو اپنے ساتھ گلگت لے جائیں۔ منگنی کے بعد ایک روز ماں جی اپنی سہیلیوں کے ساتھ پاس والے گاؤں میں میلا دیکھنے گئی ہوئی تھیں۔ اتفاقاً یا شاید دانستہ عبد اللہ صاحب بھی وہاں پہنچ گئے۔ ماں جی کی سہیلیوں نے انھیں گھیر لیا اور ہر ایک نے چھیڑ چھیڑ کر ان سے پانچ پانچ روپے وصول کر لیے۔ عبد اللہ صاحب نے ماں جی کو بھی بہت سے روپے پیش کیے لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ بہت اصرار بڑھ گیا تو مجبوراً ماں جی نے گیارہ پیسے کی فرمائش کی۔ "اتنے بڑے میلے میں گیارہ پیسے لے کر کیا کرو گی؟" عبد اللہ صاحب نے پوچھا۔ "اگلی جمعرات کو آپ کے نام سے مسجد میں تیل ڈال دوں گی۔ ماں جی نے جواب دیا۔ زندگی کے میلے میں بھی عبد اللہ صاحب کے ساتھ ماں جی کا لین دین صرف جمعرات کے گیارہ پیسوں تک ہی محدود رہا۔ اس سے زیادہ رقم نہ کبھی انھوں نے مانگی نہ اپنے پاس رکھی۔

گلگت میں عبد اللہ صاحب کی بڑی شان و شوکت تھی۔ خوب صورت بنگلہ، وسیع باغ، نوکر چاکر، دروازے پر سپاہیوں کا پہرہ۔ جب عبد اللہ صاحب دورے پر باہر جاتے تھے یا واپس آتے تھے تو سات توپوں کی سلامی دی جاتی تھی۔ یوں بھی گلگت کا گورنر خاص سیاسی انتظامی اور سماجی اقتدار کا حامل تھا لیکن ماں جی پر اس سارے جاہ و جلال کا ذرہ بھی اثر نہ ہوا۔ کسی قسم کا چھوٹا بڑا ماحول ان پر اثر انداز نہ ہوتا تھا۔ بلکہ ماں جی کی اپنی سادگی اور خود اعتمادی ہر ماحول پر خاموشی سے چھا جاتی تھی۔ ان دنوں سر مالکم ہیلی حکومتِ برطانیہ کی طرف سے گلگت کی روسی اور چینی سرحدوں پر پولیٹیکل ایجنٹ کے طور پر مامور تھے۔ ایک روز لیڈی ہیلی اور ان کی بیٹی ماں جی سے ملنے آئیں۔ انھوں نے فراک پہنے ہوئے تھے اور پنڈلیاں کھلی تھیں۔ یہ بے حجابی ماں جی کو پسند نہ

آئی۔ انھوں نے لیڈی ہیلی سے کہا: "تمھاری عمر تو جیسے گزرنی تھی گزر ہی گئی ہے۔ اب آپ اپنی بیٹی کی عاقبت تو خراب نہ کرو۔" یہ کہ کر انھوں نے مس ہیلی کو اپنے پاس رکھ لیا اور چند مہینوں میں اسے کھانا پکانا، سینا پرونا، برتن مانجھنا، کپڑے دھونا سکھا کر ماں باپ کے پاس واپس بھیج دیا۔

جب روس میں انقلاب برپا ہوا تو لارڈ کچنر سرحدوں کا معائنہ کرنے گلگت آئے۔ ان کے اعزاز میں گورنر کی طرف سے ضیافت کا اہتمام ہوا۔ ماں جی نے اپنے ہاتھ سے دس بارہ قسم کے کھانے پکائے۔ کھانے لذیذ تھے۔ لارڈ کچنر نے اپنی تقریر میں کہا: "مسٹر گورنر! جس خانساماں نے یہ کھانے پکائے ہیں، بہ راہِ مہربانی میری طرف سے آپ ان کے ہاتھ چوم لیں۔" دعوت کے بعد عبداللہ صاحب فرحاں و شاداں گھر لوٹے تو دیکھا کہ ماں جی باورچی خانے کے ایک کونے میں چٹائی پر بیٹھی نمک اور مرچ کی چٹنی کے ساتھ مکئی کی روٹی کھا رہی ہیں۔ ایک اچھے گورنر کی طرح عبداللہ صاحب نے ماں جی کے ہاتھ چومے اور کہا: "اگر لارڈ کچنر یہ فرمائش کرتا کہ وہ خود خانساماں کے ہاتھ چومنا چاہتا ہے تو پھر تم کیا کرتیں؟"

"میں" ماں جی تنک کر بولیں۔ "میں اس کی مونچھیں پکڑ کر جڑ سے اکھاڑ دیتی۔ پھر آپ کیا کرتے؟"

"میں" عبداللہ صاحب نے ڈراما کیا۔ "میں ان مونچھوں کو روئی میں لپیٹ کر وائسرائے کے پاس بھیج دیتا اور تمھیں ساتھ لے کر کہیں اور بھاگ جاتا، جیسے سرسید کے ہاں سے بھاگا تھا۔" ماں جی پر ان مکالموں کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا لیکن ایک بار.... ماں جی رشک و حسد کی اس آگ میں جل بھن کر کباب ہو گئیں جو ہر عورت کا ازلی ورثہ ہے۔ گلگت میں ہر قسم کے احکامات "گورنری" کے نام پر جاری ہوتے تھے۔ جب یہ چرچا ماں جی تک پہنچا تو انھوں نے عبداللہ صاحب سے گلہ کیا: "بھلا حکومت تو آپ کرتے ہیں لیکن گورنری گورنری کہ کر مجھ غریب کا نام بیچ میں کیوں لایا جاتا ہے خواہ مخواہ!" عبداللہ صاحب علی گڑھ کے پڑھے ہوئے تھے۔ رگِ ظرافت پھڑک اٹھی اور بے اعتنائی سے فرمایا: "بھاگوان! یہ تمھارا نام تھوڑا ہے۔ گورنری تو دراصل تمھاری سوکن ہے جو دن رات میرا پیچھا کرتی رہتی ہے۔" مذاق کی چوٹ تھی۔

عبداللہ صاحب نے سمجھا بات آئی گئی ہو گئی لیکن ماں جی کے دل میں غم بیٹھ گیا۔ اس غم میں وہ اندر ہی اندر کڑھنے لگیں۔ کچھ عرصے کے بعد کشمیر کا مہاراجا پرتاب سنگھ اپنی مہارانی کے ساتھ گلگت کے دورے پر آیا۔ ماں جی نے مہارانی سے اپنے دل کا حال سنایا۔ مہارانی بھی سادہ عورت تھی۔ جلال میں آگئی: "ہائے ہائے! ہمارے راج میں ایسا ظلم۔ میں آج ہی مہاراج سے کہوں گی کہ وہ عبداللہ صاحب کی خبر لیں۔" جب یہ مقدمہ مہاراجا پرتاب سنگھ تک پہنچا تو انھوں نے عبداللہ صاحب کو بلا کر پوچھ گچھ کی۔ عبداللہ صاحب بھی حیران تھے کہ بیٹھے بٹھائے یہ کیا افتاد آپڑی لیکن جب معاملے کی تہ تک پہنچے تو دونوں خوب ہنسے۔ آدمی دونوں ہی وضع دار تھے۔ چناں چہ مہاراجا نے حکم نکالا کہ آئندہ سے گلگت کی گورنری کو وزارت اور گورنر کو وزیرِ وزارت کے نام سے پکارا جائے۔ ۱۹۴۷ء کی جنگِ آزادی تک گلگت میں یہی سرکاری اصطلاحات رائج تھیں۔ یہ حکم نامہ سن کر مہارانی نے ماں جی کو بلا کر خوش خبری سنائی کہ مہاراج نے گورنری کو دیس نکالا دے دیا ہے۔ "اب تم دودھوں نہاؤ، پوتوں پھلو۔" مہارانی نے کہا: "کبھی ہمارے لیے بھی دعا کرنا۔" مہاراجا اور مہارانی کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لیے وہ اکثر ماں جی سے دعا کی فرمائش کرتے تھے۔

اولاد کے معاملے میں ماں جی کیا واقعی خوش نصیب تھیں؟ یہ ایک ایسا سوالیہ نشان ہے جس کا جواب آسانی سے نہیں سوجھتا۔ ماں جی خود ہی تو کہا کرتی تھیں کہ ان جیسی خوش نصیب ماں دنیا میں کم ہی ہوتی ہے لیکن اگر صبر و شکر، تسلیم و رضا کی عینک اتار کر دیکھا جائے تو اس خوش نصیب کے پردے میں کتنے دکھ، کتنے غم، کتنے صدمے نظر آتے ہیں۔ اللہ میاں نے ماں جی کو تین بیٹیاں اور تین بیٹے عطا کیے۔ دو بیٹیاں شادی کے کچھ عرصے بعد یکے بعد

دیگرے فوت ہو گئیں۔ سب سے بڑا بیٹا عین عالمِ شباب میں انگلستان جا کر گزر گیا۔ کہنے کو توماں جی نے کہ دیا کہ اللہ کا مال تھا اللہ نے لے لیا لیکن کیا وہ اکیلے میں چھُپ چھُپ کر خون کے آنسو رویا نہ کرتی ہوں گی!

جب عبداللہ صاحب کا انتقال ہوا تو ان کی عمر باسٹھ سال اور ماں جی کی عمر پچپن سال تھی۔ سہ پہر کا وقت تھا۔ عبداللہ صاحب بان کی کھردری چارپائی پر حسبِ معمول گاؤ تکیہ لگا کر نیم دراز تھے۔ ماں جی پائنتی بیٹھی چاقو سے گنا چھیل چھیل کر ان کو دے رہی تھیں۔ وہ مزے مزے سے گنا چوس رہے تھے اور مذاق کر رہے تھے۔ پھر یکایک سنجیدہ ہو گئے اور کہنے لگے: ''بھاگوان! شادی سے پہلے میلے میں مَیں نے تمھیں گیارہ پیسے دیے تھے کیا ان کو واپس کرنے کا وقت نہیں آیا؟'' ماں جی نے نئی دلہنوں کی طرح سر جھکا لیا اور گنا چھیلنے میں مصروف ہو گئیں۔ ان کے سینے میں بہ یک وقت بہت خیال امڈ آئے۔ ''ابھی وقت کہاں آیا ہے۔ سرتاج شادی کے پہلے گیارہ پیسوں کی تو بڑی بات ہے لیکن شادی کے بعد جس طرح تم نے میرے ساتھ نباہ کیا ہے اس پر میں نے تمھارے پاؤں دھو کر پینے ہیں۔ اپنی کھال کی جوتیاں تمھیں پہنانی ہیں۔ ابھی وقت کہاں آیا ہے میرے سرتاج۔'' لیکن قضا و قدر کے بہی کھاتے میں وقت آ چکا تھا۔ جب ماں جی نے سر اٹھایا تو عبداللہ صاحب گنے کی قاش منہ میں لیے گاؤ تکیہ پر سو رہے تھے۔ ماں جی نے بہتیرا بلایا، ہلایا، چمکارا لیکن عبداللہ صاحب ایسی نیند سو گئے تھے جس سے بیداری قیامت سے پہلے ممکن ہی نہیں۔

ماں جی نے اپنے باقی ماندہ دو بیٹوں اور ایک بیٹی کو سینے سے لگا لگا کر تلقین کی: ''بچے! رونا مت۔ تمھارے ابا جی جس آرام سے سو رہے تھے، اسی آرام سے چلے گئے۔ اب رونا مت۔ ان کی روح کو تکلیف پہنچے گی۔'' کہنے کو توماں جی نے کہ دیا کہ اپنے ابا کی یاد میں نہ رونا، ورنہ ان کو تکلیف پہنچے گی لیکن کیا وہ خود چوری چھپے اس خاوند کی یاد میں نہ روئی ہوں گی جس نے باسٹھ سال کی عمر تک انھیں ایک الھڑ دلہن سمجھا اور جس نے گورنری کے علاوہ اور کوئی سوکن اس کے سر پر لا کر نہیں بٹھائی۔ جب وہ خود چل دیں تو اپنے بچوں کے لیے ایک سوالیہ نشان چھوڑ گئیں، جو قیامت تک انھیں عقیدت کے بیابان میں سرگرداں رکھے گا۔ اگر ماں جی کے نام پر خیرات کی جائے تو گیارہ پیسے سے زیادہ ہمت نہیں ہوتی، لیکن مسجد کا مُلّا پریشان ہے کہ بجلی کا ریٹ بڑھ گیا ہے اور تیل کی قیمت گراں ہو گئی ہے۔

ماں جی کے نام پر فاتحہ دی جائے تو مکئی کی روٹی اور نمک مرچ کی چٹنی سامنے آتی ہے لیکن کھانے والا درویش کہتا ہے کہ فاتحہ درود میں پلاؤ اور زردے کا اہتمام لازم ہے۔ ماں جی کا نام آتا ہے تو بے اختیار رونے کو جی چاہتا ہے لیکن اگر رویا جائے تو ڈر لگتا ہے کہ ان کی روح کو تکلیف نہ پہنچے اور اگر ضبط کیا جائے تو خدا کی قسم ضبط نہیں ہوتا۔

(ماں جی)

قدرت اللہ شہاب (۱۹۱۷ء۔۱۹۸۶ء)

قدرت اللہ شہاب ۲۶ فروری ۱۹۱۷ء کو گلگت میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم ریاست جموں و کشمیر اور موضع چمکور صاحب، ضلع انبالہ میں حاصل کی۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم۔اے انگلش کیا۔ قدرت اللہ شہاب ۱۹۴۱ء میں انڈین سول سروس میں شامل ہوئے۔ ابتدا میں آپ نے بہار اور اڑیسہ میں خدمات سرانجام دیں۔ ۱۹۴۳ء میں بنگال میں متعین ہوگئے۔ آزادی کے بعد آپ حکومتِ آزاد کشمیر کے سیکریٹری جنرل مقرر ہوئے۔ بعدازاں پہلے گورنر جنرل پاکستان غلام محمد، پھر سکندر مرزا اور بعدازاں صدر ایوب خان کے سیکریٹری مقرر ہوئے۔ پاکستان میں جنرل یحییٰ خان کے برسراقتدار آنے کے بعد انھوں نے سول سروس سے استعفیٰ دے دیا اور اقوام متحدہ کے ادارے یونیسکو سے وابستہ ہوگئے۔ پاکستان رائٹرز گلڈ کی تشکیل بھی انھی کی مساعی سے عمل میں آئی۔ صدر یحییٰ خان کے دور میں وہ ابتلا کا شکار بھی ہوئے اور یہ عرصہ انھوں نے انگلستان کے نواحی علاقوں میں گزارا۔ قدرت اللہ شہاب ایک بہت عمدہ نثر نگار اور ادیب بھی تھے۔ ان کی تصانیف میں "یاخدا"، "نفسانے"، "ماں جی"، "سرخ فیتہ" اور ان کی خود نوشت سوانح حیات "شہاب نامہ" قابلِ ذکر ہیں۔ قدرت اللہ شہاب نے ۲۴ جولائی ۱۹۸۶ء کو اسلام آباد میں وفات پائی۔

مشق

۱۔ درج ذیل الفاظ میں سے درست جواب کا انتخاب کریں:

الف۔ عرفِ عام میں لائل پور، جھنگ، سرگودھا وغیرہ کو علاقہ کہا جاتا تھا:

الف: تھل کا　　ب: بار کا　　ج: کچے کا　　د: جنگل کا

ب۔ نانی نے ماں جی کو بطور عیدی دیے:

الف: دو آنے　　ب: تین آنے　　ج: چار آنے　　د: پانچ آنے

ج۔ جب روس میں انقلاب برپا ہوا تو لارڈ کچنر سرحدوں کا معائنہ کرنے آئے:

الف: گلگت　　ب: سیالکوٹ　　ج: لاہور　　د: مظفر آباد

د۔ عبداللہ صاحب جتنے سعادت مند بیٹے تھے، اتنے ہی سعادت مند تھے:

الف: مرید　　ب: بھائی　　ج: دوست　　د: شاگرد

ہ۔ اس زمانے میں مربعہ داروں کی بڑی دھوم تھی:

الف: لائل پور کے　　ب: بہاول پور کے　　ج: راجن پور کے　　د: شکار پور کے

۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں:

الف۔ لائل پور کا موجودہ نام کیا ہے؟

ب۔ ماں جی آشوبِ چشم میں کیوں مبتلا رہیں؟

ج۔ سرسید احمد خاں نے عبداللہ صاحب کو علی گڑھ کالج کی نوکری سے برخاست کیوں کیا؟

د۔ "اب تم دودھوں نہاؤ، پوتوں پھلو"۔ مہارانی نے ماں جی کو یہ دعا کس موقعے پر دی؟

ہ۔ عبداللہ صاحب نے مرنے سے پہلے اپنی بیوی سے کس چیز کی واپسی کا تقاضا کیا؟

و۔ عبداللہ صاحب نے کس سوکن کے لانے کی بات کی تھی؟

ز۔ مہاراجا پرتاپ سنگھ نے مہارانی کے کہنے پر کیا حکم نامہ جاری کیا؟

ی۔ عبداللہ صاحب کی وفات پر ماں جی نے بچوں کو کیا نصیحت کی؟

۳۔ افسانہ "ماں جی" کے اہم نکات کا خلاصہ تحریر کریں۔

۴۔ درج ذیل افسانوی (ناول۔توبۃ النصوح) اقتباس کو پڑھیں اور اس کے اسلوب اور بیان کے پیش نظر، روزمرہ زندگی کے معمولات سے اس کا تجزیہ اور موازنہ کریں۔ (کلیم اپنے والد کی سرزنش پر گھر والوں سے خفا ہو کر اپنے دوست ظاہر دار بیگ کے پاس آجاتا ہے):

غرض مرزا نے اپنی چرب زبانی سے چنوں کو گھی کی تلی دال بنا کر اپنے دوست کلیم کو کھلایا۔ کلیم بھوکا تو تھا ہی اس کو بھی ہمیشہ سے کچھ زیادہ مزے دار معلوم ہوئے۔ مرزا نے گھر جا کر ایک میلی دری اور ایک کثیف سا تکیہ بھیج دیا۔ دو ہی گھڑی میں کلیم کی حالت کا اس قدر متغیر ہو جانا عبرت کا مقام ہے یا تو خلوت خانہ اور عشرت منزل میں تھا یا اب ایک مسجد میں آکر پڑا اور مسجد بھی ایسی جس کا تھوڑا سا حال ہم نے اوپر بیان کیا۔ گھر کے ایوانِ نعمت کو لات مار کر نکلا تھا تو پہلے ہی وقت چنے چبانے پڑے۔ نہ چراغ نہ چارپائی نہ بہن نہ بھائی نہ مونس نہ غم خوار نہ نوکر نہ خدمت گار۔ مسجد میں اکیلا ایسا بیٹھا تھا جیسے قید خانے میں حاکم کا گناہ گار یا قفس میں مرغِ نَو گرفتار اور کوئی ہوتا تو اس حالت پر نظر کر کے تنبیہ پکڑتا اپنی حرکت سے توبہ اور اپنے افعال سے استغفار کرتا اور اُسی وقت نہیں تو سویرے گجر دم باپ کے ساتھ نمازِ صبح میں جا شریک ہوتا لیکن کلیم کو اور بہت سے مضمون سوچنے کو تھے اُس نے رات بھر میں ایک قصیدہ تو مسجد کی ہجو میں تیار کیا اور ایک مثنوی مرزا کی شان میں کہی۔

صبح ہوتے آنکھ لگ گئی تو نہیں معلوم مرزا یا محلے کا کوئی اور عیار ٹوپی، جوتی، رومال، چھڑی، تکیہ، دری یعنی جو چیز کلیم کے بدن سے منفک اور اُس کے جسم سے جُدا تھی لے کر چنپت ہوا۔ یوں بھی کلیم بہت دیر کو سوکے اُٹھتا تھا اور آج تو ایک وجہ خاص تھی کوئی پہر سوا پہر دن چڑھے جاگا تو کیا دیکھتا ہے کہ فرشِ مسجد پر پڑا ہے اور نیند کی حالت میں جو کروٹیں لی ہیں تو سیروں گرد کا بھبھوت اور چمگادڑوں کی بیٹ کا ضماد بدن پر تھپا ہوا ہے۔

حروفِ ربط:

i۔ حروفِ جار: وہ حروف جو کسی اسم کو فعل سے ملاتے ہیں۔ مثلاً: کتاب میز پر رکھ دو۔ اس مثال میں "پر" حرف جار ہے۔ اسی طرح کو "سے" تک نے ساتھ وغیرہ حروفِ جار ہیں۔

ii۔ حروفِ اضافت:

ایسے حروف جو ایک اسم کا تعلق دوسرے اسم سے ظاہر کریں۔ مثلاً: کا، کی کے

iii۔ حروفِ استفہام:

ایسے حروف جو سوال پوچھنے کے لیے استعمال ہوں۔ مثلاً: کیا، کون، کیوں

iv۔ حروفِ عطف: دو اسموں یا دو جملوں کو ملانے والے حروف۔ مثلاً: اور، و، نیز وغیرہ

v۔ حروفِ تردید: وہ حروف جو دو باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے موقعے پر استعمال کیے جائیں۔ امیر ہو یا غریب، اچھا ہو کہ بُرا۔ خواہ سو جاؤ، خواہ کھیل لو، چاہے بیٹھ جاؤ، چاہے کھڑے رہو۔ ہو یا، ہو کہ، خواہ، چاہے حروفِ تردید ہیں۔

vi۔ حروفِ شرط: وہ حروف جو کسی شرط کے لیے استعمال ہوں۔ مثلاً: اگر محنت کرو گے تو کام یابی ملے گی۔

اگر، اگرچہ، جب، جب تک، تاوقت یہ کہ، جوں ہی، حروف شرط ہیں۔

جس کام کے لیے شرط عائد کی گئی ہو اس کے ساتھ جزا کے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً: اگر محنت کرو گے تو کام یاب ہو جاؤ گے۔ اس مثال میں "تو" حرفِ جزا ہے۔ اگرچہ اس نے محنت کی لیکن کام یاب نہ ہو سکا۔ اس مثال میں "لیکن" حرف جزا ہے۔

vii۔ حروفِ علت: کسی وجہ یا سبب کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہونے والے حروف، کیوں کہ، چوں کہ، تا کہ، لہٰذا، اس لیے

viii۔ حروفِ اضراب: ایک بات کو ترقی دے کر اعلیٰ کو ادنیٰ یا ادنیٰ کو اعلیٰ بنا دینے کے موقع پر استعمال ہونے والے حروف مثلاً: وہ انسان نہیں بلکہ حیوان ہے۔ اس مثال میں "بلکہ" حرفِ اضراب ہے۔

ix۔ حروفِ بیان: ایسے حروف جو کسی وضاحت کے لیے استعمال کیے جائیں۔ استاد نے کہا کہ سب کھڑے ہو جاؤ۔ اس مثال میں "کہ" حرفِ بیان ہے۔

x۔ حروفِ تشبیہ: یہ حروف ایک شے کو دوسری شے کی طرح بتانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

مانند، مثل، طرح، سا، جیسا، بعینہٖ، حرف تشبیہ ہیں۔

۵۔ درج ذیل حروف کی نشان دہی کرتے ہوئے انھیں تحریر و تقریر میں استعمال کریں:

شاباش، سبحان اللہ، خبردار، ہائے ہائے، ماشاء اللہ، مانند، بلکہ، اگر، کیا، چوں کہ، حاشا و کلا، بہ خدا

تذکیر و تانیث (اسما اور ضمائر): تذکیر و تانیث کی دو قسمیں ہیں: حقیقی اور غیر حقیقی

حقیقی تذکیر و تانیث میں جنس کی صرف دو ہی قسمیں ہیں یعنی نر (مذکر) اور مادہ (مونث)، یہ تذکیر و تانیث جانداروں کے لحاظ سے کی گئی ہے اور اس کی پہچان اور تمیز آسان ہے؛ جب کہ بے جان میں نر اور مادہ کا تصور موجود نہیں ہے۔ قواعد میں الفاظ سے بحث ہوتی ہے، اس کے علاوہ جانداروں کی تذکیر و تانیث بھی قطعی قاعدوں کے تحت نہیں آتی۔ جن ہندی الفاظ کے آخر میں "الف" ہو گا وہ مذکر ہوں گے۔ مثلاً: لڑکا، گھوڑا وغیرہ۔

عربی میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن کے آخر میں "ہ" آتی ہے اور وہ الفاظ کی مونث ہیں: مثلاً: والدہ، ملکہ وغیرہ

۶۔ درج ذیل الفاظ کے جملے بنا کر تذکیر اور تانیث واضح کریں:

پہاڑ، فارسی، اخبار، دہی، مٹی، گھاس

سرگرمی

۱۔ طلبہ اپنے استاد محترم/استانی صاحبہ کے زیرِ نگرانی احمد ندیم قاسمی کے افسانے "کوچوان" کی اپنی گفتگو کی زیر و بم کے لحاظ سے جماعت کے کمرے میں ڈرامائی تشکیل کریں۔

۲۔ کالج اسمبلی میں "حب الوطنی" کے موضوع پر اپنے مطالعے، تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں استدلال، درست تلفظ، اور عمدہ لب و لہجے کے ساتھ زبانی تقریر کریں۔

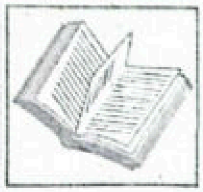

۴

رستم و سہراب

(چھٹا منظر: میدانِ جنگ)

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- کسی ڈرامے کو پڑھتے ہوئے اس میں موجود مکالمے کی ترتیب و پیش کش کو سمجھتے ہوئے ڈرامے پر اس کے اثر کا تجزیہ کریں۔
- مختلف تحاریر (روداد، سفر نامہ، مضامین، خطوط، اداریے، خبریں، رپورٹ، اشتہار وغیرہ) پڑھ کر ان کے مقاصد کی ترجمانی کریں۔
- کسی علمی، ادبی یا صحافتی موضوع پر اپنے مطالعے، تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں استدلال، درست تلفظ اور عمدہ لب و لہجے کے ساتھ زبانی (فی البدیہہ اور یاد کی ہوئی) تقریر کر سکیں۔
- رپورتاژ، تجزیاتی رپورٹ اور یادداشت کے درمیان فرق کو سمجھتے ہوئے ان کی تحریری تخلیق کر سکیں۔
- مختلف ادبی شخصیات کی مرقع نگاری کر سکیں۔
- عبارت پڑھتے ہوئے تمام علاماتِ اوقاف کا لحاظ رکھ سکیں۔
- متضاد الفاظ کی جوڑیاں شناخت کرتے ہوئے تحریر میں استعمال کر سکیں۔

خاص	قہر و غضب	سجدہ ہائے نیاز	جنگ کا نقارہ	اَجَل	گھات میں
الفاظ	ہُومان	حَسرت و ماتم	مُوذِی حَیوان	جلّاد	مُہرہ

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- سبق خوانی سے قبل ڈرامے کا تعارف، ساخت، روایت اور اقسام بیان کریں۔ آغا حشر کے ڈرامے کی نمایاں خصوصیات بتائی جائیں۔ جماعت کے مختلف طلبہ منتخب کر کے مکالمے ادا کرائے جائیں۔۔ سبق کی تدریس کے دوران میں اشعار اور مشکل الفاظ تختۂ تحریر پر لکھ کر ان کے مطالب سمجھائے جائیں۔ طلبہ کو لائبریری سے مختلف ڈرامے مطالعہ کرنے کی ترغیب دی جائے۔ اپنے تعلیمی ادارے کی تقریبات کے لیے طلبہ کو ایک ایکٹ کے ڈرامے کی مکمل ریہرسل کروائیں اور اس ڈرامے کو اسٹیج پر پیش کریں۔

پڑھنے سے پہلے بوجھیں

کس طرح کی کہانی کو "ڈراما" کہتے ہیں اور ہندوستان میں اس کی روایت کتنی پرانی ہے؟

پڑھیں

(رستم اُداس چہرے اور غم گین دل کے ساتھ مایوس نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھ رہا ہے۔)

رستم: پروردگار! میں نے کبھی تیرے قہر و غضب کو حقیر نہیں سمجھا۔ کبھی تیری طاقت کے سامنے اپنی فانی طاقت کا غرور نہیں کیا۔ پھر اس ذلّت کی شکل میں تو نے مجھے میرے کس گناہ کی سزا دی ہے؟

اے دردمندوں کی دوا اور کمزوروں کی طاقت! اے ناامیدوں کی امید! میں نے کل ساری رات تیرے حضور میں سجدہ ہائے نیاز کے ساتھ آنسو بہا کر مدد کے لیے التجا کی ہے۔ اپنے عاجز بندے کی التجا قبول کر
اس بڑھاپے میں دنیا کے سامنے میری شرم رکھ اور ایک بار میری جوانی کا زور و جوش مجھے دوبارہ واپس دے دے۔

تری قدرت پلٹ سکتی ہے سارے کارخانے کو
پھر اک دن کے لیے تو بھیج دے پچھلے زمانے کو

(سہراب کا داخلہ)

سہراب: صبح ہو گئی۔ ممکن ہے، یہ آج کی صبح اس کی زندگی کی شام ثابت ہو۔ نہ جانے کیا سبب ہے کہ اس کی موت کا خیال آتے ہی میری روح کانپ اٹھتی ہے (رستم کو دیکھ کر) تو آ گیا؟ کیا جنگ کے نقارے کی پہلی چوٹ سے تیری نیند ٹوٹ گئی؟

رستم: بہادر اپنا وعدہ نہیں بھولتا۔ میں آدھی رات سے صبح ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

سہراب: آج لڑائی کا دوسرا دن ہے۔ جانتا ہے اس جنگ کا کیا نتیجہ ہو گا؟

رستم: ہم دونوں میں سے ایک کی موت۔

سہراب: شیر دل بوڑھے! میرا دل تیری موت دیکھنے کے لیے راضی نہیں ہوتا۔ ایک غیبی آواز بار بار مجھے اس جنگ سے روک رہی ہے۔ اگر ایران کی گود بہادر فرزندوں سے خالی نہیں ہے تو جا، واپس جا اور اپنے عوض کسی اور ایرانی دلیر کو بھیج دے۔ میں تجھے زندگی اور سلامتی کے ساتھ لوٹ جانے کی اجازت دیتا ہوں۔

رُستم: کل کی اتفاقی فتح پر غرور نہ کر۔ ہر نیا دن انسان کے لیے نئے انقلاب لے کر آتا ہے۔ تقدیر کا پہیا ہمیشہ ایک ہی سمت میں نہیں گھومتا۔

گھڑی بھر میں بدلنا ہو گا تجھ کو پیرہن اپنا
منگا کر پاس رکھ لے جنگ سے پہلے کفن اپنا

(جنگ شروع ہوتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد سہراب ہاتھ روک لیتا ہے)

سہراب: آج میں تجھ میں نیا جوش اور نئی قوت دیکھ رہا ہوں۔ جواں ہمت بوڑھے! مجھے پھر شک ہوتا ہے کہ تو رستم ہے۔ میں تیری عزت کا واسطہ اور تیری بہادری کی دہائی دے کر ایک بار پھر تیرا نام پوچھتا ہوں۔ زور سے نہیں، منّت سے! غرور سے نہیں، عاجزی سے!

رُستم: تو میرا نام ہی جاننا چاہتا ہے تو سن! میرا نام ہے۔

سہراب: (خوشی کی گھبراہٹ سے) رستم!

رُستم: نہیں! سہراب کی موت۔

سہراب: افسوس! تُو نے میرے رحم کی قدر نہیں کی۔

(دوبارہ جنگ ہوتی ہے۔ رستم، سہراب کو گرا کر سینے پر چڑھ بیٹھتا ہے۔)

رُستم:

بس اسی ہمت، اسی طاقت پہ تھا اتنا غرور
تو کوئی شیشہ نہ تھا، کیوں ہو گیا پھر چُور چُور

کیا ہوا زور، جوانی اٹھ ! اجل ہے گھات میں
دیکھ لے اب کس قدر قوت ہے بوڑھے ہات میں

(سہراب کے سینے میں خنجر بھونک دیتا ہے)

سہراب: آہ! اے آنکھو! تمھارے نصیب میں باپ کا دیدار نہ تھا۔ کہاں ہو! پیارے باپ کہاں ہو؟ باپ کہاں ہو؟ آؤ! آؤ کہ مرنے سے پہلے تمھارا سہراب تمھیں ایک بار دیکھ لے۔

کیا خبر تھی کہ بگڑ جائے گی قسمت اپنی
آخری وقت دکھا دو مجھے صورت اپنی

رُستم: اپنی جوانی کی موت پر ماتم کرنے کے لیے باپ کو یاد کر رہا ہے؟ اب تیرے باپ کی محبت، اس کے آنسو، اس کی فریاد، کوئی تجھے دنیا میں زندہ نہیں رکھ سکتی۔

مرہم کہاں جو رکھ دے دلِ پاش پاش پر
آیا بھی وہ تو روئے گا بیٹے کی لاش پر

سہراب: بھاگ جا۔ بھاگ جا۔ اس دنیا سے کسی دوسری دنیا میں بھاگ جا۔ تو نے سام و نریمان کے خاندان کا چراغ بجھا دیا ہے۔ تاریک جنگلوں میں پہاڑوں کے غار میں، سمندر کی تہ میں، تو کہیں بھی جا کر چھپے لیکن میرے باپ رستم کے انتقام سے نہیں بچ سکے گا۔

رُستم: چونک کر کھڑا ہو جاتا ہے کیا کہا؟ کیا کہا؟ تو رستم کا بیٹا ہے؟

سہراب: ہاں۔

رُستم: تیری ماں کا نام؟

سہراب: تہمینہ

رُستم: تیرے اس دعوے کا ثبوت؟

سہراب: ثبوت اس بازو پر بندھی ہوئی میرے باپ رستم کی نشانی۔

رُستم: جھوٹ ہے، غلط ہے۔ تو دھوکا دے رہا ہے۔ مجھے پاگل بنا کر اپنے قتل کا انتقام لینا چاہتا ہے۔ (گھبراہٹ کے ساتھ سہراب کے بازو کا کپڑا اپھاڑ کر اپنا دیا ہوا مہرہ دیکھتا ہے) وہی مہرہ، وہی نشانی! (سر پٹک کر) کیا کیا؟ کیا کیا؟ اندھے پاگل جلاد! یہ کیا کیا؟ شیر جیسا خون خوار بھیڑیے جیسا ظالم ریچھ جیسا موذی حیوان بھی اپنی اولاد کی جان نہیں لیتا لیکن تو انسان ہو کر حیوان سے بھی زیادہ خونی اور جہنم سے بھی زیادہ بے رحم ہے۔۔

خون میں ڈوبا ہے وہ جس سے مزہ جینے میں تھا
دل کے بدلے کیا کوئی پتھر ترے سینے میں تھا
توڑ ڈالا اپنے ہی ہاتھوں سے او ظالم! اسے
تیرا نقشہ، تیرا ہی چہرہ جس آئینے میں تھا

سہراب: فتح مند بوڑھے! تو رُستم نہیں ہے، پھر میری موت پر خوش ہونے کے بدلے اس طرح کیوں رنج کر رہا ہے؟

رُستم: (رو کر) اس دنیا میں رنج اور آنسو، رونے اور چھاتی پیٹنے کے سوا میرے لیے اب اور کیا باقی رہ گیا ہے میں نے تیری زندگی تباہ کر کے اپنی زندگی کا ہر عیش اور اپنی دنیا کی ہر خوشی تباہ کر دی۔ مجھ سے نفرت کر! میرے منھ پر تھوک دے، مجھ پر ہزاروں زبانوں سے لعنت بھیج۔

فغاں ہوں، حسرت و ماتم ہوں، سر سے پاؤں تک غم ہوں
میں ہی بیٹے کا قاتل ہوں، میں ہی بد بخت رُستم ہوں

سہراب: بابا! میرے بابا!

رُستم: ہائے میرے پیار! تو نے الفت سے، نرمی سے، منّت سے، کتنی مرتبہ میرا نام پوچھا۔ اس محبت و عاجزی کے ساتھ پوچھنے پر لوہے کے ٹکڑے میں بھی زبان پیدا ہو جاتی ہے، پتھر بھی جواب دینے کے لیے مجبور ہو جاتا ہے لیکن اس دو روزہ دنیا کی جھوٹی شہرت اور اس فانی دنیا کے فانی غرور نے میرے ہونٹوں کو ہلنے کی اجازت نہ دی۔ میرے بچے! میری تہمینہ کی نشانی!

کس جگہ بے رحم سینے میں نہاں رکھوں تجھے
آنکھ میں، دل میں، کلیجے میں کہاں رکھوں تجھے

سہراب: ہومان، بارمان، ہجیر سب نے مجھے دھوکا دیا۔ بابا نہ رو! میری موت کو خدا کی مرضی سمجھ کر صبر کر

مل گئی مجھ کو جو قسمت میں سزا لکھی تھی
باپ کے ہاتھ سے بیٹے کی قضا لکھی تھی

رُستم: جب تیری ناشاد ماں بال نوچتی، آنسو بہاتی، چھاتی پیٹتی، ماتم اور فریاد کی تصویر بنی ہوئی سامنے آکر کھڑی ہوگی اور پوچھے گی کہ میرا لاڈلا سہراب، میرا بچہ، میرا شیر کہاں ہے تو اپنا ذلیل منہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لینے کے سوال سے کیا جواب دوں گا؟ کن لفظوں سے اس کے ٹوٹے ہوئے دل اور زخمی کلیجے کو تسلی دوں گا۔

سنوں گا ہائے کیسے ماتا کی اس دہائی کو
کہاں سے لاؤں گا مانگے گی جب اپنی کمائی کو
نگاہیں کس طرح اٹھیں گی مجھ قسمت کے ہیٹے کی
دکھاؤں گا میں کن ہاتھوں سے ماں کو لاش بیٹے کی

سہراب: پیارے باپ! میری بد نصیب ماں سے کہنا کہ انسان سب سے لڑ سکتا ہے، قسمت سے جنگ نہیں کر سکتا۔ آہ!
(رُستم کی گود سے زمین پر گر کر آنکھیں بند کر لیتا ہے)

رُستم: یہ کیا! یہ کیا! میرے بچے! آنکھیں کیوں بند کر لیں؟ کیا خفا ہو گئے؟ کیا ظالم باپ کی صورت دیکھنا نہیں چاہتے؟ یہ موت کا گہوارہ، یہ خون میں ڈوبی ہوئی زمین، پھولوں کا بستر، ماں کی گود، باپ کی چھاتی نہیں ہے پھر تمھیں کس طرح نیند آگئی۔

سہراب: ماں! خدا۔ تمھیں۔ تسلی دے!

رستم: اور...اور...بیٹا بولو! ...بولو! چپ کیوں ہو گئے۔ آہ! آہ! اس کا خون سرد ہو رہا ہے۔ اس کی سانسیں ختم ہو رہی ہیں۔ اے خدا! اے کریم و رحیم خدا! اولاد باپ کی زندگانی کا سرمایہ اور ماں کی روح کی دولت ہے۔ یہ دولت محتاجوں سے نہ چھین۔ اپنی دنیا کا قانون بدل ڈال۔ اس کی موت مجھے اور میری باقی زندگی اسے بخش دے۔ دیکھ میری طرف دیکھ! میں نے بڑے بڑے بادشاہوں کو تاج و تخت کی بھیک دی ہے۔ آج ایک فقیر کی طرح تجھ سے اپنے بیٹے کی زندگی کی بھیگ مانگتا ہوں۔

ڈال دے جھولی میں تو میرے گلِ شاداب کو
ہاتھ پھیلائے ہوں میں، دے دے مرے سہراب کو

سہراب: (آنکھیں بند کیے ہوئے) دنیا...رخصت...خدا!

(مر جاتا ہے)

رستم: آہ! جوانی کا چراغ آخری ہچکی لے کر بجھ گیا۔ بے رحم موت نے میری امید کی روشنی لوٹ لی۔ اب لاکھوں چاند، ہزاروں سورج مل کر بھی میرے غم کا اندھیرا دور نہیں کر سکتے۔ چھاتی پیٹ کر، درختو! پہاڑو!، ستارو! ٹکرا کر چُور ہو جاؤ! آج ہی زندگی کی قیامت ہے۔ آج ہی دنیا کا آخری دن ہے۔ زندگی! دنیا! کہاں ہے زندگی؟ کہاں ہے دنیا! زندگی سہراب کے خون میں اور دنیا رستم کے آنسوؤں میں ڈوب گئی (دیوانوں کی طرح غش کھا کر گر پڑتا ہے)۔ سہراب... سہراب... سہراب... (پردہ گرتا ہے)۔ (رستم و سہراب)

آغا حشر کاشمیری (۱۸۸۴ء۔۱۹۳۸ء)

آغا حشر کاشمیری کا اصل نام آغا محمد شاہ اور والد کا نام آغا محمد غنی شاہ تھا۔ بنارس میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کے زیرِ سرپرستی اردو، عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم مکمل کر کے راج نرائن ہائی اسکول، بنارس میں انگریزی کی تعلیم حاصل کی۔ سترہ برس کی عمر میں شعر و شاعری کی طرف رجحان ہوا۔ اس زمانے میں بمبئی کی الفریڈ تھیٹریکل کمپنی بنارس آئی تو انھیں ڈراما لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اسی شوق کی تکمیل کے لیے وہ بمبئی پہنچ گئے اور پہلا ڈراما "مرید شک" لکھا۔ یہ ڈراما ۱۸۹۹ء میں مکمل ہوا اور اسٹیج کیا گیا، جو بے حد مقبول ہوا۔ اس کے بعد انھوں نے یکے بعد دیگرے کئی ڈرامے لکھے، جن میں سے اکثر کے پلاٹ ولیم شیکسپیئر کے انگریزی ڈراموں سے ماخوذ تھے۔ ان کے اہم ڈراموں میں "اسیر حرص"، "شہید ناز صید ہوس"، "خوب صورت بلا"، "یہودی کی لڑکی"، "ترکی حور"، "آنکھ کا نشہ" اور "رستم و سہراب" شامل ہیں۔ لاہور میں انتقال ہوا۔ آغا حشر کی ڈراما نگاری کی نمایاں خصوصیات میں ان کی فن ڈراما نگاری سے طبعی مناسبت، زبان و بیان پر قدرت، شگفتگی، مزاح اور رنگینی و شوخی قابلِ ذکر ہیں۔ حشر کے آخری زمانے کے ڈرامے، اندازِ تحریر کی ندرت اور ادبی حسن کے اعتبار سے زیادہ قابلِ قدر ہیں۔ ان کی ڈراما نگاری میں وہ تمام خاصیتیں موجود تھیں، جن کی وجہ سے وہ قدیم اور جدید ڈراما نگاری کے درمیان ایک اہم کڑی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مشق

۱۔ مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں:

الف۔ رستم اپنے پروردگار سے کس بات کی دُعا مانگتا ہے؟

ب۔ کس خیال پر سہراب کی روح کانپ اٹھتی ہے؟

ج۔ رستم نے یہ کیوں کہا کہ بہادر اپنا وعدہ نہیں بھولتا؟

د۔ سہراب کے پوچھنے پر رستم اپنا کیا نام بتاتا ہے؟

ہ۔ رستم کو کب معلوم ہوتا ہے کہ سہراب اس کا بیٹا ہے؟

و۔ حقیقت معلوم ہونے پر رستم کسی طرح کے رد عمل کا اظہار کرتا ہے؟

ز۔ سہراب اپنی ماں کے نام کیا پیغام دیتا ہے؟

ح۔ مرتے ہوئے سہراب کی زبان پر کیا الفاظ تھے؟

ط۔ رستم غش کھانے سے پہلے دیوانوں کی طرح کس کا نام پکارتا ہے اور کیوں؟

۲۔ درج ذیل عبارت پڑھتے ہوئے تمام علاماتِ اوقاف کا لحاظ رکھیں:

سہراب: صبح ہو گئی ممکن ہے یہ آج کی صبح اس کی زندگی کی شام ثابت ہو نہ جانے کیا سبب ہے کہ اس کی موت کا خیال آتے ہی میری روح کانپ اٹھتی ہے۔(رستم کو دیکھ کر) تو آ گیا؟ کیا جنگ کے نقارے کی پہلی چوٹ سے تیری نیند ٹوٹ گئی؟

رستم: بہادر اپنا وعدہ نہیں بھولتا میں آدھی رات سے صبح ہونے کا انتظار کر رہا تھا

سہراب: آج لڑائی کا دوسرا دن ہے جانتا ہے اس جنگ کا کیا نتیجہ ہوگا

سہراب: شیر دل بوڑھے! میرا دل تیری موت دیکھنے کے لیے راضی نہیں ہوتا۔ ایک غیبی آواز بار بار مجھے اس جنگ سے روک رہی ہے اگر ایران کی گود بہادر فرزندوں سے خالی نہیں ہے تو جا واپس جا اور اپنے عوض کسی اور ایرانی دلیر کو بھیج دے میں تجھے زندگی اور سلامتی کے ساتھ لوٹ جانے کی اجازت دیتا ہوں

رُستم: کل کی اتفاقی فتح پر غرور نہ کر۔ ہر نیا دن انسان کے لیے نئے انقلاب لے کر آتا ہے تقدیر کا پہیا ہمیشہ ایک ہی سمت میں نہیں گھومتا

گھڑی بھر میں بدلنا ہو گا تجھ کو پیرہن اپنا
منگا کر پاس رکھ لے جنگ سے پہلے کفن اپنا

جنگ شروع ہوتی ہے تھوڑی دیر بعد سہراب ہاتھ روک لیتا ہے۔

۳۔ شاملِ نصاب ڈرامے کے اختتامی حصے میں والد رستم اور بیٹے سہراب کی آخری لڑائی ہے جس میں کسی ایک کی موت واقع ہونا ٹھہری ہے۔ رستم اپنی طاقت کے زعم میں اندھا ہو چکا ہے اور اس کے مکالمے اسی بات کا اظہار ہیں جب کہ سہراب کو اپنے مقابل سُورما پہ شک ہے کہ وہ اس کا والد ہے۔ اسی لیے وہ پوری طاقت سے لڑائی لڑنے سے پہلے اس بات کا یقین کرنا چاہتا ہے اور بار بار رستم سے اُس کا نام پوچھتا ہے۔ ڈراما "رستم و سہراب" کو پڑھتے ہوئے اس میں موجود مکالمے کی ترتیب و پیش کش کو سمجھتے ہوئے ڈرامے پر اس کے اثر کا تجزیہ کریں۔

۴۔ علامہ اقبال کے "خطوط بہ نام قائد اعظم" کالج لائبریری سے جاری کروائیں۔ ان خطوط میں موجود مباحث، موضوعات اور مضامین کو پڑھ کر ان کے مقاصد کی ترجمانی کرتے ہوئے اہم نکات قلم بند کریں۔

۵۔ کالج ہال میں ایک تقریری مقابلہ منعقد کرائیں جس میں اِن موضوعات پہ اپنے مطالعے، تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں استدلال، درست تلفظ اور عمدہ لب و لہجے کے ساتھ زبانی (فی البدیہ اور یاد کی ہوئی) تقریر کریں۔

الف۔ حقوقِ انسانی

ب۔ ذہنی دباؤ پر قابو پانا

ج۔ آئینِ پاکستان اور حقوقِ انسانی

د۔ قدرتی وسائل کا تحفظ

رپورتاژ اور تجزیاتی رپورٹ

رپورتاژ اردو میں ایک جدید ترین صنفِ نثر ہے۔ اس میں علمی مجلسوں، ادبی محفلوں، سیمی ناروں، کانفرنسوں اور اجتماعات کی روداد پیش کی جاتی ہے۔ لیکن اس میں افسانوی انداز کی جذباتیت اور غیر افسانوی طرز کی روداد نگاری کارفرما نظر آتی ہے۔ عام طور پر چشم دید واقعات کو خیال آرائی اور زبان کی چاشنی کے ساتھ بیان کرنا رپورتاژ سمجھا جاتا ہے۔ رپورتاژ میں کسی واقعے کے تفصیلی ذکر کے ساتھ ساتھ احساسات اور تاثرات کو بھی بیان کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے بیان میں ادبیت اور رومانیت کی رُوداد ایک جذباتی تصویر کو ابھارتی ہے۔ رپورتاژ میں مخصوص خبر اور جزئیات کی شمولیت کی وجہ سے اس کی تخلیقی حیثیت ایک آزاد صنف کی ہو جاتی ہے۔

تجزیاتی رپورٹ میں کسی موضوع، صورتِ حال یا واقعے کے متعلق پوری تفصیل یعنی اس کا پس منظر، محرکات، نتائج وغیرہ کا تفصیلی بیان ہوتا ہے۔ رپورٹ میں یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ یہ مسئلہ کس حلقے اور طبقے سے ہے؟ اس کے متاثرین کون ہیں؟ رپورتاژ یا تجزیاتی رپورٹ دونوں کو صحافتی ضرورت کے پیشِ نظر ہی لکھا جاتا ہے لیکن اپنے اندازِ بیان کی وجہ سے یہ ادبی رنگ بھی اختیار کر چکی ہے۔

۶۔ پاکستان میں ''منکی پاکس کے پھیلاؤ اور اس سے بچاؤ کی حفاظتی تدابیر'' کے حوالے سے ایک رپورتاژ یا تجزیاتی رپورٹ کی تحریری تخلیق کریں اور اسے مقامی اخبار میں اشاعت کے لیے بھیجیں تاکہ عوامی آگاہی کے حوالے سے ذمے داری نبھائی جا سکے۔

۷۔ مبین مرزا کی مرتب کردہ اور نیشنل بک فاؤنڈیشن کی شائع شدہ کتاب ''اردو کے بہترین خاکے'' کا مطالعہ کریں اور ان میں سے اپنی دو پسندیدہ ادبی شخصیات (ایک شاعر، ایک نثر نگار) کے خاکوں کے اہم نکات الگ کریں اور پھر اپنے الفاظ میں انھی ادبی شخصیات کی مرقع نگاری کریں۔

۸۔ درج ذیل میں سے متضاد الفاظ کی جوڑیوں کی شناخت کریں اور ان کے جملے تحریر کریں:

مصروف، علمیت، عربی، جہالت، عجمی، اُلفت، فارغ، نفرت

۹۔ درج ذیل سوالات کے درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) کس نثری قصے میں کسی خاص نقطۂ نظر کے تحت زندگی کی حقیقی اور واقعاتی عکاسی کی جاتی ہے؟

الف۔ ڈراما　　ب۔ افسانہ　　ج۔ ناول　　د۔ داستان

(ii) ڈرامے کی ابتدا کس ملک سے ہوئی؟

الف۔ ایران　　ب۔ یونان　　ج۔ فرانس　　د۔ روس

(iii) قدیم زمانے میں لوگ کس کو خوش کرنے کے لیے ڈراما کھیلا کرتے تھے؟

الف۔ دیوتاؤں کو　　ب۔ بتوں کو　　ج۔ خداؤں کو　　د۔ رشتے داروں کو

(iv) ڈرامے کی کتنی مشہور اقسام ہیں؟

الف۔ ایک　　ب۔ دو　　ج۔ تین　　د۔ چار

(v) ادبی اصطلاح میں زندگی کا ایک جزو پیش کرنے والی کہانی کو کیا کہتے ہیں؟

الف۔ داستان　　ب۔ ناول　　ج۔ افسانہ　　د۔ ناولٹ

(vi) درج ذیل میں سے حقیقی معنوں میں استعمال ہوتا ہے:

الف۔ محاورہ　　ب۔ استعارہ　　ج۔ ضرب المثل　　د۔ روزمرہ

(vii) سبحان اللہ !، واہ واہ ! قواعد کے رُو سے کون سے حروف ہیں؟

الف۔ تحسین　　ب۔ نفرین　　ج۔ ندا　　د۔ استعجاب

(viii) درج ذیل میں سے حروفِ شرط کون سے ہیں؟

الف۔ اور، و　　ب۔ کیا، کون　　ج۔ اگر، اگرچہ　　د۔ مثل، مانند

سرگرمی

اشفاق احمد اور بانو قدسیہ کے ڈراموں پر مشتمل کتابیں کالج لائبریری سے جاری کرا کے مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ دونوں کی ڈراما نگاری اپنی تکنیک، موضوع کے لحاظ سے کس حد تک مختلف ہے؟

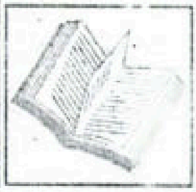

۵ شاخوں پر جلے ہوئے بسیرے

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- مختلف سمعی ذرائع سے واقعہ، کہانی، نظم، تقریر، اعلان، خطبہ، گفتگو، خبر، ڈراما، ہدایت، لیکچر، وغیرہ سن کر احساس جذبے اور تاثر کے حوالے سے زبان کے حسن و قبح کی نشان دہی کر سکیں۔
- اخلاقی معاشی، معاشرتی اور ثقافتی امور وغیرہ سے متعلق اپنی گفتگو میں موزوں الفاظ و تراکیب پر مشتمل روز مرہ اور بامحاورہ زبان استعمال کر سکیں۔
- مجازی اور اصطلاحی محضر میں اپنا ذاتی نقطۂ نظر پیش کرتے ہوئے گفتگو کر سکیں۔
- پڑھے گئے متن کے کسی حصے کو دہراتے ہوئے حوالوں اور دلائل کے ساتھ اظہار رائے کرتے ہوئے متعلقہ حصے پر جزئیات کے ساتھ تبصرہ پیش کر سکیں۔
- عالمی ثقافتوں، معاشرتی، معاشی و سماجی رابطوں کے لیے مختلف تحاریر پڑھ سکیں اور ان سے معلومات حاصل کر سکیں۔
- ضرورت کے مطابق معلومات کی فراہمی کے لیے مختلف فارمز مثلاً: دفتری، صحافتی، عدالتی دستاویزات پُر کر سکیں۔
- مرکب تام اور مرکب ناقص۔ مرکب ناقص کی اقسام (توصیفی، اضافی، عطفی) کے فرق کو سمجھتے ہوئے استعمال کر سکیں۔
- مرکب مصادر بنا سکیں اور استعمال کر سکیں۔

خاص	اَیوانِ حکُومَت	آفتابہ	تقاضائے عُمری	بَربِنائے ایں وجوہ	ڈیوڑھی
الفاظ	تو٘رہ	شقہ	وَلی عَہدی	ضُعفِ صِحَت	لوبان

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو اردو میں ناول نگاری کی روایت سے آگاہ کرتے ہوئے چند تاریخی، جاسوسی، سیاسی، رومانوی اور معاشرتی ناولوں سے متعارف کرائیں تاکہ طلبہ مختلف اسالیب میں لکھے ہوئے ناولوں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

"آنگن" ناول کس نے لکھا ہے اور اس کا موضوع کیا ہے؟

پڑھیں

فتح الملک بہادر کا سوئم اور سوگ ختم ہوتے ہی نواب زینت محل نے بادشاہ پر زور ڈالنا شروع کر دیا کہ جواں بخت کی ولی عہدی کے لیے سرکار کمپنی انگریز بہادر کو لکھیں۔ بادشاہ سلامت کچھ تو تقاضائے عمری کے سبب، کچھ بہ وجہ ضعفِ صحت و ہمت اور کچھ بہ وجہ اس یقین کے، کہ میرے بعد بادشاہی نہ رہے گی، اس معاملے میں کچھ زیادہ پُر جوش نہ تھے لیکن زینت محل کی محبت انھیں مجبور کر رہی تھی۔ دوسری بات یہ تھی کہ نواب زینت محل کو بھی حضرت قدر قدرت سے محض مُنھ دیکھے کی، یا غرض مندانہ محبت نہ تھی۔ سولہ سال پہلے جب انھیں بتایا گیا تھا کہ ان کا نکاح بادشاہ جم جاہ سے ہو رہا ہے تو انھیں بدن میں تھوڑی، بہت تھر تھری اور جسم میں کچھ

سنسنی لیکن بہت زیادہ الجھن کا بھی احساس ہوا تھا۔ محض نام کا بادشاہ، اور وہ بھی ایسا جس کی عمر ستر کے لگ بھگ ہو رہی تھی، ایسا دولہا بھلا کس طرح کا عیش دے سکتا تھا؟ لیکن زینت محل نے قلعے میں بادشاہ کا ٹھاٹ باٹھ دیکھا، پھر شاہِ آسماں بارگاہ کی خوش خلقی، نرم خوئی اور شائستگی دیکھی۔ ان سب باتوں نے آہستہ آہستہ نواب زینت محل کا دل، بادشاہ کی طرف پھیر دیا اور انھیں اپنے شوہر عالی قدر سے یک گونہ محبت ہو گئی۔ اس طرح شاہ جم جاہ اور ملکۂ دوراں کے درمیاں صرف ہوس نہ تھی، محبت اور الفت بھی تھی۔ اس باعث بادشاہ کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ زینت محل کی بات کو بالکل نظر انداز کر دیں۔

بہت غور و خوض کے بعد حضور عالی جاہ نے کمپنی انگریز بہادر کو جواں بخت کی ولی عہدی کی سفارش کا شقہ لکھوا دیا۔ ان دنوں صاحب کلاں بہادر کے عہدے پر سائمن فریزر عارضی طور پر کام کر رہا تھا۔ فریزر اور بادشاہ سلامت کے مابین دوستانہ تعلقات اس وقت سے تھے جب بہ زمانۂ دلی انھوں نے نواب شمس الدین احمد کی گرفتاری اور پھر مقدمے اور سزائے موت کے معاملے میں انگریزوں کی مساعی کے خلاف کوئی دخل نہ دیا تھا اور اپنے والد عرش آرام گاہ حضرت اکبر ثانی کو بھی عدم مداخلت کا مشورہ دیا تھا۔ ظلِّ سبحانی نے فریزر کے پاس اپنے نمائندے اس درخواست کے ساتھ بھیجے کہ میرزا جواں بخت کی ولی عہدی منظور کرا دیں۔

لارڈ گورنر جنرل بہادر کو جو خط بادشاہ سلامت نے میرزا جواں بخت کی ولی عہدی کی سفارش میں بھیجے ان میں میرزا جواں بخت کی عالی نسبی کا بہ طور خاص ذکر تھا۔ یہ بھی مذکور کیا گیا تھا کہ شاہزادہ کئی زبانیں جانتا ہے اور اعلیٰ درجے کی تعلیم سے بہرہ ور ہے۔ ادھر نواب زینت محل نے، یا میرزا جواں بخت نے دوسرے شاہزادوں پر دباؤ ڈال کر کئی شہزادوں کے دست خط سے ایک کاغذ اس مضمون کا انگریز کو بھجوایا کہ ہم سب میرزا جواں بخت بہادر کی ولی عہدی پر متحد ہیں۔ اس کاغذ پر میرزا قویش بہادر اور میرزا ظہیر الدین بہادر عرف میرزا مغل نے دست خط نہیں کیے تھے کہ اپنی اپنی جگہ پر یہ دونوں بھی ولی عہدی پر دعویٰ رکھتے تھے۔ لیکن انگریز تو میرزا دارا بخت میراں شاہ کی وفات کے وقت ہی فیصلہ کر چکے تھے کہ اب بادشاہت کا خاتمہ کرنا بہتر ہے۔ کچھ تو میرزا فتح الملک بہادر کی ہر دل عزیزی، اور کچھ ایوانِ حکومت انگلشیہ میں نواب زینت محل کے بارے میں اچھی رائے نہ پائے جانے کے باعث ایک عبوری طور کا فیصلہ یہ کر لیا گیا تھا کہ میرزا فتح الملک بہادر ولی عہد تو ہو جائیں لیکن بادشاہت نہ رہے۔ پھر جب میرزا فتح الملک بھی اللہ کو پیارے ہوں گے تو دیکھا جائے گا۔

بر بنائے ایں وجوہ انگریز بہادر نے میرزا جواں بخت، یا کسی اور شہزادے کی ولی عہدی کے لیے کوئی قرار واقعی کارروائی نہ کی۔ ولی عہدی کے معاملے پر جو کاغذات و سفارشات دہلی میں صاحب کلاں بہادر کو موصول ہوئے تھے وہ ضابطے کے تحت صاحب لفٹن گورنر بہادر صوبہ جات شمال مغرب کی خدمت میں آگرے بھیج دیے گئے۔

میرزا فتح الملک شاہ بہادر جنت مکانی کے چہلم کی تاریخ مقرر ہوئی، سفید کاغذ پر رقعے لکھوا کر سارے قلعے میں تقسیم کیے گئے۔ ادھر میر عمارت نے کچی قبر کو تھوڑا سا کھلوا کر گلاب، کیوڑہ اور عطر انڈر ڈالا۔ اوپر سے قبر پختہ کرائی سنگ مرمر کا تعویذ بنوایا، پھر چاروں جانب سنگ مرمر کی جالیاں کھڑی کیں اور فرش لگا کر قبر مبارک تیار کر دی۔ انتالیسویں رات کو سب اقربا ولی عہد بہادر مرحوم کی ڈیوڑھی پر جمع ہوئے۔ جس جگہ مرشد زادۂ جہانیاں نے دم توڑا تھا، وہاں کھانے کا تورہ اور جوڑا، دوشالہ، جانماز، تسبیح، جوتی، کنگھی اور مسواک کشتیوں میں لگا کر رکھ دیے گئے۔ تانبے اور چینی کے چھوٹے بڑے برتن، چمچے، تھالی، سرپوش، آفتابہ، بیسن ذانی، سب مہیا کیے گئے۔ دولال سبز بہت بڑی طوغیں، سوا سوا من چربی کی سرہانے روشن کی گئیں۔ لوبان اور

اگر بتی کے دھوئیں میں رات بھر گریہ وبکا کا شور رہا۔ صبح کو پہلے تمام مرد اعزا قبر پر تشریف لے گئے۔ قبر کے اوپر کم خوابی شامیانہ چاندی کے ستونوں پر کھڑا کر دیا گیا تھا۔ اب قبر شریف کے گرد پھولوں کا چھپر کھٹ بنایا گیا، بیچ میں کم خواب کا قبر پوش، اس پر پھولوں کی چادر ڈالی گئی۔ کھانے کا تورہ اور برتن اور دیگر سامان قبر کے سرہانے رکھے گئے، پائینتی جوتی رکھی گئی۔ اب زنانہ ہوا، بیگماتوں نے سر برہنہ، مو پریشاں آکر گریہ وزاری کی۔ ادھر باہر ختم ہوا، الائچی دانے ختم کے سب میں تقسیم ہوئے پھر قوالی ہوئی۔ قوالی کے بعد کھانا کھایا گیا اور غربا کو کھلایا گیا۔ تیسرے پہر کو دوسرا ختم پڑھ کر تورہ، جوڑا، برتن، تمام سامان خادموں میں تقسیم کر کے سب شہزادے اور بیگمات قلعۂ معلیٰ میں واپس آگئے۔

وزیر کی آنکھوں کے گرد روتے روتے ورم آگیا تھا۔ اس کے صاحب عالم جس دن مرے تھے اس کے بعد سے وہ بستر پر لیٹی تھی اور نہ ہی کسی دن دو وقت کا کھانا اس نے کھایا تھا۔ زمین پر سونا اور ایک وقت موٹا جھوٹا کھا کر گذر کرنا اس کا معمول ہو گیا تھا۔ مرشد زادہ آفاق کی زندگی میں وہ ان کی محبت میں اتنی گم اور اس قدر خوش رہتی تھی کہ باوجود خطاب شوکت محل کے وہ قلعے کی سرگرمیوں میں بہت کم حصہ لیتی تھی۔ جب میرزا محمد دارا بخت ولی عہد بہادر اللہ کو پیارے ہوئے تو اس نے ان کی تجہیز و تکفین سے لے کر دوئم سوئم، چہلم اور پھر چھ ماہی اور برسی کی رسوم میں البتہ پورا پورا حصہ لیا۔ اسے تقدیر کی ستم ظریفی کہیے کہ ان رسوم اور مرنے والے کے تئیں قلعہ اور بیرون قلعہ کے لوگوں کی محبت اور عقیدت کو دیکھ کر اسے ایک طرح کی طمانیت محسوس ہوئی۔ اسے ہمیشہ استقلال واستمرار کی تلاش رہی تھی اور وہ طالب سے زیادہ مطلوب بن کر رہنا چاہتی تھی۔ حویلی مبارک میں اسے دونوں چیزیں میسر ہوتی نظر آرہی تھیں۔ موتی کے تئیں اتنی مفصل اور طویل المدت رسوم کا انعقاد دیکھ کر اسے ایک طرح کی خوشی ہوئی کہ میرے صاحب عالم کا خدانہ کردہ جب وقت آیا تو ان کا وہ حال نہ ہو گا جو بلاک صاحب، نواب صاحب اور آغا صاحب کا ہوا کہ جب انھیں موت نے پکارا تو ان پر رونے والا کوئی نہ تھا۔ میں رہوں یا نہ رہوں، اس نے اپنے دل میں کہا لیکن قلعے کی رسمیں تو باقی رہیں گی۔

چہلم کے تیسرے دن وزیر خانم کی خدمت میں ملکۂ دوراں کا پیغام آیا کہ آپ کی یاد ہو رہی ہے، جلد تشریف لے چلیے۔ وزیر کا ماتھا ٹھنکا۔ ملکۂ دوراں نے پہلے کبھی اس طرح یاد نہ فرمایا تھا۔ شاید تعزیتی کلمات کہنا چاہتی ہوں، اس نے دل میں کہا۔ ہر چند کہ میرزا فتح الملک شاہ بہادر کی ولی عہدی کے بعد زینت محل نے وزیر اور اس کے بچوں سے خطاب و تکلم کم و بیش بند ہی کر دیا تھا لیکن شاید اس موقعے پر ان کے دل میں کچھ درد آگیا ہو۔ وزیر نے جلد جلد منھ پر چار چھینٹے مارے، آئینہ دیکھے بغیر انگلی سے بالوں میں کنگھی کی اور سفید لیکن صاف کپڑے پہن کر نواب زینت محل کی ڈیوڑھی پر حاضر خدمت ہوئی۔ نواب زینت محل نے معمولی طور پر اس کا استقبال کیا اور اپنے سامنے بٹھایا۔ کچھ دیر سکوت رہا، پھر ملکہ عالیہ نے ارشاد فرمایا:

''چھوٹی بیگم! ہمیں تمھاری بیوگی پر بہت افسوس ہے۔'' وہ ایک پل رکیں۔ وزیر شکریے کے کچھ کلمات کہنے ہی والی تھی کہ ملکہ دوراں نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ''لیکن تم تو ایسے سانحوں کی عادی ہو چکی ہو۔ اسے بھی سہ جاؤ گی۔ انو اسی کا کلیجا مضبوط ہوتا ہے، لوگ کہتے ہیں۔''

ملکہ دوراں کی بعض مُنھ لگی مصاحبوں نے ڈوپٹہ مُنھ پر رکھ کر ہنسی روکنے کی کوشش کی لیکن بعض دوسری خواصوں کے چہرے پر کبیدگی کے آثار نمایاں ہوئے۔

وزیر کو یہ سمجھنے میں کوئی مشکل نہ ہوئی کہ ان توہین آمیز کلمات کا مقصد محض توہین نہیں۔ اصل مقصد یہ تھا کہ وزیر سے کوئی خلاف ادب یا خلاف مصلحت بات کہلا دی جائے اور بعد میں اسے وزیر کے خلاف استعمال کیا جائے۔ اس نے سر جھکا کر کہا:

"نیند تو سولی پر بھی آجاتی ہے ملکہ دوراں! واقعہ کتنا ہی سخت ہو لیکن تاب لائے ہی بنتی ہے۔ میں اللہ کے حضور میں آپ اور ظلِ سبحانی کی درازیٔ عمر اور صحت و دولت اور اقبال کی دعا کرتی ہوں۔ آپ دونوں کا سایہ میرے لیے بہت ہے۔"

زینت محل ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گئیں۔ انھیں اس جواب کی توقع نہ تھی۔ پھر گلا صاف کر کے وہ بولیں:

"ولی عہد بہادر مرحوم تمھارے لیے کیا کیا چھوڑ گئے ہیں چھوٹی بیگم؟"

اب وزیر نے سر اٹھا کر اور کمر سیدھی کر کے جواب دیا: ولی عہد بہادر کا احوال مجھ سے زیادہ ملکۂ دوراں اور ظلِ الٰہی پر روشن ہے۔"

"تمھیں ان کی ڈیوڑھی خالی کرنی ہوگی۔"

"ملکہ دوراں شاید بھولتی ہیں۔ میں چھوٹی بیگم ہی نہیں، شوکت محل بھی ہوں۔"

"تم شوکت محل تھیں۔ اب نہیں ہو۔" زینت محل نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"یہ فیصلہ تو وہی کرے گا جس نے مجھے یہ خطاب عطا کیا تھا۔"

"چھوٹی بیگم! کسی فریب میں نہ رہنا۔ تم نے ہمارے بھولے بھالے میرزا فخرو بہادر کو شیشے میں اتار کر قلعہ شاہی میں پاؤں دھنسا لیے، اس توقع پر کہ تم بھی تیموری شاہزادیوں میں شمار ہو گی۔ پھر بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا اور تم ولی عہد سوئم کی بیگم کے بہ جائے ہندوستان کی ملکہ بننے کے امکانات میں مگن ہو گئیں۔ تم جیسیوں نے کتنے ہی اینٹ کے گھر مٹی کر دیے لیکن قدرتِ خداوندی بھی کوئی چیز ہے۔"

وزیر سے ضبط نہ ہو سکا اور اس نے ملکہ کی بات کاٹنے کی گستاخی کی پروا کیے بغیر نرم لیکن مضبوط آواز میں کہا: "ملکہ عالم پر خوب عیاں ہے کہ میں کن حالات میں قلعہ مبارک میں آئی۔ میں تو اپنے صاحبِ عالم و عالمیان کی خاک برابر بھی نہیں۔ انھوں مجھے ذرے سے آفتاب کیا ورنہ میں اپنی کال کوٹھڑی میں بیوگی کاٹ رہی تھی۔"

"ٹھیک ہے۔" زینت محل نے تیز لہجے میں کہا۔ "جس نے تمھیں ذرے سے آفتاب کیا اب وہ خود تہ خاک ہے۔ اب تم پھر وہی ذرۂ خاک ہو جو یہاں آنے کے پہلے تھیں۔"

"لیکن سرکار عالیہ!" وزیر نے تھوڑے سے طنز سے کہا: "میں پھر بھی ولی عہد ہندوستان کی بیوہ ہی کہلاؤں گی۔ آگے کوئی ولی عہد ہو، کوئی بادشاہ ہو لیکن یہ چتر میرے حقیر سر کے اوپر سے کوئی اتار نہیں سکتا۔"

"کیوں نہیں؟"، زینت محل کو جوش آگیا۔ "ہم اتار سکتے ہیں۔"

"ملکۂ دوراں! آپ اپنے قلعہ معلّٰی میں کچھ بھی ڈھنڈورا پٹوا دیں لیکن نقارۂ خدا کی آواز بند نہیں کر سکتیں۔"

وزیر نے متانت سے کہا: "لیکن آپ فرمائیں اس بندی سے آپ کیا خدمت لینا چاہتی ہیں۔ بندی ہر طرح سے تیار ہے۔"

"یہ صرف ہمارے قلعے کی بات نہیں۔ ہم اب بھی ہندوستان کی ملکہ ہیں۔ ہمارے سر پر جو مکٹ ہے وہ نور جہاں اور ارجمند بانو کے سر پر تھا۔ ہمارے پیارے فرزند میرزا فخرو بہادر کا اس دار فانی سے منہ موڑ لینا اس بات کا اشارہ رکھتا ہے کہ اللہ کو منظور نہیں ہے کہ ان کے بعد کوئی شخص غیر یہاں تاج و تخت کا وارث بنے۔"

"تاج و تخت آپ کو اور میرزا جواں بخت بہادر کو مبارک ہو، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔"

"لیکن ہمیں پرچہ لگا ہے کہ تم میرزا مغل بہادر سے مل کر ساز باز کر رہی ہو کہ میرزا مغل بہادر بادشاہ ہوں اور خورشید مرزا کو ولی عہد قرار دیا جائے۔"

وزیر سُن سے رہ گئی۔ صاف ظاہر تھا کہ اس کے خلاف کوئی سازش ترتیب دی جا رہی ہے یا پھر نواب زینت محل کے کان جھوٹ سے بھر دیے گئے ہیں۔ دونوں صورتوں میں نتیجہ ایک تھا، قلعے سے وزیر خانم اور اس کی اولاد کا اخراج۔ وزیر نے گہری سانس لے کر خود پر قابو پانے کی کوشش کی، پھر کہا:

"ملکہ عالیہ! ذرا یہ تو غور فرمالیتیں کہ میرزا مغل بہادر مجھ نگمی بیوہ کی مدد سے کیا سازش برپا کر سکتے ہیں۔ پھر میرزا ابو بکر بہادر کے ہوتے بے چارہ خورشید مرزا کس شمار و قطار میں ہے؟"

"ہمیں بتایا گیا ہے کہ یہی تو تم لوگوں کی چالیں ہیں۔ میرزا ابو بکر بہادر بے ماں کا تھا، اب بے باپ کا بھی ہو گیا۔ اسے کسی طور بہلا پھسلا لیا جائے گا۔"

"اللہ رکھے ابو بکر بہادر جوان ہیں، ذی علم اور ذی لیاقت ہیں۔"

"ہمارے سامنے ہماری اولادوں کا بکھان نہ کرو چھوٹی بیگم۔ میرزا ابو بکر بہادر کی خوبیاں ہم پر عیاں ہیں۔ لیکن ان کا میرزا مغل بہادر سے خلا ملا بھی کچھ پوشیدہ نہیں ہے۔"

"سرکار مالک ہیں۔ لیکن مجھے مہابلی کی خدمت میں ایک بار پیش ہو لینے دیجیے۔ میں اپنی بے قصوری تو ان پر ظاہر کر دوں۔"

"حضور پُر نور پر سب کچھ ظاہر ہے۔ یہ انھیں کا فیصلہ ہے کہ تم دو دن کے اندر اندر حویلی خالی کر دو۔ خورشید مرزا کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ اور میرزا ابو بکر بہادر کو بھی، اگر وہ جانا چاہیں۔" زینت محل نے سرد لہجے میں کہا۔

وزیر ایک بار پھر سناٹے میں آ گئی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ زینت محل اس طرح ٹکڑا سا توڑ کر اس کے ہاتھ میں دے دیں گی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ بہت سے بہت یہ ہو گا کہ میرزا فخرو بہادر کی ڈیوڑھی اس سے خالی کرا لی جائے گی اور کسی کونے کھدرے میں ایک دو حجرے اسے مل جائیں گے۔ نواب مرزا کی تنخواہ موقوف ہو جائے گی اور اس کی بھی تنخواہ بہت کم کر دی جائے گی۔ خورشید مرزا کی تعلیم تربیت سب ختم کر دی جائے گی۔ لیکن قلعے سے باہر نکلنا، یہ اس نے اپنے بد ترین خوابوں میں بھی خیال نہ کیا تھا۔ اب جو یہ قیامت اس کے سر پر تھی تو اس نے دل پر قابو پانے اور اپنے حواس کو مجتمع کرنے کی کوشش کی۔ یہ بات تو اس پر بالکل عیاں تھی کہ زینت محل کے فیصلے کے خلاف جد و جہد یا احتجاج کرنا بے کار تھا بلکہ مزید خرابی بلکہ ذلت کا سبب بن سکتا تھا۔ بادشاہ کے یہاں باریابی ناممکن تھی لیکن اگر وہ باریاب ہو بھی جاتی تو بادشاہ اب اکیاسی برس کے ہو چکے تھے، وہ اگر پیر خرف نہیں تو ضعیف الارادہ اور بہ ظاہر زینت محل کی مٹھی میں ضرور تھے۔ ان سے یہ توقع عبث تھی کہ وہ زینت محل کے پھاڑے ہوئے کو سی سکیں گے۔ وزیر نے ممکن حد تک تمام پہلوؤں پر اس ذرا سی مدت میں غور کیا اور بولی:

"ملکہ عالیہ کا حکم سر آنکھوں پر۔ لیکن ایک دن وہ بھی ہو گا جب کسی بادشاہ، کسی حاکم کا حکم نہ چلے گا، صرف اللہ ہو گا اور انصاف کی ترازو ہو گی۔ آپ نے بھی کلام شریف میں پڑھا ہو گا۔ اللہ سب کے دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔ بندی نہیں جانتی کہ ملکہ دوراں کے دل میں میرے خلاف زہر کے بیج کس نے بوئے۔ میں اپنا حال جانتی ہوں کہ میرے دل میں میرے مرحوم صاحب عالم، بادشاہ ظل اللہ اور ملکہ دوراں کے لیے احترام اور محبت کے سوا کچھ نہیں۔"

"وہ سب درست، لیکن ظل سبحانی کے ارشاد کی تعمیل جلد از جلد ہو۔" زینت محل نے ایک خشک مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"بے شک۔" وزیر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اس نے ملکہ کے سامنے سے اٹھ جانے کی اجازت بھی نہ لی اور نہ برخاستگی کے حکم کا انتظار کیا۔ "میں نے کسی باب میں اب تک ملکہ کو مایوس نہیں کیا۔ اب بھی ان شاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔ آپ کے دامن دولت میں جگہ نہیں تو نہ سہی۔ ہم اور آبادی میں جا مقسوم اپنا پائیں گے خلق خدا الملک خدا۔ تسلیمات!"

وزیر نے الٹے پاؤں واپس ہونے کے بجائے زینت محل کی طرف پیٹھ کی اور ایوان سے باہر ہو گئی۔ اس وقت زینت محل کے سامنے تو اس نے یوں ظاہر کیا تھا کہ اسے قلعہ چھوڑنے کا کچھ غم ہو گا اور نہ سر چھپانے کی جگہ کی تلاش میں دربدر ہونا پڑے گا۔ لیکن اب اپنی ڈیوڑھی تک تمہارا راہ طے کرتے کرتے اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا اور قدم لڑکھڑانے لگے۔ بہ ہزار خرابی وہ گھر پہنچی اور ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح اپنے حجرے میں پلنگ پر گر پڑی۔ اتفاق سے اس وقت میرزا ابو بکر، میرزا خورشید عالم اور نواب میرزا خان تینوں ڈیوڑھی پر موجود تھے۔ انھوں نے گھبرا کر پوچھا: "اماں جان خیر تو ہے؟ مزاج کیسا ہے؟" لیکن وزیر کی بتیسی بیٹھ گئی تھی، اس کے چہرے پر مردنی تھی اور منھ سے ایک لفظ نہ نکل سکتا تھا۔ میرزا ابو بکر نے فوراً ایک چوب دار حکیم محمد تقی خان کے لیے روانہ کیا۔ نواب مرزا خان اور خورشید مرزا نے لخلخے اور انگریزی نمکیات ماں کو سنگھائے۔ حکیم صاحب کے آتے آتے وزیر کو ہوش آ گیا تھا لیکن اس کے چہرے پر مردنی اسی طرح باقی تھی۔ حکیم صاحب نے نبض دیکھی اور کہا کہ غم اور صدمے کے باعث جگر کا فعل سست ہو گیا ہے۔ انھوں نے نسخہ لکھا، چند بوندیں ایک مقوی مفرح کے اپنے سامنے پلائیں اور مکمل آرام کی ہدایت دے کر رخصت ہوئے۔

وزیر سے سب حال سن کر نواب مرزا اور خورشید مرزا نے برہم ہو کر کہا کہ ہم ابھی اس جگہ کی خاک اپنے دامن اور پاپوش سے جھاڑتے ہیں۔ اماں جان جہاں دل کرے وہاں چلی چلیں۔ کچھ نہیں تو خانم کے بازار والا گھر تو موجود ہی ہے، ورنہ ہم تو ان کے ساتھ جنگل بیابان میں گھر بنانے کو تیار ہیں۔ ہم لکڑیاں کاٹیں گے جنگلی پھلوں پر گزارہ کریں گے لیکن قلعے کا منھ نہ دیکھیں گے۔

"اماں نہیں بھئی! اتنی جلدی نہ کرو۔" میرزا ابو بکر نے کہا: "میں ابھی خان سامانی کو جاتا ہوں۔ حکیم محمد احسن اللہ خان بہادر کو بیچ میں ڈالوں گا۔ ظل سبحانی مشورہ ان کا آسانی سے رد نہیں فرماتے۔"

"صاحب عالم! ذرا سوچ لیجیے۔" وزیر نے میرزا ابو بکر کی آستین تھام کر کہا۔ "اگر خان ساماں بہادر اس معاملے میں پڑنے کو تیار بھی ہو گئے، ہر چند کہ مجھے اس میں شک ہے اور نواب زینت محل کو زک پہنچ بھی گئی لیکن تابکے یہ صورت رہے گی؟ وہ تو اپنی سی کرنے سے باز آنے سے رہیں اور یہ جو سازش کا شیطان انھوں نے گھڑا ہے یا لوگوں نے ان کو باور کرایا ہے، وہ پھر بھی سر اٹھاتا رہے گا۔ ہم سب کی زندگی اور بھی اجیرن ہو جائے گی۔"

"تو پھر آپ کیا چاہتی ہیں اماں جان! کیا نواب زینت محل کو من مانی کرنے دیا جائے؟"

"صاحب عالم! اس میں من مانی کیا ہے؟ وہ جو چاہیں کر ہی سکتی ہیں۔ حضور انور کی چہیتی بیگم جو ٹھہریں۔ ان کے دل میں آپ کے ابا مرحوم کے خلاف کینہ اسی دن سے ہے جب اللہ بخشے وہ ولی عہد اول ہوئے تھے اور کوششیں نواب زینت محل کی ناکام ہوئی تھیں۔ اب تو زیادہ ضروری یہ ہے کہ میں اپنے بچوں کی حفاظت کروں اور ہر چیز دیگر پر اسے مقدم جانوں۔"

میرزا ابو بکر سوچ میں پڑ گئے، پھر بولے: "میں میرزا مغل چچا جان بہادر سے تو مشورہ کر لوں۔"

"کاہے کو مشورہ آپ کریں صاحب عالم! زینت محل ان کے اور میرزا قویش کے جلاپے سے یوں ہی تپ رہی ہیں، اب میرزا مغل بہادر کو اور مکلف کرنا کیا ضرور ہے۔" وزیر نے جواب دیا۔

''آپ کو اپنا حق تو لینا چاہیے۔'' میرزا مغل نے فرمایا۔

''حق کیا شے ہے صاحب عالم؟'' وزیر نے زہر خند کے ساتھ کہا: ''ساری زندگی میں حق ہی کی جویا رہی ہوں۔ وہ پہاڑوں کی کسی کھوہ میں ملتا ہو تو ملتا ہو ورنہ اس آسمان تلے تو کہیں دیکھا نہیں گیا۔''

میرزا ابو بکر نے وزیر کے لہجے میں تلخی کبھی نہ دیکھی تھی وہ سوچنے لگے کہ سوتیلی لیکن غم زدہ ماں کو کیا جواب دیں جس سے اس کی کچھ تسلی ہو، کہ نواب مرزا بولا:

''صاحبِ عالم! میری مانیں تو آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔ مجھے لگتا ہے یہ قلعہ میمونہ اب زیادہ دیر تک میمون و مصئون نہ رہے گا۔'' نواب مرزا نے کچھ تردد کے لہجے میں کہا: اور یہ تردد صرف ماں کی اور اپنی حالت کے بارے میں نہ تھا۔

''کیا مطلب ہے تمھارا نواب مرزا! میں قلعہ کیوں چھوڑوں'' میرزا ابو بکر نے کہا۔ دونوں کم و بیش ہم عمر تھے اس لیے ان میں بے تکلفی بہت تھی۔ ایک لحہ توقف کے بعد انھوں نے رازدارانہ لہجے میں کہا: ''ہم اور میرزا مغل چچا بہادر تو اس خیال میں ہیں کہ مناسب موقع مل جائے تو ان کرشتان فرنگیان ہی کو اپنے ملک سے نکال باہر کریں۔''

نواب مرزا کا چہرہ فکر مندی سے بھر گیا۔ وہ کچھ دیر سر جھکائے رہنے کے بعد بولا: ''برادر! یہ بات تو ہے کہ حاکمانِ نصرانیان کے خلاف رعایا کے دلوں میں اور خاص کر سپاہیانِ دیسی کے دلوں میں کچھ نااطمینانی ہے اور ادھر لکھنؤ میں کوئی خدا رسیدہ بزرگ مولوی احمد اللہ شاہ صاحب ہیں جنھیں ڈنکا پیر کہا جاتا ہے۔ وہ علی الاعلان لوگوں سے کہتے ہیں کہ انگریز ہندو کے دھرم کا اور مسلمان کے دین کا دشمن ہے۔ انگریز یہاں رہے گا تو دونوں ملتیں تباہ ہو جائیں گی۔ مگر میں سوچتا ہوں کہ سورما چنا بھلا بھاڑ پھوڑ سکتا ہے؟''

انھیں خیالات کے سبب تو ہم بے عمل ہو گئے ہیں نواب مرزا خان! میرزا ابو بکر نے ذرا تیز لہجے میں کہا۔

نواب مرزا نے مسکرا کر کہا: ''صاحب عالم! آپ حضرت ظہیر الدین بابر کی اولاد ہیں جنھوں نے ایک عالم کی مخالفت کے باوجود تنہا بہ جان واحد گھر سے نکل کر بخارا پر قبضہ کر لیا تھا اور مٹھی بھر جان نثاروں کی مدد سے کابل اور پھر ملک ہند کو دریائے شور تک لے لیا تھا۔ لیکن آپ کی طبع وقاد پر روشن ہو گا کہ امام ابو حنیفہ فرما گئے ہیں کہ ظالم بادشاہ کے خلاف خروج اسی وقت جائز ہے جب فتح کا امکان ہو۔''

میرزا ابو بکر ہنسے: ''خروج کی بات ابھی بہت دُور ہے نواب مرزا! پر تم خود ہی کہتے ہو کہ رعایا میں بہت بے اطمینانی ہے۔

''سہی! لیکن بھائی ظہیر الدین حسین نے مجھ سے کہا کہ ان کے خسر فرما رہے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہر میں تلوار چلے اور خون ریزی عظیم ہو۔ بھائی ظہیر الدین حسین نے پوچھا، کیا روس کی فوج آنے والی ہے، تو انھوں نے فرمایا کہ یہ امر اللہ کو معلوم ہے۔''

''اللہ! آپ لوگ یہ تیر تلوار کی باتیں نہ کریں۔'' وزیر نے ملتجیانہ انداز میں کہا: ''خدا جانے کون سن رہا ہو اور کیا مطلب اس کا نکالے۔ میں تو صرف یہ پوچھتی ہوں کہ میرزا ابو بکر بہادر ہمارے ساتھ آ سکیں تو بہت خوب ہو۔ پر وہ شاہی طور طریق کے عادی ہیں اور ہم لوگ۔''

''قطع کلام معاف اماں جان! یہ شاہی طور طریق کی بات نہیں۔ قول اور اصول کی بات ہے۔ میرا گھر قلعہ ہے۔ یہ کوئی نواب زینت محل کی ملکیت تو نہیں۔ میں اسے کیوں چھوڑوں؟''

"صاحب عالم! مجھے تو یہاں آپ کے لیے خطرہ معلوم ہوتا ہے۔" وزیر نے کہا: "اور یہ نواب مرزا جو راقم الدولہ صاحب سے خبر لائے ہیں وہ تو اور بھی وحشت اثر ہے۔"

"راقم الدولہ تو یہ بھی کہہ رہے تھے کہ ایک مجذوب نے ان سے کہا کہ تم شہر میں بیٹھے کیا کر رہے ہو۔ دنیادار آدمی ہو، جاؤ رجواڑوں کی سیر کرو۔" نواب مرزا نے کہا۔

"اماں نواب مرزا!" میرزا ابو بکر نے زچ ہو کر کہا! "مجھے خبر نہ تھی کہ تم اور راقم الدولہ اس قدر اوہام پرست ہو۔ چھوڑو ان باتوں کو۔ میں یہیں رہوں گا۔"

وزیر اس کے آگے کچھ نہ کہہ سکی۔ اسے خبر نہ تھی کہ میرزا ابو بکر کے لیے خطرہ تھا لیکن قلعے کے باہر سے تھا۔ ملک الموت انھیں اپنے لیے تاک چکا تھا۔ چند مہینوں بعد انگریز کے خلاف جو قہر برپا ہونا تھا اور پھر دہلی کے دفاع کے لیے جو معرکہ گرم ہونا تھا، میرزا ابو بکر اور میرزا مغل کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا تھا اور بادشاہ کی شکست کے بعد ایک معمولی انگریز فوجی افسر کی گولی کا نشانہ بننا تھا۔ موت نے ان کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی تھی، وہ بھلا قلعہ کس طرح چھوڑ سکتے تھے۔

"ملکہ دوراں نے اشارہ کر دیا ہے کہ میں کوئی ایسی چیز یہاں سے نہیں لے جا سکتی جو مرحوم صاحب عالم وعالمیان نے مجھے یا میرے بچوں کو عطا کی ہو۔" وزیر نے کہا: "نواب مرزا اور خورشید میرزا آپ مزدوروں اور پیادوں کا انتظام کریں، کل ہم اپنا نجی سامان نواب ناظر اور خان سامان بہادر کے آدمیوں کی موجودگی میں بندھوا کر بہل پر بار کرا کر شام سے پہلے پہلے قلعہ چھوڑ دیں گے۔"

"لیکن جائیں گے کہاں؟" خورشید میرزا نے پوچھا۔

وزیر کچھ سوچ میں پڑ گئی۔ ابھی تو خانم کے بازار والا گھر ہے۔ لیکن اب مجھے دلی جائے امان نہیں لگتی۔ بڑی باجی سے بات کر کے فیصلہ کروں گی۔

"میں عرض کروں؟" نواب مرزا نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں کہو نا! کیا کوئی اور تجویز ہے؟" میرزا ابو بکر نے فرمایا۔

"جی! وہ رام پور میں منجھلی خالہ جان ہیں۔۔ وہاں ہر طرح کی حفاظت بھی رہے گی۔"

سب ایک لمحے کے لیے چُپ ہو گئے۔ دلی چھوڑنے کا خیال سوہان روح لگتا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" وزیر نے سوچ کر کہا: "لیکن منجھلی باجی سے بات تو کرنی ہو گی۔ اور خانم کے بازار والا مکان؟"

"اسے آپ نہ چھوڑیں۔" میرزا ابو بکر نے کہا۔ "رکھوالی کا اس کی بندوبست ہو جائے گا۔"

اگلے دن مغرب کے بعد قلعہ مبارک کے لاہوری دروازے سے ایک چھوٹا سا قافلہ باہر نکلا۔ ایک پالکی میں وزیر، ایک بہل پر اس کا اثاث البیت، اور پالکی کے دائیں بائیں گھوڑوں پر نواب مرزا خان اور خورشید میرزا۔ دونوں کی پشت سیدھی اور گردن تنی ہوئی تھی۔ محافظ خانے والوں نے روکنے کے لیے ہاتھ پھیلائے تو میرزا خورشید عالم نے ایک ایک مٹھی اٹھنیاں چونیاں دونوں طرف لٹائیں اور یوں ہی سر اٹھائے ہوئے نکل گئے۔ ان کے چہرے ہر طرح کے تاثر سے عاری تھے لیکن پالکی کے بھاری پردوں کے پیچھے چادر میں لپٹی اور سر کو جھکائے بیٹھی ہوئی وزیر خانم کو کچھ نظر نہ آتا تھا۔

(کئی چاند تھے سرِ آسماں)

شمس الرحمٰن فاروقی (۱۹۳۵ء تا ۲۰۲۰ء)

اردو زبان و ادب کے نام ور نقاد، ادیب، محقق، ناول نگار اور افسانہ نگار کی پیدائش اتر پردیش کے ضلع اعظم گڑھ میں ہوئی۔ الہ آباد یونی ورسٹی سے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنی علمی ادبی سرگرمیوں کا آغاز الہٰ آباد ہی سے علمی، ادبی، تحقیقی رسالہ ''شب خون'' جاری کر کے کیا۔ اس رسالے کو اردو زبان و ادب میں جدیدیت کا پیش رو بھی کہا جاتا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی کی زیر سرپرستی شائع ہونے والے اس رسالے نے ان گنت شاعروں اور ادیبوں کی فکری رہ نمائی کا فریضہ انجام دیا۔

شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنا فنی و فکری سفر تنقید نگاری سے شروع کیا جو شاعری، تحقیق، لغت نگاری، افسانہ نگاری، ناول نگاری، عروض اور ترجمہ نگاری پر جا منتج ہوا۔ آپ کی علمی، ادبی اور تحقیقی خدمات کے صلے میں بھارتی حکومت نے سرسوتی اعزاز، ساہتیہ اکادمی ایوارڈ، پدم شری ایوارڈ برائے ادب و تعلیم، سے نوازا۔

شمس الرحمٰن فاروقی کی اہم تصانیف میں ''شعر شور انگیز''، ''اردو غزل کے اہم موڑ''، ''افسانے کی حمایت میں''، ''تفہیم غالب''، ''شعر غیر شعر اور نثر''، ''لغاتِ روزمرہ''، ''عروض: آہنگ اور بیان''، ''سوار اور دوسرے افسانے''، ''گنج سوختہ''، ''مجلس آفاق میں پروانہ ساں'' (جملہ شاعری کی کلیات)، ''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' شامل ہیں۔ ہم کہ سکتے ہیں کہ شمس الرحمٰن فاروقی اردو زبان و ادب کے جدید دور کی کثیر الجہت ادبی شخصیت تھے۔

مشق

۱: درج ذیل کثیر الانتخابی سوالات کے درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) سبق ''شاخوں پہ جلے ہوئے بسیرے'' صنف ادب کے لحاظ سے ہے:

الف۔ ڈراما　ب۔ افسانہ　ج۔ لوک کہانی　د۔ ناول

(ii) حضور عالی جاہ نے کس کو جواں بخت کی ولی عہدی کی سفارش کا رقعہ لکھوا دیا؟

الف۔ خلیفۂ وقت کو　ب۔ کمپنی انگریز بہادر کو　ج۔ ملکۂ برطانیہ کو　د۔ وائسرائے ہند کو

(iii) ولی عہدی کے معاملے پر جو کاغذات و سفارشات دہلی میں صاحب کلاں بہادر کو موصول ہوئے وہ آگے کہاں بھیج دیے گئے؟

الف۔ آگرہ　ب۔ کلکتہ　ج۔ لاہور　د۔ امرت سر

(iv) لوبان اور اگربتی کے دھوئیں میں رات بھر کس کا شور رہا؟

الف۔ ڈھول باجے کا　ب۔ گریہ و بکا کا　ج۔ گانے بجانے کا　د۔ چیخ و پکار کا

(v) چہلم کے کون سے دن وزیر خانم کی خدمت میں ملکۂ دوراں کا پیغام آیا؟

الف۔ پہلے　ب۔ دوسرے　ج۔ تیسرے　د۔ چوتھے

۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب لکھیں:

الف۔ فتح الملک کا سوئم ختم ہوتے ہی نواب زینت محل نے کس بات کا زور بادشاہ پر ڈالنا شروع کر دیا؟

ب۔ بادشاہ کے لیے یہ کیوں ممکن نہ تھا کہ وہ زینت محل کی بات کو نظر انداز کر دیں؟

ج۔ لارڈ گورنر جنرل بہادر کو لکھے گئے خطوں میں میرزا جواں بخت کے متعلق کیا کچھ بیان کیا گیا تھا۔

د۔ میرزا فتح الملک بہادر کے چہلم کے موقعے پر کیا اہتمام کیا گیا تھا؟

ہ۔ صاحبِ عالم کی وفات کے بعد وزیر کی کیا حالت تھی؟

و۔ چہلم کے تیسرے دن وزیر خانم کی خدمت میں ملکۂ دوراں کا کیا پیغام آیا؟

ز۔ زینت محل نے وزیر خانم کو محل چھوڑنے کے لیے کیوں کہا؟

ح۔ نواب زینت محل کی بات ماننا وزیر خانم کے لیے ایک مجبوری تھی، کیوں؟

ط۔ قلعۂ مبارک کے لاہوری دروازے سے نکلنے والے چھوٹے سے قافلے کا احوال اپنے الفاظ میں لکھیں؟

یوٹیوب چینل سے ضیا محی الدین کی ویڈیو تلاش کریں جس میں انھوں نے پطرس بخاری کا شہرہ آفاق مزاحیہ مضمون "مرحوم کی یاد میں" کی تحت اللفظ میں نثر خوانی کی ہے۔ اس مضمون کے درج ذیل حصے کو خصوصی طور پر سن کر احساس، جذبے، اور تاثر کے حوالے سے زبان و بیان کے حسن و قبح کی نشان دہی کریں۔ بعض اوقات شاعر یا ادیب اپنی تخلیقات میں جدت اور تاثر پیدا کرنے کے لیے دوسری زبانوں کے الفاظ کو بھی بے تکلفی سے برت جاتے ہیں جس سے اردو زبان و بیان میں خوب صورتی یا اجنبیت (حُسن و قبح) کا احساس ہونے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ شاعر یا ادیب کی مہارت ہی اسی بات میں ہوتی ہے کہ دیگر زبانوں کے الفاظ اس چابک دستی سے استعمال کرے کہ وہ اردو روزمرہ اور محاورے میں رچ بس جائیں۔

سبق "شاخوں پہ جلے ہوئے بسیرے" آپ نے پڑھا جس میں شمس الرحمٰن فاروقی نے زبان و بیان، روزمرہ اور محاورے کی چاشنی کے ساتھ مغلیہ سلطنت کے زوال کی داستان بیان کی ہے۔ طلبہ آپس میں اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی امور وغیرہ سے متعلق اپنی گفت گو میں درج ذیل موزوں الفاظ و تراکیب پر مشتمل روزمرہ اور بامحاورہ زبان استعمال کریں:

تقاضائے عمری، بہ وجہ ضعف، تھرتھری، عدم مداخلت، حکومت، سنگ مرمر، آفاق، ستم ظریفی، استمرار، طویل المدت، کبیدگی، خلافِ مصلحت، ڈھنڈورا، پیرِ خرف، اُلٹے پاؤں، مقوی، مفرح، پہاڑوں کی کھوہ، جائے امان، رکھوالی۔

اصطلاحی اور مجازی نقطۂ نظر پیش کرنے کے لیے دو طالب علم، وزیر خانم اور ملکۂ دوراں کے درمیان ہونے والے درج ذیل مکالمے کو آپس کی گفت گو کے انداز میں پیش کریں:

چہلم کے تیسرے دن وزیر خانم کی خدمت میں ملکۂ دوراں کا پیغام آیا کہ آپ کی یاد ہو رہی ہے، جلد تشریف لے چلیے۔ وزیر کا ماتھا ٹھنکا۔ ملکۂ دوراں نے پہلے کبھی اس طرح یاد نہ فرمایا تھا۔ شاید تعزیتی کلمات کہنا چاہتی ہوں، اس نے دل میں کہا۔ ہر چند کہ میر افتح الملک شاہ بہادر کی ولی عہدی کے بعد زینت محل نے وزیر اور اس کے بچوں سے خطاب و تکلم کم و بیش بند ہی کر دیا تھا لیکن شاید اس موقعے پر ان کے دل میں کچھ درد آگیا ہو۔ وزیر نے جلد جلد منھ پر چار چھینٹے مارے، آئینہ دیکھے بغیر انگلی سے بالوں میں کنگھی کی اور سفید لیکن صاف کپڑے پہن کر نواب زینت محل کی ڈیوڑھی پر حاضر خدمت ہوئی۔ نواب زینت محل نے معمولی طور پر اس کا استقبال کیا اور اپنے سامنے بٹھایا۔ کچھ دیر سکوت رہا، پھر ملکہ عالیہ نے ارشاد فرمایا:

"چھوٹی بیگم! ہمیں تمھاری بیوگی پر بہت افسوس ہے۔" وہ ایک پل رکیں۔ وزیر شکریے کے کچھ کلمات کہنے ہی والی تھی کہ ملکۂ دوراں نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا: "لیکن تم تو ایسے سانحوں کی عادی ہو چکی ہو۔ اسے بھی سہ جاؤ گی۔ انوا ہی کا کلیجا مضبوط ہوتا ہے، لوگ کہتے ہیں۔"

ملکۂ دوراں کی بعض منھ لگی مصاحبوں نے ڈوپٹہ منھ پر رکھ کر ہنسی روکنے کی کوشش کی لیکن بعض دوسری خواصوں کے چہرے پر کبیدگی کے آثار نمایاں ہوئے۔

وزیر کو یہ سمجھنے میں کوئی مشکل نہ ہوئی کہ ان توہین آمیز کلمات کا مقصد محض توہین نہیں۔ اصل مقصد یہ تھا کہ وزیر سے کوئی خلاف ادب یا خلاف مصلحت بات کہلادی جائے اور بعد میں اسے وزیر کے خلاف استعمال کیا جائے۔ اس نے سر جھکا کر کہا:

"نیند تو سولی پر بھی آجاتی ہے ملکہ دوراں! واقعہ کتنا ہی سخت ہو لیکن تاب لائے ہی بنتی ہے۔ میں اللہ کے حضور میں آپ اور ظلِ سبحانی کی درازی عمر اور صحت و دولت اور اقبال کی دعا کرتی ہوں۔ آپ دونوں کا سایہ میرے لیے بہت ہے۔"

زینت محل ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گئیں۔ انھیں اس جواب کی توقع نہ تھی۔ پھر گلا صاف کر کے وہ بولیں:

"ولی عہد بہادر مرحوم تمھارے لیے کیا کیا چھوڑ گئے ہیں چھوٹی بیگم؟"

اب وزیر نے سر اٹھا کر اور کمر سیدھی کر کے جواب دیا: ولی عہد بہادر کا احوال مجھ سے زیادہ ملکہ دوراں اور ظلِ الٰہی پر روشن ہے۔"

"تمھیں ان کی ڈیوڑھی خالی کرنی ہو گی۔"

"ملکہ دوراں شاید بھولتی ہیں۔ میں چھوٹی بیگم ہی نہیں، شوکت محل بھی ہوں۔"

"تم شوکت محل تھیں۔ اب نہیں ہو۔" زینت محل نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"یہ فیصلہ تو وہی کرے گا جس نے مجھے یہ خطاب عطا کیا تھا۔"

"چھوٹی بیگم! کسی فریب میں نہ رہنا۔ تم نے ہمارے بھولے بھالے میرزا فخرو بہادر کو شیشے میں اتار کر قلعہ شاہی میں پاؤں دھنسا لیے، اس توقع پر کہ تم بھی تیموری شاہزادیوں میں شمار ہو گی۔ پھر بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا اور تم ولی عہد سوئم کی بیگم کے بہ جائے ہندوستان کی ملکہ بننے کے امکانات میں مگن ہو گئیں۔ تم جیسیوں نے کتنے ہی اینٹ کے گھر مٹی کر دیے لیکن قدرت خداوندی بھی کوئی چیز ہے۔"

وزیر سے ضبط نہ ہو سکا اور اس نے ملکہ کی بات کاٹنے کی گستاخی کی پروا کیے بغیر نرم لیکن مضبوط آواز میں کہا: "ملکہ عالم پر خوب عیاں ہے کہ میں کن حالات میں قلعہ مبارک میں آئی۔ میں تو اپنے صاحب عالم و عالمیان کی خاک برابر بھی نہیں۔ انھوں مجھے ذرے سے آفتاب کیا ورنہ میں اپنی کال کوٹھڑی میں بیوگی کاٹ رہی تھی۔"

"ٹھیک ہے۔" زینت محل نے تیز لہجے میں کہا۔ "جس نے تمھیں ذرے سے آفتاب کیا اب وہ خود تہِ خاک ہے۔ اب تم پھر وہی ذرۂ خاک ہو جو یہاں آنے کے پہلے تھیں۔"

سبق کے درج بالا پڑھے گئے حصے کو دہراتے ہوئے حوالوں اور دلائل سے اظہار رائے کریں اور اس حصے پر جزئیات کے ساتھ تبصرہ پیش کریں۔

عالمی ثقافتوں، معاشرتی، معاشی و سماجی رابطوں کے لیے درج ذیل تحریر کو پڑھیں اور اس سے معلومات حاصل کریں:

پاکستان اور چین اپنے جغرافیائی محلِ وقوع کے حوالے سے اقوام عالم کے لیے بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہونے کے باوجود گہری دوستی کے بندھن میں بندھے ہوئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ پاک چین دوستی بحیرہ عرب سے گہری اور کوہ ہمالیہ سے بھی بلند تر ہے۔ دونوں ممالک کے درمیان دوستانہ تعلقات ہر گزرتے لمحے کے ساتھ مضبوط تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ چین دنیا کی ابھرتی ہوئی معاشی اور دفاعی طاقت ہے جب کہ پاکستان اپنی تجارتی گزرگاہوں کے حوالے سے چین کی ترقی میں ممد و معاون۔ چین نے متعدد مشکل مواقع پر پاکستان کو اخلاقی، مالی اور سیاسی معاونت فراہم کی۔ گذشتہ چند سالوں سے سی پیک منصوبوں کے ذریعے دونوں ممالک کی دوستی کو مزید مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے معاشی میدان میں اربوں ڈالرز کے پراجیکٹس کا

آغاز ہو چکا ہے۔ پاکستان کے طول و عرض میں سڑکیں تعمیر کی جارہی ہیں۔ اپنی تعمیر کے اعتبار سے دنیا کا عجوبہ "شاہراہ قراقرم" پاک چین دوستی کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ چین نے پاکستان کو توانائی کے بحران پر قابو پانے کے لیے نئے بجلی گھر قائم کیے۔ حال ہی میں چینی سرمایہ کاروں نے سندھ اور پنجاب میں کپڑے کی صنعت کو فروغ دینے کے لیے ٹیکسٹائل پارکس بنانے کا عندیہ دیا ہے جن میں شمسی توانائی کے استعمال کو زیرِ غور لایا جارہا ہے۔ بلاشبہ ٹیکسٹائل کا شعبہ پاکستان کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر ہم چین کے ساتھ مل کر اپنی کپاس کی پیداوار بڑھانے میں کام یاب ہو گئے تو یہ بات پاکستان کی معاشی ترقی میں نہایت اہم ثابت ہوگی۔

۸۔ مختلف سرکاری، صحافتی اور عدالتی دفتر کی ویب سائیٹ پر جا کر ان کے مختلف فارم زیادستاویزات ڈاؤن لوڈ کر کے انھیں پڑھیں۔ نمونے کے طور پر ایک درخواست اور ضمانتی مچلکہ دیا جارہا ہے۔ آپ انھیں پُر کریں۔

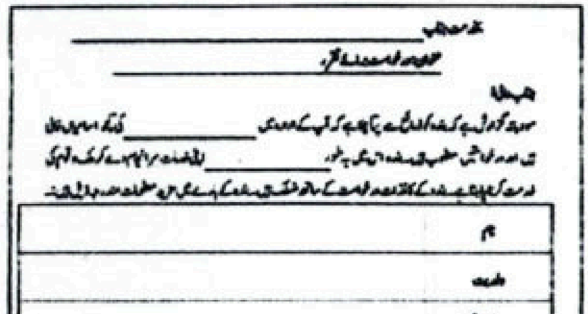

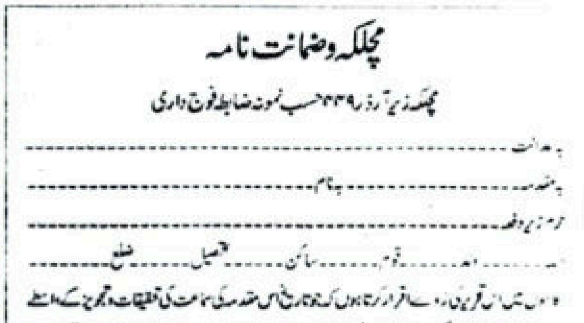

مرکب ناقص اور مرکب تام:

(i) مرکب ناقص: دو یا دو سے زائد الفاظ کا مجموعہ جو پڑھنے والے پر اپنا مکمل مفہوم ادا نہ کرے۔ مثلاً: میر الملک، دو بھائی۔

(الف) مرکب توصیفی: ایسے مرکب کو کہتے ہیں جو اسم صفت اور اسم موصوف سے مل کر بنے۔

مثال کے طور پر: سایہ دار درخت، شفیق والدین۔ مرکب توصیفی کی ان مثالوں میں سایہ دار اور شفیق؛ صفات ہیں جب کہ درخت اور والدین موصوف ہیں۔

(ب) مرکب اضافی: ایسے مرکب کو کہتے ہیں جو مضاف، مضاف الیہ اور حرف اضافت (کا، کی، کے) سے مل کر بنے۔ بعض اوقات اسم کے نیچے جو زیر لگتی ہے وہ بھی حرف اضافت ہی کا کام کرتی ہے۔

مثال کے طور پر: اُردو کی کتاب، شجاع کے کپڑے، انوارِ رحمت وغیرہ

(ج) مرکب عطفی: ایسے مرکب کو کہتے ہیں جو معطوف علیہ، حرف عطف اور معطوف سے مل کر بنتا ہے۔

مثال کے طور پر: مال و دولت، ماں اور باپ۔ ان مثالوں میں مال، ماں معطوف علیہ، و، اور؛ حروف عطف جب کہ دولت اور باپ معطوف کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔

(ii) مرکب تام

دو یا دو سے زائد الفاظ کا ایسا مجموعہ جو پڑھنے والے پر اپنا مفہوم مکمل طور پر ادا یا واضح کر دے، مرکب تام کہلاتا ہے۔

مثلاً: میرا ملک پاکستان ہے۔ دو بھائی پڑھ رہے ہیں۔

۹۔ مرکب ناقص کی اقسام (مرکب توصیفی، مرکب اضافی اور مرکب عطفی) اور مرکب تام کی دو دو مثالیں لکھ کر ان کے جملے بنائیں۔

مرکب مصادر:

مصدر ایک ایسا اسم ہے جو خود کسی سے نہیں بنتا لیکن اس سے کئی لفظ بن سکتے ہیں۔ دو یا دو سے زائد مصادر مل کر مرکب مصدر بناتے ہیں۔ یعنی جب ایک مصدر کسی اسم یا کسی فعل کے ساتھ ملے۔ مثال کے: اُگنا اور آنا سے اُگ آنا، سنبھالنا اور رکھنا سے سنبھال کر رکھنا، گرنا اور پڑنا سے گر پڑنا، دھونا اور دینا سے دھو دینا مرکب مصادر کی مثالیں ہیں جب دو مصادر مل کر ایک مصدر بنائیں جب کہ کتاب پڑھنا، خط لکھنا، سانپ مارنا، سچ بولنا وغیرہ ایسے مرکب مصادر ہیں جب ایک اسم ایک مصدر کے ساتھ مل کر مرکب مصدر کی تشکیل کرتا ہے۔

مرکب مصدر میں جب دو فعل اکٹھے آجائیں تو پہلے فعل کو اصل فعل جب کہ دوسرے فعل کو امدادی یا معاون فعل کہتے ہیں۔ مثال کے طور اوپر دی گئی مثالوں میں اُگ آنا، گر پڑنا میں اُگ، گر دونوں اصل فعل ہیں جب کہ آنا اور پڑنا امدادی یا معاون فعل ہیں۔

۱۰۔ مرکب مصادر کی دو دو مثالیں دے کر وضاحت کریں۔

سرگرمی

لائبریری سے شوکت صدیقی کا لکھا ہوا ناول ''خدا کی بستی'' جاری کرائیں۔ اسے پڑھتے ہوئے شوکت صدیقی اور شمس الرحمٰن فاروقی کے ناول ''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' کے اسلوب میں امتیاز کریں۔

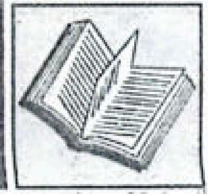

۶ شروع قصّے کا

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- کلام/بات کو آغاز/درمیان سے سن کر نظم و نثر کے مرکزی خیال، نکتے، تصور تک رسائی حاصل کر کے سیاق و سباق کو سمجھ اور موضوع بیان کر سکیں۔
- افسانوی غیر افسانوی انتخاب پڑھ کر اس میں موجود معلومات اخذ کرتے ہوئے استعمال کر سکیں۔
- مختلف نثری اصناف ادب (کہانی، داستان، ڈراما، ناول) پڑھ کر ان کے ادبی اسلوب میں امتیاز کر سکیں۔
- منظوم یا منثور کسی بھی دو اصناف ادب کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے تبصرہ کر سکیں۔
- عالمی، ثقافتی، معاشرتی، معاشی اور سماجی رابطوں کے لیے مختلف تحاریر پڑھ سکیں اور ان سے معلومات اخذ کر سکیں۔
- مختلف عبارتیں پڑھ کر ان میں درج معلومات اور تصورات کی پیش کش پر تبصرہ کرتے ہوئے قارئین پر ان کے اثرات کا تجزیہ کر سکیں۔
- درخواست، رسمی غیر رسمی خطوط، دعوت نامے، تہنیت نامے کی تحریری یا برقی (ای میل) تشکیل کر سکیں۔
- تراکیب لفظی کی شناخت کر سکیں اور اس کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اپنی تحریر میں اس کا استعمال کر سکیں۔

خاص	بادِتند	اِسم بامسمّیٰ	چورچکار	مانندِ تارِ مقیش	خزانۂ غیب
الفاظ	صبح خیزے	تسلیمات و کورنشات	رعیّت	نوبت خانے	نیست و نابود

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو مختلف اصنافِ ادب (کہانی، ناول، افسانہ، ڈراما، داستان) کو پڑھ کر ان کے اسلوب میں امتیاز کرنے کے طریقوں سے روشناس کرائیں۔
- کوئی سی بھی دو اصناف ادب (نثری یا شعری) کے درمیان موازنہ کر کے تبصرہ کرنے کے اصول و ضوابط سے متعارف کرائیں۔

پڑھیں

پریاں، جن بھوت، بادشاہ، شہزادے اور دیگر مافوق الفطرت عناصر کس قسم کی کہانی کا اہم حصہ ہوتے ہیں؟

اب آغاز قصے کا کرتا ہوں، ذرا کان دھر کر سنو اور منصفی کرو۔ سیر میں چار درویش کی یوں لکھا ہے اور کہنے والے نے کہا ہے کہ آگے روم کے ملک میں کوئی شہنشاہ تھا کہ نوشیرواں کی سی عدالت اور حاتم کی سی سخاوت اُس کی ذات میں تھی۔ نام اُس کا آزاد بخت اور شہر قسطنطنیہ (جس کو استنبول کہتے ہیں) اُس کا پائے تخت تھا۔ اُس کے وقت میں رعیت آباد، خزانہ معمور، لشکر مُرفّہ، غریب غربا آسودہ؛ ایسے چین سے گزران کرتے اور خوشی سے رہتے کہ ہر ایک کے گھر میں دن عید اور رات شب برات

تھی اور جتنے چور چکار، جیب کترے، صبح خیزے، اُٹھائی گیرے، دغا باز تھے؛ سب کو نیست و نابود کر کر، نام و نشان اُن کا اپنے ملک بھر میں نہ رکھا تھا۔ ساری رات دروازے گھروں کے بند نہ ہوتے اور دکانیں بازار کی کھلی رہتیں۔ راہی، مسافر، جنگل، میدان میں سونا اُچھالتے چلے جاتے؛ کوئی نہ یہ پوچھتا کہ تمھارے مُنھ میں کے دانت ہیں اور کہاں جاتے ہو؟

اُس بادشاہ کے عمل میں ہزاروں شہر تھے اور کئی سلطان نعل بندی دیتے۔ ایسی بڑی سلطنت پر ایک ساعت اپنے دل کو خدا کی یاد اور بندگی سے غافل نہ کرتا۔ آرام دنیا کا، جو چاہیے، سب موجود تھا، لیکن فرزند (کہ زندگانی کا پھل ہے) اس کی قسمت کے باغ میں نہ تھا۔ اس خاطر اکثر فکر مند رہتا اور پانچوں وقت کی نماز کے بعد اپنے کریم سے کہتا کہ اے اللہ! مجھ عاجز کو تُو نے اپنی عنایت سے سب کچھ دیا، لیکن ایک اس اندھیرے گھر کا دِیا نہ دیا۔ یہی ارمان جی میں باقی ہے کہ میرا نام لیوا اور پانی دیوا کوئی نہیں اور تیرے خزانۂ غیب میں سب کچھ موجود ہے، ایک بیٹا جیتا جاگتا مجھے دے، تو میرا نام اور اس سلطنت کا نشان قائم رہے۔

اِسی امید میں بادشاہ کی عمر چالیس برس کی ہو گئی۔ ایک دن شیش محل میں نماز ادا کر کر وظیفہ پڑھ رہے تھے؛ ایک بارگی آئینے کی طرف خیال جو کرتے ہیں، تو ایک سفید بال موچھوں میں نظر آیا کہ مانندِ تارِ مقیش کے چمک رہا ہے۔ بادشاہ دیکھ کر آب دیدہ ہوئے اور ٹھنڈی سانس بھری۔ پھر دل میں اپنے سوچ کیا کہ افسوس! تُو نے اِتنی عمر ناحق برباد دی اور اس دنیا کی حرص میں ایک عالم کو زیر و زبر کیا۔ اِتنا ملک جو لیا، اب تیرے کسی کام آوے گا؟ آخر یہ سارا مال اسباب کوئی دوسرا اُڑاوے گا۔ تجھے تو پیغام موت کا آ چکا۔ اگر کوئی دن جیے بھی، تو بدن کی طاقت کم ہو گی۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میری تقدیر میں نہیں لکھا کہ وارث چھتر اور تخت کا پیدا ہو۔ آخر ایک روز مرنا ہے اور سب کچھ چھوڑ جانا ہے؛ اِس سے یہی بہتر ہے کہ میں ہی اِسے چھوڑ دوں اور باقی زندگی اپنے خالق کی یاد میں کاٹوں۔

یہ بات اپنے دل میں ٹھہرا کر، پائیں باغ میں جا کر، سب مُجرائیوں کو جواب دے کر فرمایا کہ کوئی آج سے میرے پاس نہ آوے، سب دیوانِ عام میں آیا جایا کریں اور اپنے کام میں مستعد رہیں۔ یہ کہ کر آپ ایک مکان میں جا بیٹھے اور مصلا بچھا کر عبادت میں مشغول ہوئے۔ سوائے رونے اور آہ بھرنے کے کچھ کام نہ تھا۔ اِسی طرح بادشاہ آزاد بخت کو کئی دن گزرے۔ شام کو روزہ کھولنے کے وقت ایک چھہارا کھاتے اور تین گھونٹ پانی پیتے اور دن رات جا نماز پر پڑے رہتے۔

اس بات کا باہر چرچا پھیلا۔ رفتہ رفتہ تمام ملک میں خبر پھیل گئی کہ بادشاہ نے بادشاہت سے ہاتھ کھینچ کر گوشہ نشینی اختیار کی۔ چاروں طرف غنیموں اور مفسدوں نے سر اٹھایا اور قدم اپنی حد سے بڑھایا۔ جس نے چاہا ملک دبا لیا اور سرانجام سرکشی کا کیا۔ جہاں کہیں حاکم تھے، اُن کے حکم میں خللِ عظیم واقع ہوا۔ ہر ایک صوبے سے عرضی بد عملی کی حضور میں پہنچی۔ اُمرا جتنے تھے جمع ہوئے اور صلاح مصلحت کرنے لگے۔ آخر یہ تجویز ٹھہری کہ نواب وزیر؛ عاقل اور دانا ہے اور بادشاہ کا مقرّب اور معتمد ہے اور درجے میں بھی سب سے بڑا ہے؛ اُس کی خدمت میں چلیں، دیکھیں وہ کیا مناسب جان کر کہتا ہے۔

سب عمدہ، امیر، وزیر کے پاس آئے اور کہا: بادشاہ کی یہ صورت اور ملک کی وہ حقیقت؛ اگر چندے اَور تغافل ہوا، تو اس محنت کا ملک لیا ہوا مفت میں جاتا رہے گا، پھر ہاتھ آنا بہت مشکل ہے۔ وزیر پرانا، قدیم، نمک حلال اور عقل مند، نام بھی خرد مند، اسم بامسمّیٰ تھا، بولا: اگرچہ بادشاہ نے حضور میں آنے کو منع کیا ہے؛ لیکن تم چلو، میں بھی چلتا ہوں؛ خدا کرے بادشاہ کی مرضی آوے جو رو بہ رو بلاوے۔ یہ کہ کر سب کو اپنے ساتھ دیوانِ عام تلک

لایا۔ اُن کو وہاں چھوڑ کر آپ دیوانِ خاص میں آیا اور بادشاہ کی خدمت میں محلی کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ یہ پیر غلام حاضر ہے، کئی دنوں سے جمال جہاں آرا نہیں دیکھا؛ امیدوار ہوں کہ ایک نظر دیکھ کر قدم بوسی کروں تو خاطر جمع ہو۔

یہ عرض وزیر کی بادشاہ نے سنی؛ از بس کہ قدامت اور خیر خواہی اور تدبیر اور جاں نثاری اُس کی جانتے تھے اور اکثر اُس کی بات مانتے تھے، بعد تامل کے فرمایا: خردمند کو بُلالو۔ بارے جب پروانگی ہوئی؛ وزیر حضور میں آیا، آداب بجالایا اور دست بستہ کھڑا رہا۔ دیکھا تو بادشاہ کی عجب سے صورت بن رہی ہے کہ زار بہ زار رونے اور دُبلاپے سے آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں اور چہرہ زرد ہو گیا ہے۔ خردمند کو تاب نہ رہی، بے اختیار دوڑ کر قدموں پر جا گرا۔ بادشاہ نے ہاتھ سے سر اُس کا اُٹھایا اور فرمایا: لو! مجھے دیکھا، خاطر جمع ہوئی۔ اب جاؤ، زیادہ مجھے نہ ستاؤ، تم سلطنت کرو۔

خردمند سن کر، دھاڑ مار کر رویا اور عرض کی: غلام کو آپ کے تصدق سلامتی سے ہمیشہ بادشاہت میسر ہے، لیکن جہاں پناہ کی یک بہ یک اس طرح کی گوشہ گیری سے تمام ملک میں تہلکہ پڑ گیا ہے، اور انجام اس کا اچھا نہیں۔ یہ کیا خیال مزاجِ مبارک میں آیا! اگر اس خانہ زاد موروثی کو بھی محرم اس راز کا کیجیے، تو بہتر ہے، جو کچھ عقلِ ناقص میں آوے، التماس کرے۔ غلاموں کو جو یہ سرفرازیاں بخشی ہیں، اسی دن کے واسطے کہ بادشاہ عیش و آرام کریں اور نمک پرورد ے تدبیر میں ملک کی رہیں۔ خدانہ خواستہ جب فکر مزاجِ عالی کے لاحق ہوئی، تو بندہ ہائے بادشاہی کس دن کام آویں گے!

بادشاہ نے کہا: سچ کہتا ہے، پر جو فکر میرے جی کے اندر ہے، سو تدبیر سے باہر ہے۔ سن اے خردمند! میری ساری عمر اسی ملک گیری کے دردِ سر میں گئی، اب یہ سن و سال ہوا، آگے موت باقی ہے، سو اس کا بھی پیغام آیا کہ سیاہ بال سفید ہو چلے۔ وہ مثل ہے: ساری رات سوئے، اب صبح کو بھی نہ جاگیں! اب تک ایک بیٹا پیدا نہ ہوا، جو میری خاطر جمع ہوتی؛ اس لیے دل سخت اُداس ہوا اور میں سب کچھ چھوڑ بیٹھا۔ جس کا جی چاہے ملک لے یا مال لے، مجھے کچھ کام نہیں؛ بلکہ کوئی دن میں یہ ارادہ رکھتا ہوں کہ سب چھوڑ چھاڑ کر، جنگل اور پہاڑوں میں نکل جاؤں اور منھ اپنا کسو کو نہ دکھاؤں۔ اسی طرح یہ چند روز کی زندگی بسر کروں۔ اگر کوئی مکان خوش آیا، تو وہاں بیٹھ کر بندگی اپنے معبود کی بجالاؤں گا، شاید عاقبت بہ خیر ہو اور دنیا کو تو خوب دیکھا، کچھ مزہ نہ پایا۔ اتنی بات بول کر اور ایک آہ بھر کر بادشاہ چپ ہوئے۔

خردمند اُن کے باپ کا وزیر تھا۔ جب یہ شہزادے تھے، تب سے محبت رکھتا تھا؛ علاوہ، دانا اور نیک اندیش تھا: کہنے لگا: خدا کی جناب سے ناامید ہونا ہرگز مناسب نہیں۔ جس نے ہیژدہ ہزار عالم کو ایک حکم میں پیدا کیا، تمھیں اولاد دینی اُس کے نزدیک کیا بڑی بات ہے۔ قبلہ عالم! اس تصویرِ باطل کو دل سے دُور کرو، نہیں تو تمام عالم درہم برہم ہو جاوے گا اور یہ سلطنت کس کس کی محنت اور مشقت سے تمھارے بزرگوں نے اور تم نے پیدا کی ہے، ایک ذرا میں ہاتھ سے نکل جائے گی اور بے خبری سے ملک ویران ہو جائے گا؛ خدانہ خواستہ بدنامی حاصل ہو گی۔ اس پر بھی بازپرس روزِ قیامت کی ہُوا چاہے کہ تجھے بادشاہ بنا کر اپنے بندوں کو تیرے حوالے کیا تھا؛ تو ہماری رحمت سے مایوس ہوا اور رعیت کو حیران پریشان کیا؛ اس سوال کا کیا جواب دو گے؟ پس عبادت بھی اُس روز کام نہ آوے گی، اس واسطے کہ آدمی کا دل خدا کا گھر ہے؛ اور بادشاہ فقط عدل کے واسطے پوچھے جائیں گے۔ غلام کی بے ادبی معاف ہو، گھر سے نکل جانا اور جنگل جنگل پھرنا، کام جوگیوں اور فقیروں کا ہے، نہ کہ بادشاہوں کا؛ تم اپنے جوگا کام کرو۔ خدا کی یاد اور بندگی جنگل، پہاڑ پر موقوف نہیں۔ آپ نے یہ بیت سنی ہو گی؟

خدا اِس پاس، یہ ڈھونڈھے جنگل میں
ڈھنڈورا شہر میں، لڑکا بغل میں

اگر منصفی فرمایئے اور اس فدوی کی عرض قبول کیجیے، تو بہتر یوں ہے کہ جہاں پناہ ہر دم اور ہر ساعت دھیان اپنا خدا کی طرف لگا کر دعا مانگا کریں۔ اُس کی درگاہ سے کوئی محروم نہیں رہا۔ دن کو بندوبست ملک کا اور انصاف عدالت غریب غربا کی فرماویں؛ تو بندے خدا کے دامنِ دولت کے سائے میں امن وامان، خوش گزران رہیں۔ اور رات کو عبادت کیجیے اور دُرود پیمبر کی روحِ پاک کو نیاز کر کر، درویش گوشہ نشین، متوکلوں سے مدد لیجیے اور روز راتب یتیم، اسیر، عیال داروں، محتاجوں اور رانڈ بیواؤں کو کر دیجیے۔ ایسے اچھے کاموں اور نیک نیتوں کی برکت سے، خدا چاہے تو امید قوی ہے کہ تمھارے دل کے مقصد اور مطلب سب پورے ہوں اور جس واسطے مزاج عالی مکدر ہو رہا ہے، وہ آرزو بر آوے اور خوشی خاطرِ شریف کو ہو جاوے۔ پروردگار کی عنایت پر نظر رکھیے کہ وہ ایک دم میں جو چاہتا ہے، سو کرتا ہے۔ بارے خردمند وزیر کی ایسی ایسی عرض معروض کرنے سے آزاد بخت کے دل کو ڈھارس بندھی، فرمایا: اچھا! تو جو کہتا ہے، بھلا یہ بھی کر دیکھیں! آگے جو اللہ کی مرضی ہے، سو ہو گا۔

جب بادشاہ کے دل کو تسلی ہوئی، تب وزیر سے پوچھا کہ اور سب امیر و دبیر کیا کرتے ہیں اور کس طرح ہیں؟ اُس نے عرض کی کہ سب ارکانِ دولت قبلۂ عالم کے جان و مال کو دعا کرتے ہیں، آپ کی فکر سے سب حیران و پریشان ہو رہے ہیں۔ جمال مبارک اپنا دکھایئے، تو سب کی خاطر جمع ہووے، چناں چہ اس وقت دیوان عام میں حاضر ہیں۔ یہ سن کر بادشاہ نے حکم کیا: ان شاء اللہ تعالیٰ کل دربار کروں گا، سب کو کہہ دو حاضر رہیں۔ خردمند یہ وعدہ سن کر خوش ہوا اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر دعا دی کہ جب تلک یہ زمین و آسمان برپا ہیں، تمھارا تاج و تخت قائم رہے اور حضور سے رخصت ہو کر خوشی خوشی باہر نکلا اور یہ خوش خبری امراؤں سے کہی۔ سب امیر ہنسی خوشی گھر کو گئے۔ سارے شہر میں آنند ہو گئی۔ رعیت، پرجا مگن ہوئے کہ کل بادشاہ دربارِ عام کرے گا۔ صبح کو سب خانہ زاد، اعلیٰ ادنیٰ اور ارکانِ دولت چھوٹے بڑے، اپنے اپنے پائے اور مرتبے پر آکر کھڑے ہوئے اور منتظر جلوۂ بادشاہی کے تھے۔

جب پہر دن چڑھا، ایک بارگی پردہ اُٹھا اور بادشاہ نے برآمد ہو کر تخت مبارک پر جلوس فرمایا۔ نوبت خانے میں شادیانے بجنے لگے۔ سبھوں نے نذریں مبارک بادی کی گزرانیں اور مُجرے گاہ میں تسلیمات و کورنشات بجالائے۔ موافق قدر و منزلت کے ہر ایک کو سرفرازی ہوئی۔ سب کے دل کو خوشی اور چین ہوا۔ جب دوپہر ہوئی، برخاست ہو کر اندرونِ محل داخل ہوئے۔ خاصہ نوش جان فرما کر خواب گاہ میں آرام کیا۔

اُس دن سے بادشاہ نے یہی مقرر کیا کہ ہمیشہ صبح کو دربار کرنا اور تیسرے پہر کتاب کا شغل یا وِرد وظیفہ پڑھنا اور خدا کی درگاہ میں توبہ استغفار کر کر اپنے مطلب کی دعا مانگنی۔ ایک روز کتاب میں بھی لکھا دیکھا کہ اگر کِسو شخص کو غم یا فکر ایسی لاحق ہو کہ اُس کا علاج تدبیر سے نہ ہو سکے، تو چاہیے کہ تقدیر کے حوالے کرے اور آپ گورستان کی طرف رجوع کرے۔ دُرود طفیل پیغمبر کی روح کے اُن کو بخشے اور اپنے تئیں نیست و نابود سمجھ کر، دل کو اس غفلت دنیاوی سے ہشیار رکھے اور عبرت سے رووے اور خدا کی قدرت کو دیکھے کہ مجھ سے آگے کیسے کیسے صاحبِ ملک و خزانہ اس زمین پر پیدا ہوئے، لیکن آسمان نے سب کو اپنی گردش میں لا کر خاک میں ملا دیا۔ یہ کہاوت ہے:

چلتی چکی دیکھ کر ، دیا کبیرا رو
دو پاٹن کے بیچ آ ، ثابت گیا نہ کو

اب جو دیکھیے، سوائے ایک مٹی کے ڈھیر کے، اُن کا کچھ نشان باقی نہیں رہا اور سب دولت دنیا، گھر بار، آل اولاد، آشنا دوست، نوکر چاکر، ہاتھی گھوڑے چھوڑ کر اکیلے پڑے ہیں۔ یہ سب اُن کے کچھ کام نہ آیا؛ بلکہ اب کوئی نام بھی نہیں جانتا کہ یہ کون تھے اور قبر کے اندر کا احوال معلوم نہیں کہ کیڑے، مکوڑے، چیونٹے، سانپ اُن کو کھا گئے، یا اُن پر کیا بیتی اور خدا سے کیسی بنی۔ یہ باتیں اپنے دل میں سوچ کر، ساری دنیا کو تہ یکھنے کا کھیل جانے، تب اُس کے دل کا غنچہ ہمیشہ شگفتہ رہے گا، کِسو حالت میں پژمردہ نہ ہو گا۔

یہ نصیحت جب کتاب میں مطالعہ کی، بادشاہ کو خردمند وزیر کا کہنا یاد آیا اور دونوں کو مطابق پایا۔ یہ شوق ہوا کہ اس پر عمل کروں؛ لیکن سوار ہو کر اور بھیڑ بھاڑ لے کر بادشاہوں کی طرح سے جانا اور پھرنا، مناسب نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ لباس بدل کر رات کو اکیلے مقبروں میں، یا کسی مردِ خدا گوشہ نشین کی خدمت میں جایا کروں اور شب بیدار رہوں یا شاید ان مردوں کے وسیلے سے دنیا کی مراد اور عاقبت کی نجات میسر ہو۔

یہ بات دل میں مقرر کر کر، ایک روز رات کو موٹے جھوٹے کپڑے پہن کر کچھ روپے اشرفی لے کر چپکے قلعے سے باہر نکلے اور میدان کی راہ لی۔ جاتے جاتے ایک گورستان میں پہنچے۔ نہایت صدقِ دل سے دُرود پڑھ رہے تھے، اور اُس وقت بادِ تند چل رہی تھی، بلکہ آندھی کہا چاہیے۔ ایک بارگی بادشاہ کو دُور سے ایک شعلہ سا نظر آیا کہ مانند صبح کے تارے کے روشن ہے۔ دل میں اپنے خیال کیا کہ اس آندھی اور اندھیرے میں یہ روشنی خالی حکمت سے نہیں۔ یا یہ طلسم ہے کہ اگر پھٹکری اور گندھک کو چراغ میں بتی کے آس پاس چھڑک دیجیے؛ تو کیسی ہی ہوا چلے، چراغ گل نہ ہوگا۔ یا کسو ولی کا چراغ ہے کہ جلتا ہے۔ جو کچھ ہو سو ہو، چل کر دیکھنا چاہیے؛ شاید اس شمع کے نور سے میرے بھی گھر کا چراغ روشن ہو اور دل کی مراد ملے۔

یہ نیت کر کے اُس طرف کو چلے۔ جب نزدیک پہنچے، دیکھا تو چار فقیر بے نوا، کفنیاں گلے میں ڈالے اور سر زانو پر دھرے، عالم بے ہوشی میں خاموش بیٹھے ہیں اور ان کا یہ عالم ہے جیسے کوئی مسافر اپنے ملک اور قوم سے بچھڑ کر، بے کسی اور مفلسی کے رنج و غم میں گرفتار ہو کر حیران رہ جاتا ہے، اسی طرح سے یہ چاروں نقشِ دیوار ہو رہے ہیں۔ اور ایک چراغ پتھر پر دھرا ٹمٹما رہا ہے۔ ہر گز ہوا اس کو نہیں لگتی، گویا فانوس اس کی آسمان بنا ہے کہ بے خطرے جلتا ہے۔

آزاد بخت کو دیکھتے ہی یقین آیا کہ مقرر تیری آرزو، اِن مردانِ خدا کے قدم کی برکت سے بر آوے گی اور تیری اُمید کا سُوکھا درخت ان کی توجہ سے ہرا ہو کر پھلے گا۔ ان کی خدمت میں چل کر اپنا احوال کہ اور مجلس کا شریک ہو؛ شاید تجھ پر رحم کھا کر دعا کریں، جو بے نیاز کے یہاں قبول ہو۔ یہ ارادہ کر کے چاہا کہ قدم آگے دھرے، وہیں عقل نے سمجھایا کہ اے بے وقوف! جلدی نہ کر، ذرا دیکھ لے۔ تجھے کیا معلوم ہے کہ یہ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں اور کیدھر جاتے ہیں! کیا جانیں یہ دیو ہیں یا غولِ بیابانی ہیں کہ آدمی کی صورت بن کر باہم مل بیٹھے ہیں۔ بہ ہر صورت، جلدی کرنا اور ان کے درمیان جا کر مخل ہونا خوب نہیں۔ ابھی ایک گوشے میں چھپ کر حقیقت ان درویشوں کی جاننا چاہیے۔ آخر بادشاہ نے یہی کیا کہ ایک کونے میں اُس مکان کے چپکا جا بیٹھا کہ کِسو کو اُس کے آنے کی آہٹ کی خبر نہ ہوئی۔ اپنا دھیان اُن کی طرف لگایا کہ دیکھیے آپس میں کیا بات چیت کرتے ہیں؟

اتفاقاً ایک فقیر کو چھینک آئی، شکر خدا کا کیا۔ وہ تینوں قلندر اُس کی آواز سے چونک پڑے، چراغ کو اُکسایا۔ دِھیپ تو روشن تھا، اپنے اپنے بستروں پر حقے بھر کر پینے لگے۔ ایک اُن آزادوں میں سے بولا: اے یارانِ ہم درد و رفیقانِ جہاں گرد! ہم چار صورتیں، آسمان کی گردش سے اور لیل و نہار کے انقلاب سے، دربہ در خاک بہ سر، ایک مدت پھریں۔ الحمدُللہ! کہ طالع کی مدد اور قسمت کی یاوری سے آج اس مقام پر باہم ملاقات ہوئی اور کل کا احوال کچھ معلوم نہیں کہ کیا پیش آوے! ایک گت رہیں یا جدا جدا ہو جاویں۔ رات بڑی پہاڑ ہوتی ہے، ابھی سے پڑ رہنا خوب نہیں، اس سے یہ بہتر ہے کہ اپنی اپنی سرگذشت، جو اس دنیا میں جس پر بیتی ہو (بہ شرط یہ کہ جھوٹ اُس میں کوڑی بھر نہ ہو) بیان کرے، تو باتوں میں رات کٹ جائے۔ جب تھوڑی شب باقی رہے، تب لوٹ پوٹ رہیں گے۔ سبھوں نے کہا: یا ہادی! جو کچھ ارشاد ہوتا ہے، ہم نے قبول کیا؟ پہلے آپ ہی اپنا احوال (جو دیکھا ہے) شروع کیجیے تو ہم مستفید ہوں۔

(باغ و بہار)

میر امن دہلوی (۱۷۴۸ء تا ۱۸۰۶ء)

میر امن کا خاندان شہنشاہ ہمایوں کے عہدِ حکومت سے عالم گیر ثانی کے دورِ اقتدار تک منصب داروں میں شامل رہا لیکن جاٹوں، احمد شاہ ابدالی، نادر شاہ درانی نے جب دلی کو تاراج کیا تو ان پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ مجبوراً دلی سے ہجرت کر کے پٹنہ اور پھر کلکتہ پہنچے۔ میر بہادر علی حسینی کے ذریعے جان گل کرسٹ سے جان پہچان بڑھی اور یہیں سے فورٹ ولیم کالج میں ملازم ہو کر ۱۸۰۶ء تک تصنیف و تالیف کا کام سرانجام دیتے رہے۔

فورٹ ولیم کالج میں میر امن نے ہندوستانی شعبے میں خدمات سرانجام دیں کہ فارسی زبان کے معروف قصہ چہار درویش "کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کی ذمے داری سونپی گئی جسے انھوں نے "باغ و بہار" کے نام سے مکمل کیا۔ ترجمہ اتنا عمدہ، رواں اور سلیس تھا کہ کالج انتظامیہ کی طرف سے نقد انعام سے نوازا گیا۔ "باغ و بہار" بنیادی طور پر تو ترجمہ ہے لیکن شہرت اور نام وری کے اعتبار سے اصل کتاب سے بھی آگے نکل گئی ہے۔ ترجمہ اتنا خوب صورت، رواں اور سلیس ہے کہ اس پر طبع زاد کا گماں ہوتا ہے۔ بس میں میر امن نے دلی کی معاشرتی، سماجی اور ثقافتی زندگی کے چلتے پھرتے مرقعے پیش کر دیے ہیں۔ میر امن نے فارسی اور عربی سے گریز کرتے ہوئے ہندی یا ہندوی بلکہ دلی کی زبان کا استعمال کیا۔ "باغ و بہار" کے علاوہ "گنجِ خوبی" بھی میر امن کی تصنیف ہے جس کا اصل متن ملا حسین واعظ کاشفی کی "اخلاقِ محسنی" ہے۔

مشق

درج ذیل کثیر الانتخابی سوالات کے درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) سبق "شروع قصے کا" صنفِ ادب کے لحاظ سے ہے:

الف۔ ڈراما | ب۔ افسانہ | ج۔ داستان | د۔ ناول

(ii) دنیا کی ہر آسائش ہونے کے باوجود بادشاہ کی قسمت کے باغ میں کیا نہیں تھا؟

الف۔ فرزند | ب۔ موسم بہار | ج۔ مال و دولت | د۔ شاہی خزانہ

(iii) بادشاہ آزاد بخت روزہ کھولنے کے وقت کھاتے:

الف۔ خاصہ | ب۔ ایک چھوہارا | ج۔ مرغ مسلم | د۔ بہترین کھانا

(iv) رفتہ رفتہ تمام ملک میں خبر پھیل گئی کہ بادشاہ نے بادشاہت سے ہاتھ کھینچ کر اختیار کر لی ہے:

الف۔ وزارتِ اعلیٰ | ب۔ سالاری | ج۔ گوشہ نشینی | د۔ خاک ساری

(v) بادشاہ آزاد بخت کے وزیر کا نام تھا:

الف۔ عقل مند | ب۔ ذی عقل | ج۔ عالی بخت | د۔ خرد مند

(vi) بادشاہ آزاد بخت ایک رات چپکے سے قلعے سے نکل کر کہاں پہنچے؟

الف۔ ایک محل میں | ب۔ دوسرے شہر میں | ج۔ ایک گورستان میں | د۔ ایک میدان میں

(vii) کتنے فقیر اپنے اپنے سر زانو پہ دھرے، عالمِ بے ہوشی میں خاموش بیٹھے تھے؟

الف۔ تین | ب۔ چار | ج۔ پانچ | د۔ چھے

۲۔ سبق ''شروع قصے کا'' کو فہم کے ساتھ پڑھ کر مصنف کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی درج ذیل سوالات کے جواب دیں:

الف۔ روم ملک کے شہنشاہ کی حکومت کی کیا خوبیاں بتائی گئی ہیں؟

ب۔ بادشاہ آزاد بخت کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کریں۔

ج۔ میر امن دہلوی کی ''باغ و بہار'' داستان کے اس حصے کا کیا مقصد ہے؟ بادشاہ آزاد بخت کے کردار کے حوالے سے وضاحت کریں۔

د۔ میر امن دہلوی نے اس سبق میں داستان گوئی کے اسلوب کو کہاں تک نبھایا ہے؟ (سبق کی تدریس سے قبل استادِ محترم یا استانی صاحبہ کے بتائے گئے نکات کی روشنی میں تبصرہ لکھیں۔)

ہ۔ رفتہ رفتہ بادشاہ کے متعلق کیا خبر پھیل گئی؟

و۔ خردمند وزیر نے بادشاہ کو معاملاتِ سلطنت میں دوبارہ دل چسپی لینے کے لیے کس طرح آمادہ کیا؟

ز۔ بادشاہ نے اپنے لیے صبح اور تیسرے پہر کی کیا مصروفیت تلاش کی؟

ح۔ بادشاہ نے قبرستان میں فقیروں کو کس حالت میں دیکھا؟

ط۔ بادشاہ نے اپنی سواری اور شاہی لباس میں گورستان جانا کیوں پسند نہیں کیا؟

۳۔ درج ذیل دو عبارتیں دی جا رہی ہیں۔ ایک سبق کے آغاز اور دوسری درمیان سے لی گئی ہے۔ دو طلبہ ان عبارتوں کی درست تلفظ کے ساتھ بلند خوانی کریں۔ باقی طلبہ آغاز/درمیان سے لی گئی ان عبارتوں کو سن کر اس سبق کے مرکزی خیال، نکتے یا تصور تک رسائی حاصل کر کے سیاق و سباق کو سمجھیں اور پھر سبق کے موضوع کو اپنے الفاظ میں بیان کریں:

اب آغاز قصے کا کرتا ہوں، ذرا کان دھر کر سنو اور منصفی کرو۔ سیر میں چار درویش کی یوں لکھا ہے اور کہنے والے نے کہا ہے کہ آگے روم کے ملک میں کوئی شہنشاہ تھا کہ نوشیرواں کی سی عدالت اور حاتم کی سی سخاوت اُس کی ذات میں تھی۔ نام اُس کا آزاد بخت اور شہر قسطنطنیہ (جس کو استنبول کہتے ہیں)، اُس کا پائے تخت تھا۔ اُس کے وقت میں رعیت آباد، خزانہ معمور، لشکر مرفہ، غریب غربا آسودہ؛ ایسے چین سے گزران کرتے اور خوشی سے رہتے کہ ہر ایک کے گھر میں دن عید اور رات شب برات تھی۔ اور جتنے چور چکار، جیب کترے، صبح خیزے، اُٹھائی گیرے، دغاباز تھے؛ سب کو نیست و نابود کر کے، نام و نشان اُن کا اپنے ملک بھر میں نہ رکھا تھا۔ ساری رات دروازے گھروں کے بند نہ ہوتے اور دکانیں بازار کی کھلی رہتیں۔ راہی، مسافر جنگل میدان میں سونا اُچھالتے چلے جاتے؟ کوئی نہ یہ پوچھتا کہ تمھارے منھ میں کے دانت ہیں اور کہاں جاتے ہو؟

اگر منصفی فرمایئے اور اس فدوی کی عرض قبول کیجیے، تو بہتر یوں ہے کہ جہاں پناہ ہر دم اور ہر ساعت دھیان اپنا خُدا کی طرف لگا کر دعا مانگا کریں۔ اُس کی درگاہ سے کوئی محروم نہیں رہا۔ دن کو بند و بست ملک کا اور انصاف عدالت غریب غربا کی فرماویں؛ تو بندے خُدا کے دامنِ دولت کے سائے میں امن و امان، خوش گزران رہیں اور رات کو عبادت کیجیے اور دُرود پیمبر کی روحِ پاک کو نیاز کر کر، درویش گوشہ نشین، متوکلوں سے مدد لیجیے اور روز راتب یتیم، اسیر، عیال داروں، محتاجوں اور رانڈ بیواؤں کو کر دیجیے۔ ایسے اچھے کاموں اور نیک نیتوں کی برکت سے، خدا چاہے تو امید قوی ہے کہ

تمھارے دل کے مقصد اور مطلب سب پورے ہوں اور جس واسطے مزاج عالی مکدر ہو رہا ہے، وہ آرزو بر آوے اور خوشی خاطرِ شریف کو ہو جاوے۔ پروردگار کی عنایت پر نظر رکھیے کہ وہ ایک دم میں جو چاہتا ہے، سو کرتا ہے۔ بارے خردمند وزیر کی ایسی ایسی عرض معروض کرنے سے آزاد بخت کے دل کو ڈھارس بندھی، فرمایا: اچھا! تُو جو کہتا ہے، بھلا یہ بھی کر دیکھیں! آگے جو اللہ کی مرضی ہے، سو ہو گا۔

٭مدرج ذیل میں ایک افسانوی اور ایک غیر افسانوی انتخاب دیا جا رہا ہے، آپ انھیں پڑھ کر ان میں موجود معلومات اخذ کرتے ہوئے روزمرہ گفت گو میں استعمال کریں:

''سیرت النبی ﷺ'' سے اقتباس (غیر افسانوی انتخاب)

آپ ﷺ نہایت نرم مزاج، خوش اخلاق اور نیک سیرت تھے۔ آپ ﷺ کا چہرہ ہنستا تھا، وقار و متانت سے گفتگو فرماتے تھے، کسی کی خاطر شکنی نہیں کرتے تھے۔ مجالسِ صحبت میں لوگوں کی ناگوار باتوں کو برداشت فرماتے اور اِس کا اظہار نہ کرتے، حضرت زینب ؓ سے جب نکاح ہوا اور دعوتِ ولیمہ کی تو کچھ لوگ کھانا کھا کر وہیں بیٹھے رہے۔ اس وقت پردے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور حضرت زینب ؓ بھی مجلس میں شریک تھیں۔ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ لوگ اٹھ جائیں لیکن زبان سے کچھ نہیں فرماتے تھے۔ لوگوں نے کچھ خیال نہ کیا۔ آپ ﷺ اٹھ کر حضرت عائشہ ؓ کے حُجرے تک گئے، واپس آئے تو اسی طرح مجمع موجود تھا، پھر واپس چلے گئے اور دوبارہ تشریف لائے، پردے کی آیت اِسی موقعے پر اتری۔

حجۃ الوداع میں آں حضرت ﷺ صدقات کا مال تقسیم فرما رہے تھے کہ دو صاحب آکر شامل ہوئے۔ آپ ﷺ نے اُن کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا تو وہ تنومند اور ہاتھ پاؤں کے دُرست معلوم ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں اِس میں سے دے سکتا ہوں لیکن غنی اور تن دُرست، کام کرنے کے لائق لوگوں کا اِس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

اشفاق احمد کے افسانے ''محسن محلہ'' سے اقتباس (افسانوی انتخاب)

سردیوں کی ایک شام مالک مکان نے ماسٹر الیاس کو بڑے سخت الفاظ میں ڈانٹا اور دھمکی دی کہ اگر اس نے تین دن کے اندر اندر گذشتہ چھے ماہ کا کرایہ ایک ساتھ ادا نہ کیا تو وہ اس کا سامان نکال کر باہر پھینک دے گا۔ ماسٹر جی کی خوف کے مارے گھگھی بندھ گئی۔ کیوں کہ ان کے پاس ایک سو اسی روپے یک مُشت موجود نہیں تھے۔ صرف چالیس روپے تھے، جن کے ساتھ دس کا ایک نوٹ اور پرو کر انھوں نے پچاس بنا لیے تھے۔ پہلے تو مالک مکان پچیس، تیس، چالیس، پچاس لے کر آگے کی تاریخ دے دیا کرتا تھا۔ لیکن اس مرتبہ وہ تڑنگ ہو گیا اور اس نے دھاگے میں پروئے ہوئے پچاس روپے اصیل مرغے کے آگے پھینک کر کہا: ''جا اوئے! میں نہیں لیتا۔ مجھے پورے ایک سو اسی کر کے دے۔''

جب وہ یہ کہ کر چلا گیا تو ماسٹر الیاس نے پچاس روپے فرش پر سے اٹھا کر اپنی واسکٹ کی جیب میں ڈال لیے۔ پھر وہ اپنی کوٹھڑی کے اندر جا کر چارپائی پر بیٹھ گئے۔ چوں کہ وہ اظہار کے معاملے میں کم زور تھے اس لیے ان کو رونا بھی نہیں آتا تھا۔ دکھی سے ہو کر بیٹھ گئے اور شدید غم کے باعث ان کی گھگھی بندھ گئی اور یہ پہلا موقع تھا کہ روئے بغیر کسی شخص کی گھگھی بندھی ہو!

وعدے کے مطابق مالک مکان نے ان کا سامان اٹھا کر باہر پھینک دیا۔ ماسٹر صاحب کی چارپائی ٹرانسفار مر والے دو کھمبوں کے پیچھے لگا دی اور ان کا باقی سامان اس کے ارد گرد چُن دیا۔ اس نے کوٹھڑی کو نیا چینی تالا لگایا اور اسکوٹر پر سوار ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔ اِس کا گھر اس محلے سے کافی دُور تھا اور وہ اپنی کوٹھڑیوں کا کرایہ وصول کرنے ماہ بہ ماہ آیا کرتا تھا۔

مختلف نثری اصنافِ ادب:

i۔ کہانی:

کہانی کا مطلب ہے کسی واقعے، حکایت یا قصے کو دلچسپ انداز میں اس طرح بیان کرنا کہ پڑھنے والا اس سے ذہنی اور قلبی تعلق اور فرحت محسوس کرے اور اس کا انجام یا نتیجہ معلوم کرنے کے لیے ایک ہی نشست میں اسے پڑھ ڈالے۔ کہانی لکھنا باقاعدہ ایک فن ہے۔ اس میں انشاپردازی کی مشق کے ساتھ ساتھ خیال کی قوت کو استعمال میں لانا ضروری ہوتا ہے۔ طبع زاد کہانی سے مراد خود سے سوچی ہوئی کہانی جو دوسری کہانیوں سے مختلف ہو۔ اس کے علاوہ ایک لوک کہانی بھی ہوتی ہے۔ ہر علاقے کی اپنی لوک کہانیاں ہوتی ہیں جو کہ اپنی تہذیب و تمدن کی علم بردار ہی نہیں بلکہ ایک قیمتی سرمایہ بھی ہوتی ہیں۔ ایسے مخصوص علاقے کی نمائندگی کرنے والی کہانیوں کا کوئی مصنف نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک نسل سے دوسری نسل تک سینہ بہ سینہ چلتی ہیں۔ ان لوک کہانیوں کے ذریعے آئندہ نسلوں کی ذہنی، فکری تربیت کا سامان کیا جاتا ہے۔ ان میں امن، اخلاص، حب الوطنی، اخوت، ایثار اور بہادری جیسی صفات اجاگر کی جاتی ہیں۔ لوک کہانی پر اپنے علاقے کے سماجی، معاشی، اخلاقی اور سیاسی عوامل اثرانداز ہوتے ہیں۔

الغرض ''کہانی'' سننے اور سنانے کا رواج قدیم زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ ہم میں سے اکثر نے بچپن کے دنوں اپنے گھر کے بوڑھے، بوڑھیوں سے کوئی نہ کوئی ضرور سنی ہوگی۔ بعض کہانیاں دل چسپ ہونے کے ساتھ ساتھ سبق آموز بھی ہوتی ہیں۔ کہانی لکھنے کے لیے عموماً کوئی واقعہ ہوتا ہے۔ کہانی کا کوئی نہ کوئی اخلاقی نتیجہ ہوتا ہے۔

ii۔ داستان

''داستان'' اصنافِ نثر کی وہ طویل صنف ہے جس میں مافوق الفطرت عناصر اور دوسرے لوازمات کی مدد سے قصہ در قصہ یا داستان در داستان کہانی بیان کی جاتی ہے۔ داستان کی بنیاد تخیل، رومان اور مافوق الفطرت عناصر پر ہوتی ہے۔ فی زمانہ داستان گوئی کی روایت تقریباً ناپید ہو چکی ہے۔ داستان کے اجزائے ترکیبی اور خصوصیات میں پلاٹ، تخیل اور رُومان، مافوق الفطرت عناصر، مثالی کردار، حیرت انگیز اور غیر معمولی واقعات، اخلاق آموزی، تہذیب و معاشرت کی عکاسی وغیرہ اہم ہیں۔

عام طور پر ملا وجہی کی لکھی ہوئی ''سب رس'' کو اردو داستانوں کے سلسلے کی پہلی کڑی قرار دیا جاتا ہے تاہم کچھ لوگ میر حسین عطا حسین کی ''نو طرزِ مرصع'' کو اردو کی پہلی باقاعدہ داستان کہتے ہیں۔ آج اگرچہ داستان گوئی معدوم ہو چکی ہے لیکن اردو ناول اور افسانے کے ارتقائی تسلسل کے حوالے سے اردو داستان اولین سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

iii۔ ناول

ناول (novel) اطالوی زبان کا لفظ ہے جس کے معانی ہیں: انوکھا، نرالا اور عجیب۔ ناول سے مراد ایسی طویل کہانی ہے جس میں انسانی زندگی کے معمولی واقعات اور روزانہ پیش آنے والے معاملات کو ایک خاص سلیقے قرینے کے ساتھ اس طرح بیان کیا جائے کہ پڑھنے والے کی اس میں دل چسپی پیدا ہو۔ یہ دل چسپی پلاٹ، منظر نگاری، کردار نگاری اور مکالمہ نگاری سے پیدا کی جاتی ہے۔ ناول اس نثری قصے کو کہتے ہیں جس میں کسی خاص نقطۂ نظر کے تحت زندگی کی حقیقی اور واقعاتی عکاسی کی گئی ہو گویا حقیقت نگاری کو ناول کے لیے بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ناول کا مرکزی کردار اس کا ہیرو ہوتا

ہے۔واقعات میں ایک تسلسل موجود ہوتا ہے۔ حقیقت نگاری اور صداقت بیانی اس کا خاصہ ہے۔اس کا موضوع انسانی زندگی ہوتا ہے۔یعنی انسانی زندگی کے حالات وواقعات اور معاملات کو انتہائی گہرے اور مکمل مشاہدے کے بعد کہانی کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔

ناول کے اجزا: کہانی، پلاٹ، کردار، مکالمے، زبان وبیان، منظر نگاری

موضوع، کہانی، واقعات اور کرداروں کے لحاظ سے ناول کی مختلف اقسام ہوتی ہیں جن میں تاریخی ناول، جاسوسی ناول، سیاسی ناول، اصلاحی ناول، سائنسی ناول، معاشرتی ناول اور نفسیاتی ناول اہم سمجھے جاتے ہیں۔ڈپٹی نذیر احمد کو اردو کا پہلا ناول نگار قرار دیا جاتا ہے۔اُن کے لکھے ہوئے ''مرآۃ العروس'' کو اردو پہلا ناول ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

iv۔افسانہ:

افسانے کو جدید سائنسی، مشینی اور صنعتی دور کی پیداوار صنف ادب کہا جاتا ہے۔آج کے مصروف انسان کے پاس اتنا وقت ہے ہی کہاں کہ وہ بھاری بھر کم داستانیں اور ناول پڑھنے بیٹھ جائے۔اس لیے انسان نے تھوڑے وقت میں ذہنی تسکین و تفریح کا سامان کرنے کے لیے صنفِ ادب افسانے کو فروغ دیا۔ لغت میں افسانہ ایک فرضی کہانی کو کہتے ہیں۔ادبی اصطلاح میں یہ ایک ایسی مختصر فکری کہانی ہوتی ہے جو زندگی کا ایک جزو پیش کرتی ہے۔افسانہ: اختصار اور وحدت تاثر کی حامل بھی ایک کہانی ہوتی ہے۔افسانہ یا مختصر افسانہ کم سے کم آدھے گھنٹے میں ایک ہی نشست میں پڑھا جانے والا ایسا قصہ ہوتا ہے جس میں کسی ایک واقعے یا زندگی کے کسی ایک پہلو یا ایک کردار، ایک تجربے یا ایک تاثر کو اختصار اور دلچسپی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

افسانے کے اجزائے ترکیبی میں: پلاٹ، کردار، نقطہ نظر یا مرکزی خیال، مکالمہ، آغاز واختتام اور اسلوب بیان، وحدت تاثر، اختصار، موضوع پر گرفت اور مقصدیت شامل ہیں۔علامہ راشد الخیری اور منشی پریم چند کو اردو کے اولین افسانہ نگار قرار دیا جاتا ہے۔

v۔ڈراما

ڈراما یونانی زبان کے لفظ ڈراؤ(drao) سے مشتق ہے۔جس کے معنی ہیں عمل یا کر کے دکھانا۔ڈرامے کی ابتدا بھی یونان سے ہوئی۔ برِصغیر میں بھی قدیم زمانوں سے ڈرامے کا سراغ ملتا ہے۔راجا بکرماجیت کے عہد کا لکھا ہوا ڈراما ''شکنتلا'' دنیا بھر میں بڑی شہرت رکھتا ہے۔قدیم زمانے میں لوگ اپنے دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے ڈراما کھیلا کرتے تھے۔ مگر بعد میں ترقی کر کے فن کی منزل تک پہنچ گیا۔ بعض ماہرین فن نے اردو ڈرامے کی باقاعدہ ابتدا کو نواب واجد علی شاہ کے عہد سے جوڑا ہے۔انھی کے عہد میں امانت لکھنوی کے لکھے ہوئے ''اِندر سبھا'' کو اردو کا پہلا ڈراما قرار دیا جاتا ہے۔

ڈرامے کی دو مشہور اقسام ہیں۔

ا۔ طربیہ ڈراما: وہ ڈراما جس میں ہنسی اور مزاح کے ذریعے سماج کی کمزوریوں سے پردہ اٹھایا جائے۔

المیہ ڈراما: وہ ڈراما جس میں پیش آنے والے واقعات اندوہ ناک ہوں اور اس کا انجام المیہ ہو۔

ڈراما عمل (حرکت) اور الفاظ (مکالمے) کے ذریعے پیش کی جانے والی کہانی کو کہتے ہیں۔انسانی زندگی کی عملی تصویر ہونے کے باعث، انسانی معاشرے اور زندگی کا کوئی بھی پہلو یا زاویہ ڈرامے کا موضوع ہو سکتا ہے۔ڈرامے کے اجزائے ترکیبی: پلاٹ، کردار نگاری، ارتقائی عمل، کش مکش، مکالمے، اسٹیج، حرکات وسکنات، اختتامی عمل

vi۔ادبی اسلوب

ادبی اسلوب اس وقت تشکیل پاتا ہے جب کوئی مصنف یا شاعر اپنے خیالات کے اظہار کے لیے موزوں زبان پالیتا ہے۔ خیال، سوچ، اور تصور سب کچھ الفاظ کی صورت میں ڈھل کر ایسی صورت اختیار کر جاتے ہیں کہ زبان اور الفاظ کے بغیر اپنے آپ کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔اسلوب بنیادی طور پر اپنے خیالات اور احساسات کو اظہار کے ذریعے دوسروں تک پہنچانے کا ایک وسیلہ ہے۔ابلاغ،اسلوب کی بنیادی صفت ہے۔ادبی اسلوب میں لکھنے والے کی شخصیت، کردار،اس کے نقطہ نظر اور نظریات کا بہت زیادہ عمل دخل ہوتا ہے۔اسلوب کی بنیادی طور پر دو اقسام ہیں: نثری، شعری۔

۵۔گذشتہ جماعتوں کی نصابی کتاب میں پڑھی گئی مختلف نثری اصناف ادب ''چغل خور''(کہانی۔جماعت دہم)،دہلیز (ڈراما۔گیارھویں جماعت) جب کہ محشر(افسانہ)، کئی چاند تھے سرِ آسماں (ناول)، شروع قصے کا(داستان) کے شاملِ نصاب حصے پڑھ کر ان کے ادبی اسلوب میں امتیاز کریں۔

۶۔درج بالا اصنافِ ادب کی عبارتوں کو پڑھ کر ان میں درج معلومات اور تصورات کی پیش کش پر تبصرہ کرتے ہوئے قارئین پر ان کے اثرات کا تجزیہ کریں۔جہاں مشکل پیش آئے اپنے استادِ محترم/استانی صاحبہ سے رہ نمائی حاصل کریں۔

۷۔شاملِ نصاب ڈراما''رستم وسہراب''(آغاحشر کاشمیری)اور افسانہ ''ماں جی''(قدرت اللہ شہاب) کا مطالعہ آپ نے کیا ہے۔ان دونوں اصنافِ ادب کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے تبصرہ و تجزیہ کریں۔(اصناف، موضوعات، پیش کش،ادبی محاسن، مصنف کا نقطۂ نظر،زبان وبیان کا انتخاب،اور قارئین پر اثرات کے لحاظ سے)

۸۔عالمی ثقافتی، معاشرتی، معاشی،اور سماجی رابطوں کے لیے کالج لائبریری سے عوامی جمہوریہ چین اور ترکی کے منتخب افسانوں کے تراجم پر مشتمل مجموعے جاری کرا کے انھیں پڑھیں اور اُن سے متعلقہ معاشروں کی سماجی، تہذیبی،اخلاقی حوالوں سے مختلف معلومات حاصل کریں۔

تراکیب لفظی:

دنیا کی تمام زبانوں کے ادب میں پہلے حرف سے لفظ اور پھر لفظ سے مختلف اصناف ادب کی تخلیق کا ایک طویل اور وقیع سلسلہ شروع ہوا۔ادب کا یہ دھارا اپنی تمام ترجولانی کے ساتھ آج بھی بہے چلا جارہا ہے۔انسانی معاشرے نے اپنے تنوع کے زیر اثر اپنی زبان اور اس کے مخصوص ذخیرۂ الفاظ کو بھی فروغ دیا۔دنیا میں بولی جانے والی ہر زبان کا اپنا لب ولہجہ ،لفظیات،اسلوب اور جداگانہ رنگ وآہنگ ہے۔اردو زبان نے بھی اپنے جنم سے لے کر آج تک اپنے ارتقا کی مختلف منزلیں اور مدارج طے کیے ہیں۔اپنے ذخیرۂ الفاظ کی بہ دولت اُردو آج دنیا کی بڑی زبانوں میں شمار ہوتی ہے۔

دو یا دو سے زائد الفاظ مل کر جو آمیختہ بناتے ہیں اور جو نئے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اُسے ترکیب لفظی کہا جاتا ہے۔گویا لفظی ترکیب کو ہم دو یا دو سے زائد الفاظ کا جوڑا کہہ سکتے ہیں جو تشکیل پانے کے بعد نئے معانی دے۔ جیسے اہل اور جُنوں دو لفظ ہیں تو ان سے نئی لفظی ترکیب تشکیل پائے گی اہلِ جُنوں۔سایۂ دیوار، عہدِ وفا،اقوامِ مغرب،سایہ دار درخت، بھیگی شام، گرم دن،مال و دولت، صبح وشام وغیرہ

اردو زبان نے اپنی لفظیات، لہجے اور دیگر لسانی نزاکتوں کے لیے زیادہ تر فارسی اور عربی زبان سے فیض اٹھایا ہے اس لیے ترکیب سازی کے بیشتر طریقے بھی فارسی ہی سے مستعار ہیں۔ترکیب سازی کے حوالے سے ماہرین فن نے یہ اصول وضع کیا ہے کہ فارسی اور عربی کے اصل الفاظ ہی باہم ترکیب میں آسکتے ہیں۔تاہم بعض صورتوں میں ایک لفظ عربی زبان اور دوسرا فارسی زبان کا لے آئیں یا ان زبانوں کے الفاظ کے ساتھ ہندی یا کسی اور زبان کا لفظ ملا کر لفظی ترکیب بنالی جائے۔عابد علی عابد نے اپنی تصنیف ''البیان'' کے صفحہ نمبر ۰ا پر لکھا ہے کہ مختلف لفظی تراکیب کا اظہار، مطالب میں

معاون ہوتا ہے کیوں کہ دو با معنی لفظ مل کر ایک نئی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ جس طرح علم کیمیا میں مختلف اجزا مل کر ایک نئی چیز بنا دیتے ہیں اسی طرح الگ الگ معانی کے حامل دو لفظ ملنے سے تراکیب کے دونوں اجزا ایک نیا مفہوم حاصل کر لیتے ہیں۔ چناں چہ جس مفہوم کو الگ الگ الفاظ کے ذریعے ادا نہیں کیا جا سکتا وہ مرکبات کے ذریعے بہ حُسن و خوبی قاری کے ذہن تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔

۹۔ اس سبق میں استعمال ہونے والی تراکیب لفظی کی شناخت کریں اور ان کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اپنی تحریر میں استعمال کریں۔

سرگرمی

درج ذیل میں سے کسی ایک پر برقی تحریر (ای میل) تشکیل دیں:

الف۔ پرنسپل کے نام، تفریحی دورے کی اجازت کے لیے درخواست

ب۔ دوست کے نام اپنی سال گرہ میں شرکت کے لیے ایک دعوت نامہ (غیر رسمی خط)

ج۔ اپنے چچازاد کو ڈاکٹر بننے پر تہنیت نامہ

۷ بہادر خان کی سرگزشت

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- مختلف نثری اصنافِ ادب (کہانی، داستان، افسانہ، ڈراما اور ناول) پڑھ کر ان کے ادبی اسلوب میں امتیاز کر سکیں۔
- کسی بات، پیغام، کلام، نشریات، کہانی، کالمے کو سن کر اس کے حسن وقبح کا جائزہ لیتے ہوئے دہرا سکیں
- کسی بھی رسمی وغیر رسمی تحریر (کالم، خبر، رپورٹ، تبصرہ، تذکرہ، تجزیہ وغیرہ) کی جزئیات کو سمجھتے ہوئے اس پر تنقید و تبصرہ کر سکیں۔
- منتخب اقتباسات کی تلخیص نویسی کر سکیں۔
- عالمی، ثقافتوں، معاشرتی، معاشی و سماجی رابطوں کے لیے مختلف تحاریر کو پڑھ سکیں اور ان سے معلومات حاصل کر سکیں۔
- ذو معانی الفاظ/جملوں/فقروں کا تحریر و تقریر میں استعمال کر سکیں۔
- سابقوں اور لاحقوں کا تحریر میں استعمال کر سکیں۔

خاص الفاظ					
	خوشوں	مُبادا	ڈھوم دھام	حَرِیص	مزارِعت
	والہانہ	ملفوف	دھان	شب بسری	سرگزشت

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ میں یہ شعور پیدا کریں کہ لوک ادب کیا ہوتا ہے اور لوک داستانیں کیسے زبانی روایات سے سینہ بہ سینہ اگلی نسلوں تک پہنچتی رہی ہیں۔ طلبہ کو سمجھائیں کہ لوک کہانیوں میں کس طرح لوک ثقافت اور قبائلی سماج کی عکاسی ہوتی ہے۔
- کہانی کو اپنے پورے تاثر کے ساتھ پڑھنے کی تربیت بہم پہنچائیں۔ طلبہ سے ان کی اپنی زبان میں کہانی لکھنے کے لیے کہیں۔

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

اپنے والدین یا دادا، دادی، نانا نانی سے سنی ہوئی کوئی کہانی سنائیں۔

پڑھیں

بہادر خان ایک کھاتا پیتا کسان تھا۔ بارش نہ ہونے کی صورت میں بھی وہ کاریز کے پانی کی مدد سے اپنے کھیتوں میں اتنی سیرابی کر لیتا تھا کہ نہ صرف اپنے لیے سال بھر کے غلّے کا خرچ پورا کر لیتا بلکہ اپنے ہمسایوں اور غریب غربا کی مدد بھی کر دیتا۔ جب کاریزوں میں پانی تھوڑا ہوتا تو بھی اس کو کسی دوسرے زمین دار کی مزارعت نہ کرنا پڑتی تھی، اس کی اس معاشی آزادی کی وجہ سے اس میں کافی خودداری تھی اور اس کی بانٹ چونٹ کر کھانے کی عادت نے ارد گرد میں اسے کافی نیک نامی دے رکھی تھی۔ لہٰذا اِس کی شادی نہایت آسانی اور دھوم دھام سے ہوئی۔ شادی سے پہلے وہ اپنے کھیتوں اور فصلوں کی پرورش میں بے حد پیش بینی اور محنت کرتا تھا۔ گندم کے خوشوں کے لیے وہ ایک حریص باپ سے کم نہ تھا، ان کے لیے دعا مانگتا تھا اور انھیں جانتا تھا، اور جب سبز خوشے اناج سے بھر کر سنہرے ہو جاتے تھے اور اپنے سر جھکا لیتے تھے تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہتی تھی۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا، اناج سے بھرے ان خوشوں کو اپنے وجود کا احساس ہے۔ یہ اپنے مالک کو

جانتے اور پہچانتے ہیں۔ان میں زندگی کی مسرتیں اور قہقہے ملفوف ہیں اور جوان سے پیار کرتا ہے یہ اس کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں اور ایک ایک کی جگہ دو دو پھوٹتے ہیں۔

شادی کے بعد اس کے معمول میں تھوڑا سا فرق آنا لازمی تھا، شادی سے پہلے وہ پسند نہ کرتا تھا کہ کوئی اور اس کے کھیتوں کے ان خوشوں کو چھو بھی لے۔ان کے لیے اس کی محبت خود غرض، والہانہ اور حاسدانہ تھی۔ لیکن جب شادی ہوگئی تو وہ سوچنے لگا۔ ہر انسان کے دل میں محبت کی ایک قدرتی اور دائمی کاریز موجزن ہے اور وہ اس سے دنیا کی ہر چیز اور اپنی ہر مقبوضہ شے کو سیراب کرتا رہتا ہے۔اسے اپنے مکان سے محبت ہے، اپنے بیلوں سے محبت ہے، اپنے سے محبت ہے، سبز خوشوں سے محبت ہے، لیکن اس محبت کی انتہا اس وقت ہوتی ہے جب ایک عورت اس کی زندگی میں داخل ہوتی ہے اور وہ اسے چاہتا ہے لہٰذا جب اس کی محبت کا بیشتر حصہ اس کی بیوی پر خرچ ہونے لگا تو وہ بادل ناخواستہ اس بات پر تیار ہو گیا کہ بونے کاٹنے کے لیے ایک نوکر رکھ لے۔ یہ نوکر بھی اسے اس کی منشا کے مطابق مل گیا۔ وہ ہر وقت کھیتوں سے فالتو گھاس، کائی وغیرہ صاف کرتا، وقت پر پانی دیتا، بیلوں کو چارہ ڈالتا اور فصلوں کی خاطر تواضع میں لگا رہتا تھا۔ بس تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد وہ حقے کے چار کش لگاتا تھا، یہی اس کی عیاشی تھی اور پھر جن کی طرح کام کرتا تھا۔ خدا کے فضل سے ان دنوں بارش خوب ہوئی اور بہادر خان کے بنجر کھیت بھی پانی سے بھر گئے۔ نوکر نے ان کھیتوں میں بھی گندم بو دی جو چند ماہ بعد پک کر تیار ہو گئی۔ بہادر خان نے جب پوری گندم کو کٹوایا اور خاردار جھاڑیوں کے پاس جوھان (کھلیان) لگوا دیا تو گاؤں کے سب لوگ، راہ گیر اور ارد گرد کے زمین دار دیکھنے آتے اور اسے کہتے: ''بہادر خان! تو بہت اونچے ستارے والا ہے، تیری بیوی سونے پر سہاگا ہے اور تیرا نوکر بھی اچھے شگون والا ہے۔''

وہ خود اس وسیع انبار کو آنکھ بھر کر دیکھتا تو سر سے پیر تک ایک خاموش قہقہہ بن جاتا لیکن کچھ خوف، کچھ نامعلوم ڈر، کچھ بے نام سے شکوک اس کے دل و دماغ میں رینگتے! وہ سوچتا جب غریب آدمی باسی ٹکڑوں کو ترستا ہے تو وہ کسی کے لیے خطرہ نہیں ہوتا لیکن جونھی اسے دو وقت کی روٹی میسر آنے لگتی ہے وہ خطرہ بن جاتا ہے اور جب اس کا گھر بھر جائے تو پھر زمین اور آسمان کی ساری طاقتیں اس کے درپے ہو جاتی ہیں اور وہ آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر کہتا:

''خدایا! یہ سب تیری دین ہے۔''

چناں چہ اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ وہ خود بھی نوکر کے ہمراہ جوھان کے پاس ٹھہرا کرے گا۔ مبادا نوکر کی نیت خراب ہو جائے یا قزاق ہی اسے لوٹ لیں۔ بیوی نے اس سے اتفاق کیا۔ بہادر خان اور نوکر وہیں رہنے لگے، بیوی ہر صبح اور شام ان کا کھانا وہاں دے آتی۔ اسی طرح کئی روز گزر گئے حتیٰ کہ ایک شام جب اس کی بیوی آندھی چلنے کی وجہ سے کھانا وقت سے پہلے دے کر جا چکی تھی اس کا ایک دور کا سیال وہیں کھیت میں اس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اس کے چچازاد بھائی لشکران کی شادی تھی جس پر وہ بلاوا لے کر آیا ہے۔ بہادر خان نے سوچا کہ ایسے مواقع بار بار تھوڑا ہی آتے ہیں، چناں چہ اس نے اس بلاوے پر جانا منظور کر لیا۔ اس کی جیب میں سو روپیا تھا جو شادی کے لیے کافی تھا، اس نے نوکر کو سمجھا دیا کہ وہ انبار کی حفاظت کرتا رہے اور اس کے جانے کی بابت کسی سے ذکر نہ کرے مبادا چور اچکے اسے تنہا سمجھ کر، اس پر پِل نہ پڑیں اور گھر سے جو روٹی آئے وہ کھا لیا کرے۔ اس کے بعد بہادر خان اپنے سیال کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ نوکر ایک زبردست چلم کش تھا اور خصوصاً فرصت کے اوقات میں تو وہ اپنے حقے سے ایک لمحہ بھی جدا نہ ہوتا تھا، اس نے ادھر ادھر سے خس و خاشاک جمع کر کے آگ جلائی مگر وہ کافی فاصلے پر جھاڑیوں کے وسط میں بیٹھا تھا، تاہم ایک غضب ناک بگولے نے اس آگ کے کچھ انگارے اٹھا کر جوھان میں پھینک دیے۔ جوھان کو آناً فاناً آگ لگ گئی تو نوکر گندم کو بچانے کے لیے دوڑا لیکن وہ خود بھی اس کی بل کھاتی ہوئی لپٹوں کی نذر ہو گیا۔ اگلی صبح بہادر خان کی بیوی روٹی لے کر جو آئی تو اس نے دیکھا کہ بہادر خان جوھان سمیت جل گیا تھا۔ وہ روتی پیٹتی واپس آگئی اور اپنے سیالوں کو بتایا۔ وہ جلے ہوئے نوکر کو بہادر خان سمجھ کر کھاٹ پر اٹھا کر لے گئے اور ایک قبرستان میں دفن کر آئے۔

کچھ دن بعد بہادر خان اپنی سیال داریوں سے خلاصی پا کر اپنے گھر کو واپس ہوا۔ وہ نیم شب کے قریب پہنچا اور یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ اس کی بیوی ماتم کر رہی ہے اور رو رہی ہے۔ بیوی نے اسے دیکھ لیا اور سمجھی کہ اس کا شوہر مُردوں سے زندہ ہو کر واپس آیا ہے تاکہ اسے بھی اپنے ساتھ لے جائے۔ پس اس نے ایک چیخ ماری۔ اور سارے تومان (قبیلہ) کو بتانے کے لیے باہر بھاگی۔ ہر شخص پہاڑوں میں چھپ گیا۔ ان کو اپنی زندگی کا کھٹکا پڑ گیا۔ بہت سوں نے اپنے کندھوں پر اپنی اپنی بندوق رکھ لی۔ کچھ نے بغلوں میں تلواریں لٹکالیں اور سینوں پہ ڈھال جما لیے اور بہت سوں نے ڈنڈے سنبھال لیے اور جوانو! پکڑلو! جانے نہ پائے، کہ کر بے چارے بہادر خان کا تعاقب کرنے لگے۔ بہادر خان چار و ناچار بھوکا اور پیاسا ایک قبرستان میں شب بسری کے لیے چھپ گیا اور تارے گن گن کر انتظار کرنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آخر لوگوں نے اسے کون سمجھا۔ شاید اس لیے کہ وہ رات کے وقت اپنے گاؤں آیا تھا۔ یقین تھا کہ اس کے لوگ صبح کو اسے پہچان لیں گے۔ اسی امید پر اس نے رات مُردوں کے قریب گزار دی۔ صبح صبح وہ زور کی بھوک کے مارے اپنے محلے میں پھر داخل ہوا۔ اس نے دیکھا کہ مسجد میں مُلّا اذان کہنے کے لیے اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھائے ہوئے تھا۔ بہادر خان نے کہا: "اے ملا! میں بھوکا ہوں۔" ملانے اپنا منھ اس کی طرف موڑا اور بہادر خان کو دیکھ کر اتنا خوف زدہ ہو گیا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا اور زمین پر لوٹ لوٹ کر مر گیا۔ لوگ بھی دیکھ کر اپنے اپنے گھروں میں چھپ گئے۔ بہادر خان کو بہ ایں سبب پھر قبرستان میں لوٹنا پڑا۔ تھوڑے عرصے بعد لوگ ملا کو قبرستان لائے اور اسے دفن کر دیا۔ ان کے پاس آپس میں تقسیم کرنے کے لیے کھجوریں تھیں۔ ملا کے باپ نے پوچھا کہ انھیں کتنے آدمیوں میں تقسیم کرنا ہے؟ کسی نے جواب دیا: سو آدمیوں میں، عین اس وقت بہادر خان نے بھوک سے بے تاب ہو کر ایک قبر کے عقب سے نعرہ لگایا۔ سو آدمیوں کو دے دو لیکن پہلے میرا حصہ دو بہادر خان کی آواز سن کر لوگوں نے کھجوریں اور کھاٹ تو وہیں چھوڑے۔ بلکہ بہت سوں کی جوتیاں بھی وہیں رہ گئیں اور وہ سر توڑ بھاگے۔ کچھ چیختے چلاتے پہاڑوں میں چھپ گئے اور کچھ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگتے جاتے تھے اور پیچھے دیکھتے جاتے تھے۔ بہادر خان کے خوف کی وجہ سے وہ گھروں میں پہنچ گئے اور توبہ کی کہ وہ اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلیں گے۔ بہادر خان نے سب لوگوں کو بھاگتے دیکھ کر مونچھوں کو تاؤ دیا اور کھجوریں کھانے لگا۔ اس نے دل میں کہا: "میرے خدا! میں نے کیا گناہ کیا ہے؟ میرے گاؤں کے لوگ مجھے مُردہ سمجھتے ہیں اور مجھ سے روپوشی اختیار کرتے ہیں۔ میری بیوی میرے سائے سے بھی گریز کرتی ہے۔"

آدھی رات کے قریب جبکہ بہادر خان ایک قبر کے عقب میں بیٹھا قسمت کو کوستے اونگھ رہا تھا۔ ایک سیاہ پوش خوفناک انسان قبرستان میں داخل ہوا اور سیدھا ملا کی قبر پر آکر کھڑا ہو گیا۔ وہاں کھڑے ہو کر اس نے کچھ پڑھا۔ قبر شق ہو گئی اور ملا کی لاش گھٹنوں تک باہر آ گئی۔ بہادر خان سمجھ گیا۔ یہ کوئی جاذوگر ہے جو تازہ لاشوں پر اپنے جادو کے تجربے کرتا ہے۔ چناں چہ اس نے سوچا کہ وہ جادوگر کو پکڑ کر اس سے جادو سیکھ لے اس خیال سے وہ مکڑے مکڑے (چپکے چپکے) جادوگر کے پیچھے آیا اور پھر یک بارگی لپک کر اس نے اسے قابو کر لیا۔ جاذوگر چلایا: مجھے چھوڑ دو۔ بہادر خان نے کہا: مجھے اپنا عجیب و غریب سحر سکھاؤ تو چھوڑوں گا۔ جادوگر نے کہا: مجھے چھوڑ دو تو میں سکھادوں گا۔ آخر بہادر خان نے لیت و لعل کے بعد اسے چھوڑ دیا۔ جادوگر نے فوراً کوئی منتر پھونکا، بہادر خان جدھر بھی جائے ملا بھی اس کے پیچھے ادھر ہی جائے۔ جادوگر تو اس کے بعد غائب ہو گیا لیکن ملا سائے کی طرح بہادر خان کے ساتھ وابستہ ہو گیا۔ وہ جدھر جاتا ملا بھی اس کے پیچھے پیچھے جاتا۔ بہادر خان نے سوچا کہ میں نے اپنے اوپر ایک اور قہر طاری کر لیا۔ میں جدھر جاتا ہوں، مُلّا بھی ادھر جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ لوگ مجھے دیکھ رہے ہیں اور ڈر رہے ہیں کہ میں نے مُردہ ملا کو زندہ کر دیا ہے۔

ایک دفعہ بہادر خان بھوکا تھا۔ اس نے سوچا کہ میں فلاں فلاں پالیز (باغ) میں چلتا ہوں جو قریب ہے۔ وہاں سے کچھ خربوزے اور تربوز چُرا کر کھاتا ہوں۔ چناں چہ وہ روانہ ہوا لیکن اس نے دیکھا کہ مُلّا بھی آ رہا ہے۔ اس نے کہا: "او مُلّا! خدا سے ڈرو اور میرا پیچھا چھوڑ دو۔ لوگ تو مجھ سے پہلے ہی

بھاگتے ہیں تمھیں دیکھ کر اور بھی خوف زدہ ہو جائیں گے۔" ٹلّا یہ سن کر تھوڑا سا ٹھٹکا لیکن جو نہی بہادر خان چلنے لگا۔ ملا بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔ بہادر خان نے ملا کی خوب مرمت کی لیکن اس کے باوجود ملا بہادر خان کے پیچھے لگا رہا۔ بہادر خان نے دوسری دفعہ تیسری دفعہ اسے خوب زدوکوب کیا لیکن کوئی اثر نہ ہوا، پھر غصے سے بے تاب ہو کر اس نے ملا کو گھسیٹنا شروع کیا اور قبرستان میں واپس لا کر اسے کھاٹ سے باندھ دیا۔ جس پر ملا کی لاش آئی تھی اور کہنے لگا: "اب ہلو تو میں تمھیں دیکھوں گا۔" اس کے بعد وہ روانہ ہوا۔

ٹلا نے جب دیکھا کہ بہادر خان جا رہا ہے تو اس نے زور لگایا اور ایک جھٹکے سے کھاٹ سمیت کھٹ کھٹ کھٹ کھٹ کرتا ہوا بہادر خان کے پیچھے چلا۔ بہادر خان نے دیکھا کہ ملا بہت تیزی سے اس کے تعاقب میں آ رہا ہے تو اس نے بہت پیچ و تاب کھایا اور اسے خوب مارا لیکن سخت جاں ملا پر مار کٹائی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بہادر خان ناچار ہو کر کھیت میں گیا۔ جہاں پانی دینے کے لیے ایک بڑا آبی چرخہ نصب تھا۔ وہاں ملا کو کھاٹ سمیت کھڑا کر کے اس نے کہا: "یہاں ذرا ٹھہرو میں کچھ خربوزے اور تربوز چرا لاؤں۔ ملا تم حرکت نہ کرنا، میں تمھیں بھی دوں گا اور کچھ میں بھی کھاؤں گا۔" لیکن وہ پیچھے آ گیا۔ بہادر خان نے جوش میں آ کر اسے پھر مارنا شروع کیا لیکن ٹلا ڈھٹائی سے کھڑا رہا۔ آخر بہادر خان نے کھاٹ سمیت ملا کو چرخے سے مضبوط طریقے سے باندھ دیا اور خود لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا تیزی سے پالیز میں داخل ہو گیا۔ ملا نے بہادر خان کو جاتے دیکھ کر زور مارا اور ایک زبردست جھٹکا دے کر چرخہ اور کھاٹ سمیت گڑ کک گڑ کک کرتا ہوا اس کے پیچھے روانہ ہوا۔ بہادر خان نے دیکھا تو اس سے کہا: "تیرا خانہ خراب میرا پیچھا چھوڑ دے۔ خدا سے ڈر۔" یہ کہ کر اس نے ملا کو خوب مارا اور آگے چلا۔ ملا بھی پیچھے پیچھے چلا۔ بہادر خان نے کہا: "بدبخت! میں بھوکا ہوں۔ مجھے ذرا تنہا چھوڑ دے۔ میں کچھ خربوزے اور تربوز چرا لاؤں اور ہم دونوں کھائیں گے۔ یہیں کھڑا رہ۔" لیکن ملا کو کہاں سکون تھا۔ وہ آسیب کی طرح اس کے پیچھے رہا۔ بہادر خان نے پھر اسے مارا اور پھر جھاڑیوں میں چھپتا ہوا پالیز میں پہنچا۔ ملا بھی گڑ کک گڑ کک کرتا ہوا پیچھے آیا۔ بہادر خان نے جلدی جلدی کچھ خربوزے توڑے۔ پالیز دان (مالی) نے دیکھا کہ بہادر خان اور ملا گڑ کک گڑ کک کرتے ہوئے خربوزے توڑ رہے ہیں تو وہ چیختا ہوا بھاگا اور لوگوں کو بتانے لگا کہ بہادر خان اور ملا ہر طرف دندناتے پھر رہے ہیں۔ شہریوں اور غریبوں کا مال زور سے قبضہ کر رہے ہیں۔ لوگ اور بھی خوف زدہ ہو گئے۔

ایک دن بہادر خان نے دُور سے دیکھا کہ ایک آدمی بیل پر بیٹھا ہوا روٹی کھاتا آ رہا ہے۔ چناں چہ وہ اس کی طرف گام زن ہوا۔ اس سے کہا: "بندۂ خدا! مجھے روٹی دو۔ میں بھوکا ہوں۔" بیل سوار نے بہادر خان اور ٹلا کو دیکھا تو وہ دہشت زدہ ہو کر بیل سے گرا اور تڑپ کر مر گیا۔ بہادر خان نے روٹی لے لی اور دونوں اسے کھاتے ہوئے واپس قبرستان آ گئے۔ کچھ دن بعد گاؤں کے رئیس کی پوشاک غلیظ ہوئی تو اس نے اپنے دھوبی سے کہا: "میرے کپڑے ندی پر لے جاؤ اور صاف کر لاؤ۔" دھوبی نے کہا: "حضور بہادر خان مع ٹلا زندہ ہو گیا ہے اور دونوں اِدھر اُدھر دندناتے پھرتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں مجھے بھی پکڑ کر مار نہ دیں۔ اس لیے میں نہیں جاؤں گا۔" رئیس نے کہا کہ حفاظت کے لیے تین سوار بھیج دیتا ہوں اس پر دھوبی رضامند ہو گیا۔ اس نے کپڑے لیے اور سواروں کی معیت میں اپنے گدھے پر بیٹھ کر ندی پر آیا۔ سواروں نے اپنے گھوڑے رسیوں سے مضبوط باندھ دیے اور دھوبی کی پہرے داری کرتے رہے۔ دریں اثنا بہادر خان کو پیاس لگی اور وہ ندی کی طرف چلا۔ اس کے پیچھے پیچھے ٹلا بھی گڑ کک گڑ کک کرنے لگا۔ بہادر خان نے کہا: "اے ٹلا! کیوں ظلم کرتے ہو؟ خدا سے ڈرو اور یہیں ٹھہرو تاکہ میں پانی پی آؤں۔ میں ابھی تمھارے پاس لوٹ آؤں گا۔" لیکن کم بخت ٹلا تو بے دھڑک تھا۔ اس کے قدم کہاں رکتے تھے؟ آخر کار بہادر خان نے اُسترا نکال کر ٹلا کے بال صاف کر دیے، اس کے بعد وہ ندی پر آیا اور جھک کر پانی پینے لگا۔ ٹلا بھی گڑ کک گڑ کک کرتا ہوا وہیں آ دھمکا۔ دھوبی کی نگاہ جو اس پر پڑی تو وہ چلایا: "سپاہیو! بہادر خان مع ملا آ گیا ہے۔" سپاہیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ وہ بے لگام گھوڑوں پر چڑھے، دھوبی نے کپڑے وہیں چھوڑ دیے اور گدھے پر بیٹھ کر لٹھ مار مار کر اسے گاؤں کی طرف ہانکنے لگا تاکہ گاؤں والوں کو خبردار

کرے۔ سواروں نے گھوڑوں کو یکے بعد دیگرے چابک مارے۔ انھوں نے گردن کے رسّے تو کھول دیے تھے لیکن ایڑیوں کے رسّے گھبراہٹ میں بھول گئے تھے۔ اس وجہ سے گھوڑے ان رسّوں اور میخوں کی وجہ سے دوڑتے دوڑتے گر گئے۔ سپاہی انھیں مار رہے تھے اور اس بھاگم بھاگ میں میخیں اُکھڑ اُکھڑ کر ان کے چہروں پر لگ رہی تھیں۔ حتیٰ کہ ان کے چہرے، سر اور کان لہولہان ہو گئے۔ اسی طرح ہوتے ہوتے ان میں سے دو مر گئے اور صرف ایک زندہ واپس آیا۔ اُس نے رئیس کو اپنی کہانی سنائی اور اپنے زخم دکھائے۔ دھوبی نے توبہ کی کہ وہ پھر کبھی باہر نہیں جائے گا۔ اپنے تئیں بہادر خان نے یہ سب کچھ دیکھا اور وہ خود سے کہنے لگا کہ میں کیا کروں؟ ندی میں ڈوب مروں یا پتھروں سے اپنا سر پھوڑوں؟ اقارب کے لیے بیگانہ ہو گیا ہوں، میرے اپنے تمن (قبیلہ) کے لوگ مجھ سے گریزاں ہیں اور یہ مُلّا کم بخت ایک آسیب کی طرح مجھ سے چمٹا ہوا ہے۔ کاش! میں اس شادی پر نہ گیا ہوتا۔ وہ اسی طرح سوچتے سوچتے قبرستان واپس آگیا۔ اس کے لیے وقت کاٹنا دوبھر ہو گیا۔ ایک ایک لمحہ ایک ایک پہاڑ بن گیا۔ اس کے دماغ میں رینگتا ہوا ہر خیال اس کی رگوں میں کانٹے کی طرح چبھنے لگا۔ آخر اس نے کون سا گناہ کیا تھا۔ جس کی پاداش میں وہ اس مصیبت میں پھنس گیا اور مصیبت جب شروع ہوئی تو اس کی کوئی انتہا بھی نظر نہ آتی تھی۔ نہ جانے وہ اسی طرح کب تک اور کیا کیا سوچتا رہا۔ آدھی رات کے وقت جادوگر پھر قبرستان میں آیا۔ وہ اسے پکڑنے کے لیے روانہ ہوا تو مُلّا بھی اس کے پیچھے چلا۔ بہادر خان نے کہا: ''او شوم، ذرا صبر کر۔'' اور وہ جادوگر کے پیچھے پہنچا اور اسے پکڑ کر کہنے لگا: ''میں تمھیں ہرگز زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اگر تم نے مُلّا کو مجھ سے علیحدہ نہ کیا۔'' جادوگر نے بہتیرا لیت و لعل سے کام لیا لیکن بہادر خان ڈٹا رہا اور کہنے لگا: ''اس دفعہ کوئی رعایت نہ ہوگی۔ مُلّا کو فوراً قبر میں واپس کر دو چناں چہ جادوگر نے دوبارہ مُلّا کو اس کی قبر میں ڈال دیا اور خود قبرستان سے چلا گیا۔

بہادر خان اپنے ان سیالوں کی طرف چلا جن کی شادی میں وہ تھا۔ اس نے ان سے سب کچھ کہا اور درخواست کی کہ میرے گاؤں والے مجھے مُردہ سمجھتے ہیں اس لیے میرے ساتھ چلو اور انھیں بتا دو کہ میں تمھاری شادی میں آیا تھا۔ چناں چہ وہ اسے لے کر بہادر خان کے گاؤں آئے۔ لوگ اسے دیکھنے کے لیے باہر نکلے۔ اس کے سیال نے خان کی بیوی اور اس کے دوسرے رشتے داروں کو بلایا اور سمجھایا کہ جسے تم مُردہ سمجھتے ہو وہ تو اس کا نوکر تھا۔ بہادر خان تو ان دنوں شادی میں گیا ہوا تھا۔ وہ انھیں یہ سمجھا کر واپس چلا گیا اور سب خوشی سے ناچ ناچ کر پکارنے لگے کہ ہم نے حاصل کر لیا، ہم آزاد ہو گئے، ہم تمھیں سلام کرتے ہیں۔

انور رومان (۱۹۲۶ء۔ ۲۰۱۳ء)

انور رومان اپنے عہد کے ممتاز ماہرِ تعلیم، مورخ، محقق، شاعر، فکشن نگار اور مترجم تھے۔ پاکستان بننے کے بعد ان کی زندگی کا زیادہ تر حصہ کوئٹہ میں گزرا۔ انھوں نے پنجاب یونی ورسٹی، لاہور سے ایم۔اے تاریخ کی سند حاصل کرنے کے بعد بہ طور معلم ملازمت کا آغاز کوئٹہ سے کیا تھا۔ ۱۹۸۵ء تک ملازمت کے دوران وہ مختلف کالجوں کے پرنسپل بھی رہے۔ انور رومان نے بہ طور چیئرمین ٹیکسٹ بک بورڈ بلوچستان بھی گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ وہ نظامتِ تعلیمات کے ڈائریکٹر کے عہدے پر بھی فائز رہے۔

تعلیم و تعلّم کے موضوع پر تصانیف کے علاوہ انور رومان نے بلوچی، براہوی اور پٹھان قبائل کے بارے میں مغربی اور مقامی مصنّفین کی بہت سی کتابوں کے تراجم اردو زبان میں کیے۔ ان کے تراجم میں بلوچستان اور سندھ کے بارے میں نو آبادیاتی دور کے گزیٹیئر بھی شامل ہیں۔ بلوچی اور براہوی ادب کو بھی انھوں نے اردو میں منتقل کیا۔

''براہوی لوک کہانیاں'' ان کی ساٹھ سے زائد تصنیفات و تالیفات میں سے ایک ہے۔

انور رومان غیر منقسم ہندوستان کے ضلع جالندھر کے ایک قصبے کنیان کلاں میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے کراچی میں وفات پائی۔

مشق

۱۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں:

الف۔ بہادر خان کس کی شادی میں شرکت کرنے گیا تھا؟

ب۔ کھلیان کے ساتھ دراصل کون جل کر مر گیا تھا؟

ج۔ جادوگر نے کیسے اپنے جادو سے زندہ کیا تھا؟

د۔ بہادر خان اور مُلّا اپنے ساتھ کیا لیے پھرتے تھے؟

ہ۔ بہادر خان کی بیوی کو آخر کار کیسے پتا چلا کہ بہادر خان زندہ ہے؟

۲۔ گزشتہ صفحات میں آپ نے افسانہ ''ماں جی'' پڑھا تھا۔ اب آپ نے لوک کہانی ''بہادر خان کی سرگزشت'' کا بھی مطالعہ کر لیا۔ افسانے اور کہانی کی بحث بھی آپ پڑھ چکے ہیں اس لیے دونوں کے ادبی اسلوب میں امتیاز کرتے ہوئے بتائیں کہ دونوں تحریروں میں کہانی کا اندازِ بیان کیسا ہے؟ مکالمے، کردار نگاری، لفظیات اور موضوع کے اظہار میں کیا فرق برتا گیا ہے؟

۳۔ ایک طالبِ علم اس کہانی کی درست تلفظ کے ساتھ بلند خوانی کرے۔ باقی طلبہ اسے سن کر حُسن و قبح کا جائزہ لیتے ہوئے اس کہانی کو جماعت کے دیگر ساتھیوں کے سامنے باری باری دہرائیں۔

۴۔ گزشتہ جماعتوں میں آپ رسمی و غیر رسمی تحریروں (کالم، خبر، رپورٹ، تبصرہ، تذکرہ و تجزیہ وغیرہ) کے تصور کو تفصیل کے ساتھ پڑھ چکے ہیں۔ اخبار میں چھپنے والی درج ذیل خبر کی جزئیات کو سمجھتے ہوئے اس پر تنقید و تبصرہ کریں نیز پروف خوانی کرتے ہوئے اغلاط کی بھی نشان دہی کریں۔

زیتون کے باغات کی نگہداشت میں کوئی کسر نہ چھوڑی جائے

زیتون کے پودوں کے اردگرد سے جڑی بوٹیوں اور دیگر غیر ضروری پودوں کو ہٹانے پر توجہ مرکوز کرنے کی ہدایت

ڈپٹی کمشنر کوہاٹ عبدالاکرم چترالی نے ڈویژنل فارسٹ آفیسر کے ہمراہ بابری باندہ میں زیتون کے باغ کا معائنہ کیا

کوہاٹ (نمائندہ آج) ڈپٹی کمشنر کوہاٹ عبدالاکرم چترالی نے ڈویژنل فارسٹ آفیسر کوہاٹ اور سب ڈویژنل فارسٹ آفیسر کے ہمراہ ''زیتون کے باغات کے پراجیکٹ'' کے تحت بابری باندہ میں لگائے گئے زیتون کے باغ کا معائنہ کیا جو محکمہ جنگلات کی جانب سے حبیب بینک لمیٹڈ اور الائیڈ بینک لمیٹڈ کے تعاون سے کامیابی سے شروع کیا گیا ہے۔ معائنہ کے دوران ڈپٹی کمشنر نے باغات کے پورے علاقے کا بطور جائزہ لیا اور شجرکاری کے منصوبے کے نتائج پر اطمینان کا اظہار کیا۔ انہوں نے باغ میں نصب ڈرپ اریگیشن سسٹم کا بھی جائزہ لیا جو پودوں کو مکمل طور پر فعال اور موثر طریقے سے پانی کی فراہمی کیلئے نصب کیا گیا ہے۔ منصوبے کی کامیابی کیلئے مناسب دیکھ بھال پر اظہار اطمینان کرتے ہوئے ڈپٹی کمشنر کوہاٹ نے کئی اہم تجاویز بھی دیں۔ انہوں نے زیتون کے پودوں کے اردگرد سے جڑی بوٹیوں اور دیگر غیر ضروری پودوں کو ہٹانے کی بھی ہدایت کی تاکہ زیتون کے پودوں کی بہترین نشوونما کے لئے ضروری جگہ اور وسائل مہیا ہو جائیں۔

تلخیص نگاری

تلخیص: تلخیص کا مطلب کسی طویل عبارت کو اختصار کے ساتھ اس طرح لکھنا کہ اس کا کوئی اہم نکتہ چھوٹنے نہ پائے۔ تلخیص کی طوالت، عام طور پر اصل عبارت سے کم یعنی ایک تہائی ہوتی ہے۔ تلخیص میں اصل عبارت کے اسلوب کو قائم رکھنا غیر ضروری ہوتا ہے، اسے اپنے انداز سے اور الفاظ میں لکھنا چاہیے۔ اصل عبارت میں دی گئی معلومات اور واقعات کی ترتیب بھی برقرار رکھنی چاہیے۔ تلخیص کے دوران میں اصل عبارت کے اہم نکات میں ترمیم، اضافہ، کمی یا بیشی نہیں کی جاسکتی۔ تلخیص میں طویل جملوں کے بہ جائے مختصر جملے لکھے جاتے ہیں۔

۵۔ درج ذیل اقتباسات کی تلخیص کریں:

(i) یہ شہر تقریباً ڈھائی ہزار برس قبل مسیح سے لے کر سکندرِ اعظم کے زمانے تک پوری ہم عصر اور بعد کی دنیا کے لیے ایک مرقعِ حیرت بنا رہا۔ جہاں ایک رسم الخط اور طرزِ تحریر پیدا ہوا، جہاں دنیا کی پہلی انسائیکلو پیڈیا ترتیب دی گئی، جہاں چھتوں پر باغ تھے، ہینگنگ گارڈن، جہاں سڑکیں ایک

دوسرے کو سیدھی اس طرح کاٹتی تھیں جیسے نیویارک کی سڑکیں ایک دوسرے کو قطع کرتی ہوئی چلتی ہیں۔ اس وقت یورپ اور امریکا میں بسنے والی قومیں شاید کھالیں پہن کر ستر پوشی کرتی ہوں گی، جب بابل کے صنعت کار ریشم و سنجاب کے ملبوسات تیار کر کے ہندوستان اور مصر بھیجتے تھے۔

تو یہ ہے بابل!!!! سُرخ پختہ اینٹوں اور نیلی اور زرد چمک دار اینٹوں کا ویرانہ، بے شمار دیوی دیوتاؤں کا معبد، حمورابی اور بخت نصر اور سکندر اور سائرس کا بابل۔ ہاں یہ بابل ہے جو کسی مورخ یا مبصر یا اہلِ دل کے الفاظ میں پہلے شہرِ عظیم تھا اور اب صحرائے عظیم ہو کر رہ گیا ہے۔

اے آنکھوں والو دیکھو اور عبرت پکڑو!

(ii) چھوٹی دلھن کو مجھ سے سخت نفرت ہے، ٹھیک ہے، میں نے تم لوگوں کے لیے کچھ بھی نہ کیا، مگر اب وقت آیا تھا کہ اس گھر میں پہلی سی شادمانی لوٹ آتی، مجھے بڑی اچھی ملازمت دی جا رہی ہے، پھر دکانوں کو چلانے کے لیے دس پندرہ ہزار کی امداد بھی ملنے کی توقع ہے، میں چھوٹی دلھن کی سب شکایتیں رفع کر دوں گا"۔۔۔ انھوں نے عالیہ کو پیار سے تھپکا۔۔۔ "کیا گھر میں تیل ختم ہو گیا ہے؟ لالٹین کی روشنی مدھم ہوتی جا رہی ہے، اب ان شاءاللہ تھوڑے دنوں میں کنکشن بحال کرا لوں گا اور اب تم ایم۔اے میں داخلہ کیوں نہ لے لو۔ میرا خیال ہے کہ تم کو اگلے سال ضرور داخل کرا دوں۔"

عالیہ کا کلیجا کٹ رہا تھا۔ آنسو پونچھ کر وہ خاموش بیٹھی رہی۔ جی ہی جی میں گھٹ رہی تھی مگر ایک لفظ بھی نہ بول سکی۔ خدا! آپ کو سکھ دے بڑے چچا، خدا آپ کے سارے سہانے خواب پورے کرے۔۔۔ وہ دل ہی دل میں دعا مانگ رہی تھی۔ وہ بڑے چچا سے کس طرح کہتی کہ وہ تو یہاں سے خود بھاگ جانا چاہتی ہے.

۶۔ درج ذیل سابقوں اور لاحقوں سے دو دو الفاظ بنا کر ان کے جملے لکھیں:

بے، نا، ان، با، خوش، ہم   مند، خانہ، شعار، گاہ، ناک

۷۔ درج ذیل جملوں میں ذو معانی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ آپ انھیں تحریر و تقریر میں استعمال کریں:

ہار:	سونے کا ہار خریدنا اتنا بھی آسان نہیں۔
	زندگی ایک جنگ ہے اس میں ہار ماننا بزدلوں کا کام ہے۔
لگن:	سب بچا کھچا کھانا ایک بڑے لگن میں ڈال دو۔
	سچی لگن ہی انسان کو کامیابی دلاتی ہے۔
مار:	مارِ آستین زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔
	ہمارے شیروں نے دشمن کو ایسی مار ماری کی سدا یاد کرے گا۔
مغرب:	مغرب کی اندھا دھند تقلید مناسب نہیں۔
	سب نے باجماعت نمازِ مغرب ادا کی۔
	سورج مغرب میں غروب ہو گیا۔

سرگرمی

شفیع عقیل کی "جاپانی لوک کہانیاں" کالج لائبریری سے جاری کرائیں اور مطالعہ کریں تاکہ عالمی سماجی، معاشرتی اور معاشی رابطے کے لیے جاپانی ثقافت سے آگاہ ہو کر معلومات حاصل کر سکیں۔

۸ کافی

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- نظم ونثر کو فہم کے ساتھ پڑھ کر مصنف/شاعر کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی سوالات کے جوابات دے سکیں۔
- ذرائع ابلاغ سے خبروں، ڈراموں اور فیچر میں اٹھائے گئے اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی نکات پر تنقیدی گفت گو سن کر اپنی رائے کا اضافہ کر سکیں۔
- منظوم اور منثور اصنافِ ادب پڑھ کر مصنفین کے طرزِ تحریر پر تبصرہ کر سکیں۔
- متن پڑھ کر خیالات، آرا اور رویوں کا آپس میں تعلق سمجھتے ہوئے اس پر تبصرہ اور تجزیہ کر سکیں۔
- علاماتِ اوقاف (استعجابیہ، استفہامیہ، تفصیلیہ، رابطہ، ترچھا خط، علامتِ شعر، علامتِ تخلص اور علامتِ مصرع) کو پہچان کر درست استعمال کر سکیں۔

خاص الفاظ					
	قُوّتِ شامّہ	مَنطِق	ذَوق	ڈھنگارے	کھُرچن
	رَغبَت	ثقافتی	اِستِصواب رائے	عاقِبت اَندیشی	خلفیہ

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو مشتاق احمد یوسفی کی مزاح نگاری کے بارے میں بتائیں اور انھیں مشتاق احمد یوسفی کی کوئی سی کتاب پڑھنے کا مشورہ دیں۔

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

- کافی اور چائے میں کیا فرق ہے؟
- اپنے علاقے کے چند روایتی مشروبات کے نام بتائیں۔

پڑھیں

میں نے سوال کیا: آپ کافی کیوں پیتے ہیں؟

انھوں نے جواب دیا: آپ کیوں نہیں پیتے؟

مجھے اس میں سگار کی سی بو آتی ہے۔

اگر آپ کا اشارہ اس کی سوندھی سوندھی خوشبو کی طرف ہے تو یہ آپ کی قوتِ شامہ کی کوتاہی ہے۔

گو کہ ان کا اشارہ صریحاً میری ناک کی طرف تھا۔ تاہم رفع شر کی خاطر، میں نے کہا: "تھوڑی دیر کے لیے یہ مان لیتا ہوں کہ کافی میں سے واقعی بھینی بھینی مہک آتی ہے۔ مگر یہ کہاں کی منطق ہے کہ جو چیز ناک کو پسند ہو وہ حلق میں انڈیل لی جائے۔ اگر ایسا ہی ہے تو کافی کا عطر کیوں نہ کشید کیا جائے تاکہ ادبی محفلوں میں ایک دوسرے کے لگایا کریں۔"

تڑپ کر بولے: صاحب! میں ماکولات میں معقولات کا دخل جائز نہیں سمجھتا تاوقتیکہ اس گھپلے کی اصل وجہ تلفظ کی مجبوری نہ ہو۔ کافی کی مہک سے لطف اندوز ہونے کے لیے ایک تربیت یافتہ ذوق کی ضرورت ہے۔ یہی سوندھا پن لگی ہوئی کھیر اور دھنگارے ہوئے رائتے میں ہوتا ہے۔ میں نے معذرت

کی: کڑھ چن اور ڈھنگار دونوں سے مجھے متلی ہوتی ہے۔ فرمایا: ''تعجب ہے! یو۔پی میں تو شرفا بڑی رغبت سے کھاتے ہیں۔ میں نے اسی بنا پر ہندوستان چھوڑا۔ چراندے ہو کر کہنے لگے: آپ قائل ہو جاتے ہیں تو کج بحثی کرنے لگتے ہیں۔ جواباً عرض کیا: ''گرم ممالک میں بحث کا آغاز صحیح معنوں میں قائل ہونے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ دانستہ دل آزاری ہمارے مشرب میں گناہ ہے۔ لہٰذا ہم اپنی اصل رائے کا اظہار صرف نشے اور غصے کے عالم میں کرتے ہیں۔'' خیر، یہ تو جملہ معترضہ تھا، لیکن اگر یہ سچ ہے کہ کافی خوش ذائقہ ہوتی ہے تو کسی بچے کو پلا کر اس کی صورت دیکھ لیجیے۔

جھلا کر بولے: آپ بحث میں معصوم بچوں کو کیوں گھسیٹتے ہیں؟

میں بھی الجھ گیا: آپ ہمیشہ بچوں سے پہلے لفظ معصوم کیوں لگاتے ہیں؟ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ کچھ بچے گناہ گار بھی ہوتے ہیں؟ خیر، آپ کو بچوں پر اعتراض ہے تو بلی کو لیجیے۔

بلی ہی کیوں؟ بکری کیوں نہیں؟ وہ سچ مچ مچلنے لگے۔

میں نے سمجھایا: بلی اس لیے کہ جہاں تک پینے کی چیزوں کا تعلق ہے، بچے اور بلیاں بُرے بھلے کی کہیں بہتر تمیز رکھتے ہیں۔

ارشاد ہوا: کل کو آپ یہ کہیں گے کہ چوں کہ بچوں اور بلیوں کو پکے گانے پسند نہیں آسکتے اس لیے وہ بھی لغو ہیں۔

میں نے انھیں یقین دلایا: میں ہرگز یہ نہیں کہہ سکتا۔ پکے راگ انھیں کی ایجاد ہیں۔ آپ نے بچوں کا رونا اور بلیوں کا لڑنا... بات کاٹ کر بولے: بہر حال ثقافتی مسائل کا فیصلہ ہم بچوں اور بلیوں پر نہیں چھوڑ سکتے۔

آپ کو یقین آئے یا نہ آئے مگر یہ واقعہ ہے کہ جب بھی میں نے کافی کے بارے میں استصوابِ رائے عامہ کیا اس کا انجام اسی قسم کا ہوا۔ شائقین میرے سوال کا جواب دینے کے بہ جائے اُلٹی جرح کرنے لگتے ہیں۔ اب میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کافی اور کلاسیکی موسیقی کے بارے میں استفسارِ رائے عامہ کرنا بڑی ناعاقبت اندیشی ہے۔ یہ بالکل ایسی ہی بدمذاقی ہے جیسے کسی نیک مرد کی آمدنی یا خوب صورت عورت کی عمر دریافت کرنا (اس کا مطلب یہ نہیں کہ نیک مرد کی آمدنی اور خوب صورت عورت کی عمر دریافت کرنا خطرے سے خالی ہے) زندگی میں صرف ایک شخص ملا جو واقعی کافی سے بے زار تھا۔ لیکن اس کی رائے اس لحاظ سے زیادہ قابلِ التفات نہیں کہ وہ ایک مشہور کافی ہاؤس کا مالک نکلا۔ ایک صاحب تو اپنی پسند کے جواز میں صرف یہ کہہ کر چپ ہو گئے کہ ''چھٹتی نہیں منہ سے یہ کافی لگی ہوئی''۔ میں نے وضاحت چاہی تو کہنے لگے: دراصل یہ عادت کی بات ہے۔

بعض احباب تو اس سوال سے چراغ پا ہو کر ذاتیات پر اتر آتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ جھوٹے الزام لگاتے ہیں۔ ایمان کی بات ہے کہ جھوٹے الزام کو سمجھ دار آدمی نہایت اعتماد سے ہنس کر ٹال دیتا ہے مگر سچے الزام سے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔ اس ضمن میں جو متضاد باتیں سننا پڑتی ہیں، ان کی دو مثالیں پیش کرتا ہوں۔ ایک کرم فرما، نے میری بے زاری کو محرومی پر محمول کرتے ہوئے فرمایا: ''ہائے کم بخت! تو نے پی ہی نہیں''۔ ان کی خدمت میں حلفیہ عرض کیا کہ دراصل بیسیوں گیلن پینے کے بعد ہی یہ سوال کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ دوسرے صاحب نے ذرا کھل کر پوچھا کہ کافی سے چڑ کی اصل وجہ معدے کے وہ داغ (Ulcers) تو نہیں جن کو میں دو سال سے لیے پھر رہا ہوں اور جو کافی کی تیزابیت سے جل اٹھتے ہیں اور اس کے بعد وہ مجھے نہایت تشخیص ناک نظروں سے گھورنے لگے۔ استصوابِ رائے عامہ کا حشر آپ دیکھ چکے۔ اب مجھے اپنے تاثرات پیش کرنے کی اجازت دیجیے۔ میرا ایمان ہے کہ قدرت کے کارخانے میں کوئی شے بے کار نہیں۔ انسان غور و فکر کی عادت ڈالے (یا محض عادت ہی ڈال لے) تو ہر بری چیز میں کوئی نہ کوئی خوبی ضرور نکل آتی ہے۔ مثال کے طور پر حقے ہی کو لیجیے۔ معتبر بزرگوں سے سنا ہے کہ حقہ پینے سے تفکرات پاس نہیں پھٹکتے۔ بلکہ میں تو یہ عرض کروں گا کہ اگر تمبا کو خراب ہو تو تفکرات

ہی پر کیا موقوف ہے، کوئی بھی پاس نہیں پھٹکتا۔ اب دیگر ملکی اشیائے خورد و نوش پر نظر ڈالیے۔ مرچیں کھانے کا ایک آسانی سے سمجھ آجانے والا فائدہ یہ ہے کہ ان سے ہمارے مشرقی کھانوں کا اصل رنگ اور مزہ دب جاتا ہے۔ خمیرہ گاؤزبان اس لیے کھاتے ہیں کہ بغیر راشن کارڈ کے شکر حاصل کرنے کا یہی ایک جائز طریقہ ہے۔ جوشاندہ اس لیے گوارا ہے کہ اس سے نہ صرف ایک ملکی صنعت کو فروغ ہوتا ہے بلکہ نفسِ امارہ کو مارنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ شلغم اس لیے زہر مار کرتے ہیں کہ ان میں وٹامن ہوتا ہے۔ لیکن جدید طبّی ریسرچ نے ثابت کر دیا ہے کہ کافی میں سوائے کافی کے کچھ نہیں ہوتا۔ اہل ذوق کے نزدیک یہی اس کی خوبی ہے۔

معلوم نہیں کہ کافی کیوں، کب اور کس مردم آزار نے دریافت کی۔ لیکن یہ بات وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یونانیوں کو اس کا علم نہیں تھا۔ اگر انھیں ذرا بھی علم ہوتا تو چرائتہ کی طرح یہ بھی یونانی طب کا جزوِ اعظم ہوتی۔ اس قیاس کو اس امر سے مزید تقویت پہنچتی ہے کہ قصبوں میں کافی کی بڑھتی ہوئی کھپت کی غالباً ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عطائیوں نے "اللہ شافی اللہ کافی" کہہ کر مؤخر الذکر کا سفوف اپنے نسخوں میں لکھنا شروع کر دیا ہے۔

سنا ہے کہ چائے کے باغات بڑے خوب صورت ہوتے ہیں۔ یہ بات یُوں بھی سچ معلوم ہوتی ہے کہ چائے اگر کھیتوں میں پیدا ہوتی تو ایشیائی ممالک میں اتنی افراط سے نہیں ملتی بلکہ غلّے کی طرح غیر ممالک سے درآمد کی جاتی۔ میری معلوماتِ عامہ محدود ہیں مگر قیاس یہی کہتا ہے کہ کافی بھی زمین ہی سے اگتی ہو گی۔ کیونکہ اس کا شمار ان نعمتوں میں نہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں پر آسمان سے براہِ راست نازل کرتا ہے۔ تاہم میری چشمِ تخیّل کو کسی طور یہ باور نہیں آتا کہ کافی باغوں کی پیداوار ہو سکتی ہے اور اگر کسی ملک کے باغوں میں یہ چیز پیدا ہوتی ہے تو اللہ جانے وہاں کے جنگلوں میں کیا اُگتا ہوگا؟ ایسے اربابِ ذوق کی کمی نہیں جنھیں کافی اس وجہ سے عزیز ہے کہ یہ ہمارے ملک میں پیدا نہیں ہوتی۔ مجھ سے پوچھیے تو مجھے اپنا ملک اسی لیے اور بھی عزیز ہے کہ یہاں کافی پیدا نہیں ہوتی۔ میں مشروبات کا پارکھ نہیں ہوں۔ لہٰذا مشروب کے اچھے یا برے ہونے کا اندازہ ان اثرات سے لگاتا ہوں جو اسے پینے کے بعد رونما ہوتے ہیں۔

کافی ہاؤس کی شام کا کیا کہنا! فضا میں ہر طرف ذہنی کہرا چھایا ہوا ہے۔ جس کو سرمایہ دار طبقہ اور طلبہ سرخ سویرا سمجھ کر ڈرتے اور ڈراتے ہیں۔ شور و شغب کا یہ عالم کہ اپنی آواز تک نہیں سنائی دیتی اور بار بار دوسروں سے پوچھنا پڑتا ہے کہ میں نے کیا کہا۔ ہر میز پر تشنگانِ علم کافی پی رہے ہیں۔ اور غروبِ آفتاب سے غرارے تک، یا عوام اور آم کے خواص پر بقراطی لہجے میں بحث کر رہے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے کافی اپنا رنگ دکھاتی ہے اور لوگ روٹھ کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ سوچ کر بیٹھ جاتے ہیں کہ: اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ گھر جائیں گے گھر میں بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے۔

کافی پی پی کر سماج کو کوسنے والے ایک انٹلکچوئیل نے مجھے بتایا کہ کافی سے دل کا کنول کھل جاتا ہے اور آدمی چہکنے لگتا ہے۔ میں بھی اس رائے سے متفق ہوں۔ کوئی معقول آدمی یہ سیال پی کر اپنا منہ نہیں بند رکھ سکتا۔ ان کا یہ دعویٰ بھی غلط نہیں معلوم ہوتا کہ کافی پینے سے بدن میں چستی آتی ہے۔ جبھی تو لوگ دوڑ دوڑ کر کافی ہاؤس جاتے ہیں اور گھنٹوں وہیں بیٹھے رہتے ہیں۔

بہت دیر تک وہ یہ سمجھانے کی کوشش کرتے رہے کہ کافی نہایت مفرح ہے اور دماغ کو روشن کرتی ہے۔ اس کے ثبوت میں انھوں نے یہ مثال دی کہ: ابھی کل ہی کا واقعہ ہے۔ میں دفتر سے گھر بے حد نڈھال پہنچا۔ بیگم بڑی بدمزاج ہیں۔ فوراً کافی کا (TEA POT) لا کر سامنے رکھ دیا۔

میں ذرا چکرایا: پھر کیا ہوا؟ میں نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

میں نے دودھ دان سے کریم نکالی: انھوں نے جواب دیا۔

میں نے پوچھا: شکر دان سے کیا نکلا؟

فرمایا: شکر نکلی، اور کیا ہاتھی گھوڑے نکلتے؟

مجھے غصہ تو بہت آیا مگر کافی کا سا گھونٹ پی کر رہ گیا۔

عمدہ کافی بنانا بھی کیمیا گری سے کم نہیں۔ یہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ دونوں کے متعلق یہی سننے میں آیا ہے کہ بس ایک آنچ کی کسر رہ گئی۔ ہر ایک کافی ہاؤس اور خاندان کا ایک مخصوص نسخہ ہوتا ہے جو سینہ بہ سینہ، حلق بہ حلق منتقل ہوتا رہتا ہے۔ مشرقی افریقہ کے اس انگریز افسر کا نسخہ تو سبھی کو معلوم ہے جس کی مزے دار کافی کی سارے ضلعے میں دھوم تھی۔ ایک دن اس نے ایک نہایت پر تکلف دعوت کی جس میں اس کے حبشی خانساماں نے بہت ہی خوش ذائقہ کافی بنائی۔ انگریز نے بہ نظر حوصلہ افزائی اس کو معزز مہمانوں کے سامنے طلب کیا اور کافی بنانے کی ترکیب دریافت پوچھی۔ حبشی نے جواب دیا: بہت ہی سہل طریقہ ہے۔ میں بہت سا کھولتا ہوا پانی اور دودھ لیتا ہوں۔ پھر اس میں کافی ملا کر دم کرتا ہوں۔ لیکن اسے حل کیسے کرتے ہو؟ بہت مہین چھنی ہوتی ہے۔ حضور کے موزے میں چھانتا ہوں۔ کیا مطلب؟ کیا تم میرے قیمتی ریشمی موزے استعمال کرتے ہو؟ آقا نے غضب ناک ہو کر پوچھا۔ خانساماں سہم گیا: نہیں سرکار! میں آپ کے صاف موزے کبھی استعمال نہیں کرتا۔

سچ عرض کرتا ہوں کہ میں کافی کی تندی اور تلخی سے ذرا نہیں گھبراتا۔ بچپن ہی سے یونانی دواؤں کا عادی رہا ہوں اور قوتِ برداشت اتنی بڑھ گئی ہے کہ کڑوی سے کڑوی گولیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا! لیکن کڑواہٹ اور مٹھاس کی آمیزش سے جو معتدل قوام بنتا ہے وہ میری برداشت سے باہر ہے۔ میری انتہا پسند طبیعت اس میٹھے زہر کی تاب نہیں لا سکتی۔ لیکن وقت یہ آن پڑتی ہے کہ میں میزبان کے اصرار کو عداوت اور وہ میرے انکار کو تکلف پر محمول کرتے ہیں۔ لہٰذا جب وہ میرے کپ میں شکر ڈالتے وقت اخلاقاً پوچھتے ہیں: ایک چمچہ یا دو؟ تو مجبوراً یہی گزارش کرتا ہوں کہ میرے لیے شکر دان میں کافی کے دو چمچے ڈال دیجیے۔ صاف ہی کیوں نہ کہہ دوں کہ جہاں تک اشیائے خورد و نوش کا تعلق ہے، میں تہذیب حواس کا قائل نہیں۔ میں یہ فوری فیصلہ ذہن کے بہ جائے زبان پر چھوڑنا پسند کرتا ہوں۔ کھانے پینے کے معاملے میں میرا یہ نظریہ ہے کہ پہلا ہی لقمہ یا گھونٹ فیصلہ کن ہوتا ہے۔ بدذائقہ کھانے کی عادت کو ذوق میں تبدیل کرنے کے لیے بڑا پتا مارنا پڑتا ہے۔ مگر میں اس سلسلے میں برسوں تلخی کام و دہن گوارا کرنے کا حامی نہیں، تا وقت یہ کہ اس میں بیوی کا اصرار یا گرہستی مجبوریاں شامل نہ ہوں۔ ---------- مشرقی اور مغربی مشروبات کا موازنہ کرنے سے پہلے یہ بنیادی اصول ذہن نشین کر لینا ازبس ضروری ہے کہ ہمارے یہاں پینے کی چیزوں میں کھانے کی خصوصیات ہوتی ہیں۔ اپنے قدیم مشروبات مثلاً یخنی، ستو اور فالودے پر نظر ڈالیے تو یہ فرق واضح ہو جاتا ہے۔ ستو اور فالودے کو خالصتاً لغوی معنوں میں آپ نہ کھا سکتے ہیں اور نہ پی سکتے ہیں۔ بلکہ دنیا میں اگر کوئی ایسی شے ہے جسے آپ بامحاورہ اردو میں بیک وقت کھا اور پی سکتے ہیں تو یہی ستو اور فالودہ ہے جو ٹھوس غذا اور ٹھنڈے شربت کے درمیان ناقابل بیان سمجھوتا ہے، لیکن آج کل ان مشروبات کا استعمال خاص خاص تقریبوں میں ہی کیا جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اب ہم نے عداوت نکالنے کا ایک اور مہذب طریقہ اختیار کیا ہے۔ آپ کے ذہن میں خدانہ خواستہ یہ شبہ نہ پیدا ہو گیا ہو کہ راقم السطور کافی کے مقابلے میں چائے کا طرف دار ہے تو مضمون ختم کرنے سے پہلے اس غلط فہمی کا ازالہ کرنا ازبس ضروری سمجھتا ہوں۔ میں کافی سے اس لیے بے زار نہیں ہوں کہ مجھے چائے عزیز ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کافی کا جلا چائے بھی پھونک کر پیتا ہے۔

(چراغ تلے)

مشتاق احمد یوسفی (۱۹۲۳ء۔۲۰۱۸ء)

مشتاق احمد یوسفی کی ولادت ۴ ستمبر ۱۹۲۳ء کو متحدہ ہندوستان کے شہر ٹونک، راجستھان کے ایک تعلیم یافتہ خاندان میں ہوئی۔ آپ نے سینٹ جانس کالج آگرہ سے فلسفہ میں ایم۔اے اور علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے ایل۔ایل۔بی کیا۔ بعد ازاں ہندوستانی پبلک سول سروسز کا امتحان پاس کر کے ۱۹۵۰ء تک ہندوستان میں مسلم کمرشیل بینک سے متعلق ہوئے اور ڈپٹی جنرل منیجر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اس کے بعد بھارت سے ہجرت کر کے کراچی میں سکونت اختیار کی اور وہاں ایک بینک میں ملازمت اختیار کر لی۔
مشتاق احمد یوسفی نے اردو ادب میں مزاح نگاری کا جو اعلیٰ معیار قائم کیا وہ اردو دنیا کے لیے ایک نایاب تحفے ہیں۔ ان کی پہلی کتاب "چراغ تلے" ۱۹۶۱ء میں چھپی جب کہ دوسری "خاکم بدہن" ۱۹۶۹ء، "زرگزشت" ۱۹۷۴ء، "آب گم" ۱۹۹۰ء اور آخری کتاب "شامِ شعرِ یاراں" ۲۰۱۴ء میں چھپی۔ ان کی خدمات کو دیکھتے ہوئے صدر پاکستان نے ۱۹۹۹ء میں "ستارۂ امتیاز" اور ۲۰۰۲ء میں "ہلالِ امتیاز" سے نوازا۔ ۲۰ جون ۲۰۱۸ء کو وہ کراچی میں انتقال کر گئے۔

مشق

1۔ درج ذیل الفاظ میں سے درست جواب کا انتخاب کریں:

(i) یہ کہاں کی منطق ہے کہ جو چیز ۔۔۔۔۔۔ کو پسند ہو وہ حلق میں انڈیل لی جائے۔

الف: آنکھ　　ب: ناک　　ج: دل　　د: دماغ

(ii) یوپی کے شرفا رغبت سے کھاتے ہیں:

الف: روٹی اور سالن　　ب: رائتہ اور کھیر　　ج: چاول اور رائتہ　　د: کھیر اور رس ملائی

(iii) مصنف کے نزدیک کافی کے خوش ذائقہ ہونے کا تجربہ، پلا کر کیا جائے:

الف: کسی بچے کو　　ب: کسی بڑے کو　　ج: کسی جوان کو　　د: کسی بوڑھے کو

(iv) سمجھ دار آدمی نہایت اعتماد سے ہنس کر ٹال دیتا ہے:

الف: سچے الزام کو　　ب: جھوٹے الزام کو　　ج: بڑے الزام کو　　د: چھوٹے الزام کو

(v) آپ بامحاورہ اردو میں بیک وقت کھا اور پی سکتے ہیں:

الف: ستو اور فالودہ کو　　ب: چاول اور چائے کو　　ج: کافی اور شربت کو　　د: قلفی اور دودھ کو

۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں:

ا۔ مصنف کو کافی کیوں ناپسند تھی؟

ب۔ کافی کے بارے میں استصواب رائے سے کیا نتیجہ برآمد ہوتا تھا؟

ج۔ مصنف کافی کی تندی اور تلخی سے کیوں نہیں گھبراتا تھا؟

د۔ عمدہ کافی بنانا اور کیمیا گری کا آپس کا کیا تعلق ہے؟

ہ۔ مشرقی مشروبات، مغربی مشروبات سے کس طرح مختلف ہیں؟

۳۔ انٹرنیٹ کے ذریعے کسی بھی پاکستانی زبان کے حوالے سے ڈاکومنٹری سُنیں اور اس کا تجزیہ کرتے ہوئے اس پر اپنی رائے دیں۔

۴۔ طلبہ ذرائع ابلاغ کی مدد سے اردو ڈراما "الف۔نون" دیکھیں اور اس میں اُٹھائے گئے اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی نکات پر جماعت کے کمرے میں اپنی رائے دیں۔

۵۔ درج ذیل متن پڑھ کر خیالات، آرا اور رویوں کا آپس میں تعلق سمجھتے ہوئے اس پر تبصرہ اور تجزیہ کریں:

"سچ عرض کرتا ہوں کہ میں کافی کی تندی اور تلخی سے ذرا نہیں گھبراتا۔ بچپن ہی سے یونانی دواؤں کا عادی رہا ہوں اور قوتِ برداشت اتنی بڑھ گئی ہے کہ کڑوی سے کڑوی گولیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا! لیکن کڑواہٹ اور مٹھاس کی آمیزش سے جو معتدل قوام بنتا ہے وہ میری برداشت سے باہر ہے۔ میری انتہا پسند طبیعت اس میٹھے زہر کی تاب نہیں لا سکتی۔ لیکن وقت یہ آن پڑتی ہے کہ میں میزبان کے اصرار کو عداوت اور وہ میرے انکار کو تکلف پر محمول کرتے ہیں۔ لہٰذا جب وہ میرے کپ میں شکر ڈالتے وقت اخلاقاً پوچھتے ہیں: ایک چمچہ یا دو؟ تو مجبوراً یہی گزارش کرتا ہوں کہ میرے لیے شکر دان میں کافی کے دو چمچے ڈال دیجیے۔ صاف ہی کیوں نہ کہہ دوں کہ جہاں تک اشیائے خورد و نوش کا تعلق ہے، میں تہذیب حواس کا قائل نہیں۔ میں یہ فوری فیصلہ ذہن کے بہ جائے زبان پر چھوڑنا پسند کرتا ہوں۔ کھانے پینے کے معاملے میں میرا یہ نظریہ ہے کہ پہلا ہی لقمہ یا گھونٹ فیصلہ کن ہوتا ہے۔ بدذائقہ کھانے کی عادت کو ذوق میں تبدیل کرنے کے لیے بڑا پِتا مارنا پڑتا ہے۔ مگر میں اس سلسلہ میں برسوں تلخی کام و دہن گوارا کرنے کا حامی نہیں، تاوقت یہ کہ اس میں بیوی کا اصرار یا گرہستی مجبوریاں شامل نہ ہوں۔"

۶۔ طلبہ جماعت کے کمرے میں اپنی استانی صاحبہ/استاد صاحب کی موجودگی میں مشتاق احمد یوسفی کے انشائیہ "کافی" کو پڑھتے ہوئے مصنف کے طرزِ تحریر پر مناسب انداز میں تبصرہ کریں۔

علاماتِ اوقاف (استعجابیہ، استفہامیہ، تفصیلیہ، رابطہ، ترچھا خط، علامت شعر، علامت تخلص، علامت مصرع)۔

(i) رابطہ: (:)

جملے یا عبارت میں وقفے سے زیادہ ٹھہراؤ کے لیے یہ علامت استعمال ہوتی ہے: مثلاً

میری بات یاد رکھنا: محنت ہی کامیابی کی کنجی ہے

کیا خوب سودا نقد ہے: اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

(ii) تفصیلیہ (:-)

جملے یا عبارت میں کسی بات کی تفصیل بتانے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ مثلاً

ورزش کے فائدے درج ذیل ہیں:

علامہ اقبال نے نصیحت کی تھی:-

(iii) سوالیہ یا استفہامیہ (؟)

جب کوئی بات پوچھنی یا کچھ دریافت کرنا مقصود ہو تو یہ علامت استعمال کی جاتی ہے۔ مثلاً

آپ کا نام کیا ہے؟ قائدِ اعظم کس شہر میں پیدا ہوئے؟

(iv) استعجابیہ (!)

حیرت یا حیرانی کے اظہار کے لیے یہ علامت استعمال کی جاتی ہے۔ مثلاً

ارے! اوہ!

(v) خطِ فاصل، ترچھا خط (/)

یہ علامت دفتری مراسلات کا حوالہ دینے کے لیے مختلف قسم کے بیانات، مسودات کے اندراجات میں متبادل اسما یا افعال کے درمیان لگائی جاتی ہے، مثلاً: مسمی/مسماۃ، بن/بنت، اقرار کرتا ہوں/کرتی ہوں وغیرہ وغیرہ

(vi) علامتِ مصرع، علامتِ شعر اور علامت تخلص:

شاعری لکھتے ہوئے جہاں کہیں ایک مصرع استعمال ہو وہاں علامت مصرع (ع)، جہاں پر شعر لکھا جائے وہاں علامت شعر (؎) اور جہاں شاعر اپنا شاعرانہ نام استعمال کرے اس کے اوپر علامت تخلص (ـــ) استعمال ہوتی ہے۔

سرگرمی

درج ذیل علاماتِ اوقاف کو پہچانیں اور ان کا اپنے جملوں میں مناسب استعمال کریں:

علاماتِ اوقاف	نام	علاماتِ اوقاف	نام
!		ـــ	
/		؛	
؟		ع	
:-		،	
:			

۹

مینار

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- مجازی اور اصطلاحی معنی میں اپنا نقطۂ نظر پیش کرتے ہوئے گفت گو کر سکیں۔
- افسانوی غیر افسانوی اقتباسات کو ان کے اسلوب اور بیان کے پیشِ نظر خاص مقاصد (تفہیم، تمہید، موازنہ وغیرہ کے لیے پڑھ سکیں۔
- افسانوی غیر افسانوی متن میں شامل مانوس و غیر مانوس الفاظ و تراکیب، محاورات، ضرب الامثال، مترادفات اور مرکبات پر مشتمل فقرات سمجھ کر برمحل استعمال کر سکیں۔
- مختلف مصنفین / شعرا کے ادب پارے پڑھ کر اس زمانے کی تاریخ سے واقف ہوتے ہوئے عصری تناظر میں اس کا تجزیہ کر سکیں۔
- مختلف مصنفین / شعرا کی تخلیقات اور ادب پاروں کو پڑھ سکیں اور اس زمانے کی تاریخ سے واقف ہو سکیں اور عصری تناظر میں اس کا تجزیہ و تبصرہ کر سکیں۔
- مضمون نویسی کے مختلف اندازِ تحریر (بیانیہ، مدلل، بحثی، تفصیلی اور تحقیقی و تنقیدی) کو مد نظر رکھتے ہوئے مختلف موضوعات کو قلم بند کر سکیں۔

خاص الفاظ	خواہشِ قلبی	فرضِ منصبی	آثارِ قدیمہ	جہانِ نَو	نشانِ خیر
	بحث و تمحیص	بازنطینی	تخفیف	شہ نشیں	برشگال

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو اردو میں انشائے لطیف کی روایت سے آگاہ کریں۔

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

محمد حسین آزاد اور ابوالکلام آزاد کی ایک ایک نمائندہ تصنیف کا نام بتائیں۔

پڑھیں

مینارِ قراردادِ پاکستان کی مجلسِ تعمیر کی نشست تھی، میز کے اِرد گرد تمام اراکین جمع تھے، میں آج اِن میں پہلی بار شامل ہوا تھا۔ کارروائی کی پہلی شِق غور کے لیے پیش ہوئی۔ میرا ذہن اُس وقت برنارڈ شا کے اِس مقولے پر غور کرنے میں مصروف تھا کہ وہ مقام جہاں خواہشِ قلبی اور فرضِ منصبی کی حدیں مل جائیں اُسے خوش بختی کہتے ہیں۔ میں بہ لحاظ عہدہ، اِس مجلس کی صدارت کر رہا ہوں مگر عہدے کو ایک عہدِ وفا کا لحاظ بھی تو لازم ہے۔ میرے عُہدے کا تعلق تعمیر سے ہے، میرے عہد کا تعلق تحریک سے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اِسے سنگ و خشت کے بہ جائے جہانِ نو کی تعمیر اور افکارِ نو کی تعبیر سمجھا۔ میں نے اس مینار کو باالفاظِ اقبالؔ، جلوہ گہِ جبرئیل جانا۔

مینار کی تعمیر کے ابتدائی دنوں میں جب میرا، اُس کی تعمیر سے کوئی سرکاری تعلق نہ تھا میں محض تعلقِ خاطر کے واسطے سے وہاں جا پہنچا۔

بنیادیں بھری جاچکی تھیں، باغ میں ہر طرف ملبہ پھیلا ہوا تھا، مینار بلندی کی طرف مائل تھا، ردکار بانسوں کی باڑ میں یوں چھپی ہوئی تھی کہ عمارت تو نظر نہ آئی مگر اُردو شاعری میں چلمن کا مقام مجھ پر واضح ہو گیا۔ نزدیک جانا چاہا تو چوکی دار نے سختی سے روک دیا۔ یہ تو اس چوکی دار کا ہم سر نکلا جسے مولوی عبدالحق نے وائسرائے کو ٹوک دینے پر آثارِ قدیمہ سے نکال کر چند ہم عصروں میں شامل کر لیا تھا۔ اب کہاں روز روز عبدالحق پیدا ہوں گے اور کسے فرصت ہو گی کہ عصرِ نو کے ملبے میں عزتِ نفس کی تلاش کرے اور ایسے چھوٹے چھوٹے واقعات پر مضمون لکھا کرے۔ میں نے چوکی دار سے پوچھا: یہ کیا بن رہا ہے؟ کہنے لگا: یادگار بن رہی ہے۔ آج جب کارروائی کے لیے پہلا مسئلہ پیش ہوا تو میں نے کہا اسے ملتوی کیجیے تاکہ ایک اور ضروری بات پر بحث ہو سکے۔ میز پر لغات کا ڈھیر لگ گیا۔ سب متفق ہوئے کہ یادگار وہ نشانِ خیر ہے جو مرنے کے بعد باقی رہے۔ جب یادگار کا عام تصور، موت اور فنا کے تصور سے جدا نہ پایا تو منصوبے سے یادگار کا لفظ خارج کر دیا۔ میز صاف کی گئی، لغات کی جگہ مینارِ قراردادِ پاکستان کے نقشے پھیلائے گئے۔ جو تھوڑی بہت جگہ بچ گئی اس میں چائے کی پیالیاں سجائی گئیں۔ چائے شروع ہوئی تو بات بہت دُور جا نکلی۔

کہتے ہیں جب اہرامِ مصر کا معمار موقعے پر پہنچا تو اس نے صحرا کی وُسعت دیکھ کر فیصلہ کیا کہ عمارت بلند ہونی چاہیے۔ پھر اُس نے بُھر بُھری اور نرم ریت کو محسوس کیا اور سوچا کہ اس عمارت کو سنگلاخ بھی ہونا چاہیے۔ جب دھوپ میں ریت کے ذرے چمکنے لگے تو اُسے خیال آیا کہ اِس کی عمارت شعاعوں کو منعکس کرنے کے بہ جائے اگر جذب کر لے تو کیا اچھا تقابل ہو گا۔ ہوا چلی تو اُسے ٹیلوں کے نصف دائرے بنتے بگڑتے نظر آئے اور اُس نے اپنی عمارت کو نوک اور زاویے عطا کر دیے۔ اِتنے فیصلے کرنے کے بعد بھی اُسے طمانیت حاصل نہ ہوئی تو اُس نے طے کیا کہ زندگی تو ایک قلیل اور مختصر وقفہ ہے وہ کیوں نہ موت کو ایک جلیل اور پائے دار مکان بنادے۔ اب جو یہ مکان بنا تو لوگوں نے دیکھا کہ عجائبِ عالم کی فہرست میں اضافہ ہو گیا ہے۔

اہرام کے معمار کو اگر اقبال پارک میں لا کھڑا کرتے تو اُسے نہ جانے کیا کچھ نظر آتا اور وہ اس عمارت کو نہ معلوم کیا شکل دیتا۔ اُس کی غیر حاضری میں ہمیں یہ طے کرنے میں بڑی مشکل پیش آئی کہ قراردادِ پاکستان کو علامت اور عمارت کے طور پر کیا صورت دی جائے۔ باغ، جھیل، فوارے، مسجد، کتب خانہ، عجائب گھر، ہال، ہسپتال، دروازہ، درس گاہ یا مینار۔ فہرست کچھ اس قسم کی بنی تھی اور بحث و تمحیص کے بعد کام یابی کا سہرا سر مینار سجایا گیا۔ موقع و محل کی نسبت ہو یا صورت و ساخت کی نسبت؛ ماہرین کا متفق ہونا ممکن نہیں۔ اقبال پارک کے مشرق اور شمال میں وسعت اور ہریالی، مغرب میں ایک محلہ، کچھ جھگیاں اور گندہ نالا، جنوب میں قلعہ، گوردوارہ اور مسجد عالم گیری واقع ہے۔ سطحِ زمین سے دیکھا جائے تو تین سفید بیضوی، نوک دار گنبد اور چار بلند سرخ پہلو دار مینار اِس قطعے پر حاوی ہیں۔ ذرا بلندی سے دیکھیں تو اندرون شہر، دریائے راوی اور جہاں گیر کے مقبرے کے چار مینار بھی اِس منظر کا حصہ بن جاتے ہیں۔ آٹھ میناروں کے ہوتے ہوئے نویں مینار کا اِضافہ کسی نے حُسن جانا اور کسی نے بد ذوقی۔ اس بات کو البتہ سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ عمارت اپنی نسبت کی حیثیت سے منفرد ہے۔ دنیا میں کسی قرارداد کو منظور کرنے کی یاد اِس طرح نہیں منائی گئی کہ جلسہ گاہ میں ایک مینار تعمیر کر دیا جائے۔

تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ مینار کی ابتدائی صورت؛ دفاعی ضرورت کے تحت وجود میں آئی، پھر اِس کی علامتی حیثیت قائم ہوئی۔ اِس کے بعد یہ دین کا ستون بنا اور آخر کار نشانِ خیر کے طور پر بنایا جانے لگا۔ مینارِ قرارداد؛ اِن ساری حیثیتوں پر محیط ہے۔ یہ نظریاتی دفاع کی ضرورت، تحریکِ آزادی کی علامت، دین کی سرفرازی کا گواہ اور ہماری تاریخ کا ایک نشانِ خیر ہے۔

دفاعی میناریں تو میسوپوٹیمیا کی اختراع بتائے جاتے ہیں مگر اِن کو سب سے زیادہ استعمال کرنے والے اہلِ روم اور بازنطینی تھے۔ اُن کے یہاں شہر کی فصیل سے لے کر ہر بڑی حویلی میں جا بہ جا مینار بنے ہوئے تھے۔ اُن دنوں دنیا کی آبادی مختصر اور جغرافیے کا علم کم تر تھا۔ فنِ حرب کا درجہ بھی

پست تھا۔ حملہ آور گنے چنے اور اُن کے ہتھیار دیکھے بھالے تھے۔ لہٰذا دفاع کے لیے یہ کوتاہ قامت مینار ہی بہت کافی تھے۔ علم اور آبادی دونوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ فنِ حرب کا درجہ بھی بلند ہوتا چلا گیا۔ جنگوں کی تعداد اور شدت میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ جگہ جگہ مضبوط سے مضبوط تر اور بلند سے بلند تر مینار بننے لگے۔ آبنائے باسفورس، جنوبی فرانس اور وسط چین کی مشہور فصیلیں اور مینار اسی دور کی یادگار ہیں۔ دیوارِ چین میں، جو اَب ہاتھی کے دانت کی طرح صرف دکھانے کے آتی ہے، جا بہ جا دفاعی مینار اور بُرج بنے ہوئے ہیں۔ چین گئے تو دیوار دیکھنے کی خواہش کا اظہار کی۔ دیوار بھی دیکھی اور اہلِ دیوار بھی۔ معلوم ہوا کہ جو کام پہلے دیواروں سے لیا جاتا تھا اب وہ دیوانوں سے لیتے ہیں۔ جہاں لوگ شانہ بہ شانہ، صف بہ صف ایک دوسرے سے پیوست ہو جائیں تو وہی سدِ سکندری ہے اور وہی سدِ یاجوج۔ ایک دن ہم دیوار کی طرف روانہ ہوئے، سڑک میدان سے گزر کر پہاڑی سلسلے میں داخل ہو چکی تھی۔ دُور سے ایسا معلوم ہوا کہ جہاں پہاڑ اور افق ملتے ہیں وہاں کسی نے سیاہ پنسل سے ایک مدہم سی لکیر لگا دی ہے۔ کچھ اور آگے گئے تو دُور تک سلسلۂ کوہ سنجافی نظر آیا۔ نزدیک پہنچے تو یہ مدہم سی لکیر حیرت کدۂ ہنر بن گئی اور جسے ہم نے سنجاف سمجھا تھا، وہ ایک سنگلاخ حقیقت نکلی۔ دیوار عمود وار ایک پہاڑی پر چڑھتی تھی اور چوٹی پر ایک دفاعی مینار بنا ہوا تھا۔ میں نے جیب سے پچاس یوآن کا نوٹ نکالا اور ساتھیوں سے کہا کہ یہ انعام مینار پر سب سے پہلے پہنچنے والے کو ملے گا۔ سبھی بھاگ پڑے اور میں نے جانا کہ یہ نوجوان بھی پس ماندہ ملکوں کی طرح زرِ مبادلہ کی دوڑ میں شریک ہو گئے ہیں۔ ذرا سی دیر میں بھاگنے والوں کا دم پھول گیا اور ایک ایک کر کے فرش پر بیٹھ گئے۔ مینار اب بھی اُتنا ہی دُور نظر آتا تھا اور اگر اس میں یہ خوبی نہ ہوتی تو اب تک دیوارِ چین میں کئی بار نقب لگ چکی ہوتی۔ یہ کام جو بڑے بڑے ملک نہ کر سکے، اُردو شاعری نے کر دکھایا، شعر ہے:

میرے شیون سے فقط قصرِ فریدوں نہ گرا
سدِ اسکندر، اورنگ نشیں بیٹھ گئی

اب صرف حضرت ناظم کو جن کا یہ شعر ہے، کیوں قصوروار ٹھہرایئے۔ قصور ہے تو خود ہمارے مزاج کا۔ دیوارِ چین تو نہیں البتہ دیوارِ چمن تو حضرت غالبؔ نے بھی ڈھا دی تھی، کہتے ہیں:

بر شکالِ گریۂ عاشق ہے دیکھا چاہیے
کھل گئی مانندِ گل، سو جا سے دیوارِ چمن

دفاعی مینار پر چڑھنے کی جو حسرت دل کی دل میں رہ گئی تھی اُسے میں نے مغربی پاکستان کے قبائلی علاقے میں جا کر پورا کیا۔ میں نے ایک سردار کے یہاں کھانا کھایا اور مہمان کا حق آسائش استعمال کرتے ہوئے مٹی کے اُس مینار پر جا چڑھا جو حویلی کے ایک کونے میں بنا ہوا تھا۔ باہر سے تو اس کی لپائی کی ہوئی تھی مگر اندر سے مینار تاریک اور خستہ تھا۔ خاک ریزے سے روشنی کی جو کرن اندر آتی تھی وہی ہمارا زینہ تھا۔ مینار کی شہ نشین میں ایک ٹوٹی کرسی اور چند کارتوس پڑے ہوئے تھے۔ پاس ہی ایک ٹرانسسٹر بج رہا تھا۔ میں نے کبھی ٹاٹ میں مخمل کا پیوند تو نہیں دیکھا مگر میسوپوٹیمیا کے دفاعی میناروں کی طرز کے ہزارہا سال پرانے مٹی کے میناروں میں بیسویں صدی کا گاتا بجاتا پیوند لگا ہوا ضرور دیکھا۔ سمندر کے کنارے جو مینار نشانِ راہ کے طور پر بنائے جاتے ہیں اُن کے بالائی حصے رات کو روشن رہتے ہیں اس لیے اُنھیں ''روشن مینار'' کہتے ہیں۔ میں نے سن رکھا تھا کہ یہ مینار طوفانی علاقوں میں خطرناک چٹانوں پر بنائے جاتے ہیں اور ان میں رات کو روشنی کرنے والے کی زندگی جفاکشی اور تنہائی سے عبارت ہے۔ اگر طوفان آ جائے تو دنوں تک اہلِ مینار کا تعلق دنیا سے منقطع ہو جاتا ہے۔ میں ایک ایسا ہی روشن مینار دیکھنے گیا۔ ہر چیز بدل چکی تھی۔ روشنی اب تیل سے نہیں بلکہ گیس اور بجلی سے کی جاتی

ہے۔ مینار والے کی نوکری تخفیف میں آچکی ہے۔ ان میناروں کو کسی رکھوالے کی ضرورت نہیں رہی۔ سبک سارانِ ساحل شام کو بٹن نیچے کر دیتے ہیں اور صبح کو اوپر۔ آہستہ آہستہ پرانے بادہ کش اٹھتے جا رہے ہیں۔ ترقی نے انفرادی صفات کے اظہار کی کتنی ہی راہیں بند کر دی ہیں اور شجاعت زندگی کے کتنے ہی شعبوں میں غیر ضروری بلکہ مضر قرار دے دی گئی ہے۔

میں نے ایک اور روشن مینار بھی دیکھا ہے۔ پہلے تو یہ میرے ذہن میں نقشے پر لگے ہوئے نقطے کی صورت میں محفوظ رہا اور پھر ایک دن آنکھیں جھپکیں تو وہ نقطہ مینار بن چکا تھا۔ ایشیا کے نقشے پر نظر ڈالیں تو سائبیریا سے لنکا تک خشکی نظر آتی ہے۔ لنکا کے جزیرے کی شکل نقطے میں دیکھا تو گمان گزرا جیسے قدرت کی آنکھوں سے خشکی کا آخری قطرہ ٹپک کر سمندر میں گر پڑا ہو۔ اس جزیرے کی جنوبی حد ہمارے نقشے میں زمین کی آخری حد تھی۔ اسکول کے طالب علم نے سوچا کہ خشکی کی اس حدِ آخر پر کھڑا ہو کر اگر یہ کہیں کہ ایشیا میرے قدموں میں سائبیریا تک پھیلا ہوا ہے تو یہ بات جغرافیے کی رُو سے درست اور تاریخ کی رُو سے نادرست ہو گی۔ یہ خیال نہ جانے کب آیا اور کتنے سال لاشعور میں گم رہنے کے بعد ایک دن مسکراتا ہوا میرے سامنے آ گیا۔ میں ایک بحری جہاز کے عرشے پر کھڑا تھا۔ اعلان ہوا کہ اب ہم لنکا کے گرد گھومتے ہوئے جزیرے کی جنوبی حد کے پاس سے گزر رہے ہیں۔ میری آنکھوں میں چمک آ گئی، سامنے جزیرے کے آخری ساحل پر ایک روشن مینار دمک رہا تھا۔

(آوازِ دوست)

مختار مسعود (۱۹۲۶ء تا ۲۰۱۷ء)

مختار مسعود کی پیدائش سیال کوٹ میں ہوئی۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے تعلیم مکمل کی۔ ان کی تاریخ پیدائش سے متعلق مختلف روایات ہیں۔ ان کے والد معروف اقبال شناس اور معاشیات کے استاد شیخ عطاءاللہ کا تعلق ضلع گجرات کے علاقے جلال پور جٹاں سے تھا اور علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں معاشیات مضمون کے پروفیسر کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔ والد کے علمی کارناموں اور علامہ اقبالؒ سے عقیدت کا اثر مختار مسعود پر بھی ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ مختار مسعود اردو، اسلام، اقبال اور پاکستان سے جذباتی وابستگی رکھتے تھے۔

قیامِ پاکستان کے بعد والد صاحب کے ساتھ پاکستان آئے اور مقابلے کا امتحان پاس کر کے سول سروسز میں مختلف عہدوں پر تعینات ہو کر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ جس زمانے میں ''مینارِ پاکستان'' کی تعمیر کا منصوبہ بنایا جا رہا تھا اُس وقت مختار مسعود لاہور کے کمشنر تھے۔ مختار مسعود ہی نے اس کا نام ''یادگارِ پاکستان'' سے ''مینارِ پاکستان'' کرایا تھا۔

مختار مسعود کی اہم تصانیف میں ''آوازِ دوست''، ''سفر نصیب''، ''لوحِ ایام'' اور ''حرفِ شوق'' شامل ہیں۔ مختار مسعود کے منفرد اسلوب میں ان کی زبان و بیان اور روزمرہ محاورے کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ نپی تلی نثر، نفاست سے تراشی ہوئی تراکیب، تہذیب و شائستگی میں رچی بسی جملہ آرائی اور تاریخ و ادب کے حوالے جات مختار مسعود کے اسلوبِ تحریر کو امتیازی حیثیت عطا کرتے ہیں۔ ۲۰۰۳ء میں مختار مسعود کو حکومتِ پاکستان کی جانب سے ستارۂ امتیاز کے اعزاز سے نوازا گیا۔

مشق

۱۔ درج ذیل عبارت کو پڑھ کر دیے گئے سوالات کے جواب لکھیں:

دفاعی مینار پر چڑھنے کی جو حسرت دل کی دل میں رہ گئی تھی اُسے میں نے مغربی پاکستان کے قبائلی علاقے میں جا کر پورا کیا۔ میں نے ایک سردار کے یہاں کھانا کھایا اور مہمان کا حق آسائش استعمال کرتے ہوئے مٹی کے اُس مینار پر جا چڑھا جو حویلی کے ایک کونے میں بنا ہوا تھا۔ باہر سے تو اس کی لپائی کی ہوئی تھی مگر اندر سے مینار تاریک اور خستہ تھا۔ خاک ریزے سے روشنی کی جو کرن اندر آتی تھی وہی ہمارا زینہ تھا۔ مینار کی شہ نشین میں ایک ٹوٹی کرسی اور چند کارتوس پڑے ہوئے تھے۔ پاس ہی ایک ٹرانسسٹر بج رہا تھا۔ میں نے کبھی ٹاٹ میں مخمل کا پیوند تو نہیں دیکھا مگر میسوپوٹیمیا کے دفاعی میناروں کی طرز کے ہزارہا سال پرانے مٹی کے میناروں میں بیسویں صدی کا گاتا بجاتا پیوند لگا ہوا ضرور دیکھا۔ سمندر کے کنارے جو مینار نشانِ راہ کے طور پر بنائے جاتے ہیں اُن کے بالائی حصے رات کو روشن رہتے ہیں اس لیے اُنھیں "روشن مینار" کہتے ہیں۔ میں نے سن رکھا تھا کہ یہ مینار طوفانی علاقوں میں خطرناک چٹانوں پر بنائے جاتے ہیں اور ان میں رات کو روشنی کرنے والے کی زندگی جفاکشی اور تنہائی سے عبارت ہے۔ اگر طوفان آ جائے تو دنوں تک اہلِ مینار کا تعلق دنیا سے منقطع ہو جاتا ہے۔ میں ایک ایسا ہی روشن مینار دیکھنے گیا۔ ہر چیز بدل چکی تھی۔ روشنی اب تیل سے نہیں بلکہ گیس اور بجلی سے کی جاتی ہے۔ مینار والے کی نوکری تخفیف میں آ چکی ہے۔ ان میناروں کو کسی رکھوالے کی ضرورت نہیں رہی ٹبک ساران ساحل شام کو بٹن نیچے کر دیتے ہیں اور صبح کو اوپر۔ آہستہ آہستہ پرانے بادہ کش اٹھتے جا رہے ہیں۔ ترقی نے انفرادی صفات کے اظہار کی کتنی ہی راہیں بند کر دی ہیں اور شجاعت زندگی کے کتنے ہی شعبوں میں غیر ضروری بلکہ مضر قرار دے دی گئی ہے۔

سوالات:

الف۔ مصنف نے دفاعی مینار پر چڑھنے کی حسرت کہاں اور کیسے پوری کی؟

ب۔ مٹی کے مینار کی باہر اور اندر سے کیا حالت تھی؟

ج۔ سمندر کے کنارے بنے میناروں کو "روشن مینار" کیوں کہا جاتا ہے؟

د۔ روشن میناروں کے متعلق مصنف نے کیا سن رکھا تھا؟

ہ۔ مصنف کے مطابق اب روشن میناروں کی دنیا کس حد تک بدل چکی ہے؟

اصطلاحی، مجازی معانی:

لغوی معانی کے علاوہ کئی لفظوں کے مجازی معانی بھی ملتے ہیں اور انھیں لغوی معنوں کے بعد درج کیا جاتا ہے۔ مثلاً: بنیادی طور پر مجازی سے مراد کوئی بھی ایسی شے ہوتی ہے جو اپنی ماہیت اور روح میں تو اصل یا حقیقی جیسی ہو یا اس سے قریب ہو مگر حقیقی نہ ہو۔ جیسے ایک انسان کے سائے کو ایک انسان کی ساخت سے تشبیہ دے دی جائے۔ تو یہ سایہ انسان کے لیے مجازی تصور ہوگا۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ اس کے سر سے والد کا سایہ اٹھ گیا۔ یہاں لفظ "سایہ" اپنے مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

کچھ الفاظ ایسے ہوتے ہیں جن کے لغوی اور مجازی معنوں کے ساتھ ساتھ دیگر مفاہیم میں اصطلاحی معانی بھی آتے ہیں۔ مثلاً: مطلع کے لغوی معانی ہیں، طلوع ہونے یا نکلنے کی کیفیت یا موسم کی کیفیت۔ لیکن اصطلاح میں غزل یا قصیدے کا پہلا شعر؛ جس کے دونوں مصرعے آپس میں ہم قافیہ یا ہم قافیہ ہم ردیف ہوں۔

۲۔ طلبہ مجازی اور اصطلاحی محضر کی درج بالا وضاحت کو پیش نظر رکھ کر اپنا ذاتی نقطۂ نظر پیش کرتے ہوئے گفت گو کریں۔

۳۔ درج ذیل افسانوی اقتباس (ڈراما: دستک) اور غیر افسانوی اقتباس (مزاحیہ مضمون: سویرے جو کل آنکھ میری کھلی) کو ان اسلوب اور بیان کے پیش نظر خاص مقاصد (تفہیم، تجزیہ، موازنہ وغیرہ) کے لیے پڑھیں۔ جہاں مشکل پیش آئے، اپنے استاد محترم/استانی صاحبہ سے رہ نمائی حاصل کریں:

(1)

(ڈاکٹر زیدی کا کمرا:
ڈاکٹر صاحب پلنگ پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں۔ عمر پچپن کے لگ بھگ، فرنچ کٹ ڈاڑھی، چہرے پر نقاہت نمایاں۔ اس وقت انھوں نے کمبل لپیٹ رکھا ہے۔ پلنگ کے پاس چھوٹی میز پر مختلف شیشیاں۔
رات، طوفان، تیز و تند ہوا کا مستقل شور ہوتا رہتا ہے۔ بیگم زیدی آرام کرسی پر بیٹھی کسی رسالے کا مطالعہ کر رہی ہیں۔ عمر پچاس کے قریب، سردی کی وجہ سے شال اوڑھ رکھی ہے۔
ڈاکٹر زیدی کچھ سوچتے ہوئے سے معلوم ہوتے ہیں۔ یکایک اُن کی نظر سامنے دروازے پر جا پڑتی ہے جس پر نیلے رنگ کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ بیگم اُنھیں دیکھتی ہیں اور پھر رسالے کی ورق گردانی کرنے لگتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کچھ کہتے ہیں مگر بہت آہستہ۔ صرف اُن کے ہونٹ حرکت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ پھر کمبل اپنے جسم سے ہٹانے لگتے ہیں۔ بیگم کی نظر پڑتی ہے۔)

بیگم: کیا ہے زیدی؟
زیدی: دستک سنی؟
بیگم: دستک!!!
زیدی: سنی نہیں تم نے؟
(ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ رک جاتے ہیں)
بیگم: ہو تو سنوں بھی! کہاں ہے دستک؟
زیدی: کہاں ہے دستک؟ یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ دیکھو تو جا کر۔ کوئی آیا ہے دروازے پر، کوئی کھٹکھٹا رہا ہے دروازہ!
بیگم: کوئی نہیں!
زیدی: صاف آواز آرہی ہے۔ نہیں جانا چاہتیں تو میں خود۔۔۔
(ڈاکٹر صاحب کمبل ہٹانے لگتے ہیں۔)
(بیگم رسالہ کرسی پر رکھ کر اٹھتی ہیں اور ان کی طرف آتی ہیں۔)
بیگم: کیا کر رہے ہیں آپ!
زیدی: دیکھتا ہوں دروازے پر کون ہے؟ تم تو جاتی ہی نہیں!!

بیگم: مہربانی کر کے بیٹھے رہیے، دروازے پر کوئی بھی نہیں۔
زیدی: تو یہ دستک؟
(بیگم اُن کے گرد کمبل لپیٹنے لگتی ہے)
بیگم: تیز ہوا کا شور ہے۔
زیدی: تیز ہوا دروازے پر دستک دیا کرتی ہے! تم جا کے دیکھو تو ذرا۔
بیگم: میں کہتی ہوں کوئی نہیں ہے۔ خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں!
زیدی: ذرا سنو تو۔ صاف، بالکل صاف۔۔۔ دستک نہیں تو اور کیا ہے؟
بیگم: آپ کا وہم ہے!
زیدی: دیکھو اب زیادہ زور سے ہونے لگی ہے۔ یہ وہم ہے کیا؟
(پھر اٹھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بیگم اُن کا ہاتھ پکڑ لیتی ہیں)
بیگم: خدا کے لیے لیٹے رہیے۔ آپ تو خود ڈاکٹر ہیں۔ ڈاکٹر ہو کر ایسی حرکتیں کر رہے ہیں، اپنی حالت کا ذرا خیال کریں۔
زیدی: تم ایک مرتبہ جا کر دیکھ نہیں آتیں۔
بیگم: میں جانتی ہوں دروازے پر کوئی نہیں۔ خیر دیکھ آتی ہوں۔
(یوں سر کو جُنبش دیتی ہیں جیسے اس کام کو بے کار سمجھ رہی ہیں۔ دروازے کی طرف جاتی ہیں۔ زیدی اُنھیں ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہتے ہیں۔ بیگم پردے کے پیچھے چلی جاتی ہیں دو تین لمحوں کے بعد پردے سے باہر آتی ہیں۔)

(2)

گیدڑ کی جب موت آتی ہے تو شہر کی طرف بھاگتا ہے۔ ہماری جو شامت آئی تو ایک دن اپنے پڑوسی لالہ کرپا شنکر جی برہم چاری سے برسبیلِ تذکرہ کہہ بیٹھے کہ: "لالہ جی! امتحان کے دن قریب آتے جاتے ہیں، آپ سحر خیز ہیں ذرا ہمیں بھی جگا دیا کیجیے۔"

وہ حضرت بھی معلوم ہوتا ہے، نفلوں کے بھوکے بیٹھے تھے۔ دوسرے دن اُٹھتے ہی انھوں نے ایشور کا نام لے کر ہمارے دروازے پر مکا بازی شروع کر دی۔ کچھ دیر تک ہم سمجھے کہ عالمِ خواب ہے، ابھی سے کیا فکر؟ جاگیں گے تو لاحول پڑھ لیں گے لیکن یہ گولہ باری لحظہ بہ لحظہ تیز ہوتی گئی اور کمرے کی چوبی دیواریں لرزنے لگیں۔ صراحی پر رکھا ہوا گلاس جل ترنگ کی طرح بجنے لگا اور دیوار پر لٹکا ہوا کیلنڈر پنڈولم کی طرح ہلنے لگا تو بے داری کا قائل ہونا ہی پڑا مگر اب بھی دروازہ ہے کہ لگاتار کھٹکھٹایا جا رہا ہے۔ میں کیا، میرے آباؤ اجداد کی روحیں اور میری قسمتِ خوابیدہ تک جاگ اٹھی۔ بہتیرا آوازیں دیتا ہوں: "اچھا! اچھا! تھینک یو، جاگ گیا ہوں، بہت اچھا! نوازش ہے۔" آں جناب ہیں کہ سنتے ہی نہیں۔ خدایا! کس آفت کا سامنا ہے۔ یہ سوتے کو جگا رہے ہیں یا مردے کو جلا رہے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تو بس واجبی طور پر ہلکی سی آواز میں "قُم" کہہ دیا کرتے ہوں گے۔ زندہ ہو گیا تو ہو گیا نہیں تو چھوڑ دیا۔ کوئی مردے کے پیچھے لَٹھ لے کر پڑ جایا کرتے تھے؟ توپیں تھوڑی داغا کرتے تھے۔ یہ تو ہم سے بھلا کیسے ہو سکتا تھا کہ اٹھ کر دروازے کی چٹخنی کھول دیتے۔ پیش تر اِس کے کہ باہر بستر سے نکلیں، دل کو جس قدر سمجھانا بجھانا پڑتا ہے۔ اِس کا اندازہ کچھ اہلِ ذوق ہی لگا سکتے ہیں۔ آخر کار جب لیمپ جلایا اور ان کو باہر سے روشنی نظر آئی تو طوفان تھما۔

۴۔ میر امن دہلوی کی تحریر "باغ و بہار" کے حصے "شروع قصے کا" کے متن سے لیے گئے درج ذیل مانوس و غیر مانوس الفاظ و تراکیب،، محاورات، ضرب الامثال، مترادفات، مرکبات پر مشتمل فقرات کو سمجھ کر پڑھیں اور موقعے کی مناسبت سے اپنی گفت گو میں بر محل ان کا استعمال کریں:

۔ذرا کان دھر کر سنو اور منصفی کرو۔

۔یہی ارمان جی میں باقی ہے کہ میرا نام لیوا اور پانی دیوا کوئی نہیں۔

۔ایسے چین سے گزران کرتے اور خوشی سے رہتے کہ ہر ایک کے گھر میں دن عید اور رات، شبِ برات تھی۔

۔کئی سلطان نعل بندی دیتے تھے۔

۔بادشاہ دیکھ کر آب دیدہ ہوئے۔

۔سوائے رونے اور آہ بھرنے کے کوئی کام نہ تھا۔

۔ایک نظر دیکھ کر قدم بوسی کروں تو خاطر جمع ہو۔

۔زار بہ زار رونے اور دُبلاپے سے آنکھوں میں حلقے پڑ گئے۔

۔وہ مثل ہے: ساری رات سوئے، اب صبح کو بھی نہ جاگیں۔

۔جب دوپہر ہوئی، برخاست ہو کر اندرونِ محل داخل ہوئے، خاصہ نوشِ جاں فرما کر خواب گاہ میں آرام کیا۔

۔جب تھوڑی شب باقی رہے، تب لوٹ پوٹ رہیں گے۔

۵۔سعادت حسن منٹو کا معروف افسانہ ''نیا قانون'' بیسویں صدی کی تیسری دہائی کے سیاسی حالات اور عوامی بے داری کی عکاسی کرتا ہے۔ درج ذیل اقتباس کو پڑھیں اور اُس زمانے کی تاریخ سے واقف ہوتے ہوئے عصری تناظر میں اس کا تجزیہ و تبصرہ کریں کہ کیا واقعی موجودہ دور میں حکم ران طبقہ عوام کے حقوق کے لیے صحیح معنوں میں عملی اقدامات کر رہا ہے یا پھر منگو کوچوان کی طرح محض عوام کو دھوکے میں رکھا ہوا ہے۔ ان کی زندگی میں بدلنا کچھ نہیں ہے اور عوام کے سر پر اشرافیہ نے مسلط ہی رہنا ہے۔

ششدر و متحیر گورے نے ادھر ادھر سمٹ کر استاد منگو کے وزنی گھونسوں سے بچنے کی کوشش کی اور جب دیکھا کہ اس کے مخالف پر دیوانگی کی سی حالت طاری ہے اور اس کی آنکھوں میں سے شرارے برس رہے ہیں تو اس نے زور زور سے چلانا شروع کیا۔ اس کی چیخ پکار نے استاد منگو کی بانہوں کا کام اور بھی تیز کر دیا۔ وہ گورے کو جی بھر کے پیٹ رہا تھا اور ساتھ ساتھ یہ کہتا جاتا تھا: ''پہلی اپریل کو بھی وہی اکڑ فوں۔۔۔ پہلی اپریل کو بھی وہی اکڑ فوں۔۔۔ اب ہمارا راج ہے بچہ!''

لوگ جمع ہو گئے اور پولیس کے دو سپاہیوں نے بڑی مشکل سے گورے کو استاد منگو کی گرفت سے چھڑایا۔ استاد منگو ان دو سپاہیوں کے درمیان کھڑا تھا اس کی چوڑی چھاتی پھولی سانس کی وجہ سے اوپر نیچے ہو رہی تھی۔ منہ سے جھاگ بہہ رہا تھا اور اپنی مسکراتی ہوئی آنکھوں سے حیرت زدہ مجمع کی طرف دیکھ کر وہ ہانپتی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔

''وہ دن گزر گئے جب خلیل خاں فاختہ اڑایا کرتے تھے۔۔۔ اب نیا قانون ہے میاں۔۔۔ نیا قانون!''

اور بے چارا گورا اپنے بگڑے ہوئے چہرے کے ساتھ بے وقوفوں کی مانند کبھی استاد منگو کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی ہجوم کی طرف۔

استاد منگو کو پولیس کے سپاہی تھانے میں لے گئے۔ راستے میں اور تھانے کے اندر کمرے میں وہ ''نیا قانون، نیا قانون'' چلاتا رہا مگر کسی نے ایک نہ سنی۔

''نیا قانون، نیا قانون۔ کیا بک رہے ہو۔۔۔ قانون وہی ہے پرانا!!!'' اور اس کو حوالات میں بند کر دیا گیا!

اُردو نثر میں مضمون کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ کسی موضوع پر اپنے افکار و خیالات اور جذبات کو مربوط اور مدلّل انداز میں لکھنا اور اپنی رائے کا اظہار کرنا مضمون نویسی کہلاتا ہے۔ مضمون لکھتے وقت کچھ اصول و ضوابط کا خیال رکھنا پڑتا ہے جن کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے علمی، ادبی، سیاسی، مذہبی، سنجیدہ یا مزاحیہ موضوعات کو احاطہ تحریر میں لایا جاسکتا ہے۔ مضمون تین حصّوں پر مشتمل ہوتا ہے:

(i)۔ تمہید یا تعارف (ii)۔ اصل مضمون / نفسِ مضمون / متن (iii)۔ اختتام یا ذاتی رائے

مضمون کئی زاویوں اور انداز سے لکھا جا سکتا ہے۔ دلیل والا مضمون؛ تحقیقاتی مواد، اعداد و شمار اور مضمون نگار کی ذاتی رائے پر مشتمل ہوگا۔ بڑے پیمانے پر کی گئی تحقیقات پر مشتمل اس مضمون کی زبان سیدھی سادی زبان استعمال ہوتی ہے۔ وضاحتی مضمون میں کسی موضوع پر وضاحت کے ساتھ غیر جانب داری کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ وضاحتی مضمون کا مقصد کسی موضوع پر رائے بنائے بغیر اس کا تجزیہ کرنا ہوتا ہے۔ یہ کسی خاص شعبے میں مضمون نگار کی مہارت کا اظہار ہوتا ہے۔

موازنہ اور تضاد مضمون دو پہلوؤں پر بحث کرتا ہے، مماثلت اور فرق کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ اس مضمون میں ایک پیرا گراف مماثلت اور ایک پیرا گراف اختلاف پر بحث کے لیے مختص کیا جاتا ہے۔ وجہ اور اثر مضمون میں بتایا جاتا ہے کہ چیزیں اس طرح کیوں ہیں؛ وہ کیسے وقوع پذیر ہوئیں؛ اور آگے کیا ہوگا۔ اس قسم کا مضمون لکھتے وقت واقعات کے دو مجموعوں کے درمیان ایک منطقی تعلق پیدا کیا جاتا ہے۔

بیانیہ مضمون ایک کہانی بتاتا ہے اور عمومی طور پر ذاتی نوعیت کا ہوتا ہے۔ یہ مضمون باہمی تجربے کو پھیلانے کے لیے رقم کیا جاتا ہے۔ اس مضمون نے مختلف قسم کے چیلنجز کی کھوج لگانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ وضاحتی مضمون ایک مختصر قسم کا مضمون ہوتا ہے اور عام طور پر ایک صفحے کو محیط ہوتا ہے۔ جہاں ادب، کتاب، ناول، افسانے، ڈرامے یا شاعری کی وضاحت کی جاتی ہے۔ جب کہ تفصیلی مضمون میں کسی بھی موضوع پر حتی المقدور تمام تفصیلات لکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ان تفصیلات کو مختلف پیرا گرافوں میں ایک مربوط انداز میں تحریر کیا جاتا ہے۔ بحثی مضمون میں مضمون نگار اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ وہ موضوع کے دو مقامات، پہلوؤں اور زاویوں سے آگاہ ہے۔

٦۔ مضمون نویسی کے مختلف اندازِ تحریر کو مدِ نظر رکھتے ہوئے درج ذیل موضوعات کو قلم بند کریں:

الف۔ موسمیاتی / ماحولیاتی تبدیلیاں

ب۔ آئینِ پاکستان اور حقوقِ انسانی

ج۔ بین المذاہب ہم آہنگی

د۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی

سرگرمی

انٹرنیٹ کو استعمال کرتے ہوئے دنیا کے پانچ معروف میناروں کی تصاویر ڈاؤن لوڈ کریں۔ ہر مینار کا پانچ پانچ سطروں میں مختصر تعارف لکھ کر جماعت کے دیگر ساتھیوں کے سامنے پیش کریں۔

۱۰ نظریۂ پاکستان

یہ سبق پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

- نظم و نثر کو فہم کے ساتھ پڑھ کر مصنف / شاعر کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی سوالات کے جوابات دے سکیں۔
- کسی بھی نظم یا نثر کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھ سکیں۔
- مختلف تحریری سرگرمیوں میں الفاظ کی درست املا کا خیال رکھتے ہوئے تحریری کام پر نظرِ ثانی اور ادارت (پروف ریڈنگ) کر سکیں۔
- مختلف مقاصد کے لیے مرتب کردہ دفتری اور عدالتی مواد (مختلف فارم، رجسٹری برائے کرایہ، تقرر نامے، ملازمت کی درخواست، نکاح نامہ، عرضی، عدالتی حکم نامے، ضمانتی مچلکے وغیرہ) پر مبنی متن پڑھ سکیں اور اس کے مقصدِ تحریر کی اہمیت سے واقف ہو سکیں۔
- مختلف سامعین اور مقاصد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کسی بھی موضوع پر اشعار اور حوالوں کے ساتھ کم از کم ۳۵۰ الفاظ پر مشتمل تقریر لکھ سکیں۔
- افسانوی اور غیر افسانوی اقتباس کو اس کے اسلوب اور بیان کے پیشِ نظر خاص مقاصد (تفہیم / تجزیہ / موازنہ) کے لیے پڑھ سکیں۔
- منتخب اقتباسات (انگریزی سے اردو) کے اصل معانی و مفہوم اور مقاصد کو برقرار رکھتے ہوئے تراجم کر سکیں۔

خاص الفاظ	رَواداری	اہلِ مَغرِب	کُفر والحاد	غَلَبہ	قید وبَند
	فَروغ	نِفاق	رائج	مُستحکم	مَفاہَمت

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو نظریہ پاکستان کی اہمیت کے بارے میں بتائیں اور پاکستان کے تمام صوبوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے ان کی رہنمائی کریں۔

- تحریکِ پاکستان میں شامل چند شخصیات کے نام بتائیں۔
- نظریہ کسے کہتے ہیں؟

پڑھیں

مسلمانوں نے ہمیشہ رواداری کو اپنا شیوہ بنایا ہے لیکن جب کفر والحاد اپنا غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو مسلمان اس کے مقابلے میں ڈٹ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ بادشاہ اکبر کی بے جا رواداری اور ملکی سیاست میں ہندوؤں کے عمل دخل کی وجہ سے ملک میں کافرانہ طور طریقے اس قدر رائج ہو گئے تھے کہ مسلمانوں کی آزادی خود اس کے دینی معاملات میں بھی ختم ہو گئی تھی۔ چنانچہ اکبر کے آخری دور میں اسلام کی سربلندی کے لیے حضرت مجدد الف ثانیؒ کھڑے ہوئے۔ آپؒ نے جہاں گیر کے زمانے میں محض دین کی خاطر قید وبند کی سختیاں جھیلیں اور اسلامی قدروں کو نئے سرے سے فروغ دیا۔ اس کے اثر سے شاہ جہاں اور اس کے بعد اس کا بیٹا اورنگ زیب، دین کا خادم بنا، لیکن اورنگ زیب کے بعد ہی اس کے بیٹوں کے باہمی نفاق اور کم زوری کی وجہ سے مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہو گیا۔ مرہٹوں اور ہندوؤں کے کئی گروہوں نے سر اٹھایا۔ انگریزوں نے اپنے قدم جمائے اور ملک میں انتشار پھیل گیا؛ لیکن ایسے گئے گزرے حالات میں بھی قوم کو فروغ دینے اور اسلام کو سربلند کرنے کے لیے کوششیں جاری رہیں۔ چنانچہ میسور کے سلطان حیدر علی

اوراس کے بیٹے سلطان ٹیپو نے نہ صرف ہندوؤں اور انگریزوں کا مقابلہ کیا؛ بلکہ افغانستان، ترکی اور پھر فرانس کو بھی اپنے ساتھ شامل کرنے کی کوشش کی لیکن ملک کے دوسرے سرداروں نے ساتھ نہیں دیا اور انھیں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

اسی زمانے میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے صاحب زادوں نے مسلمانوں کی اخلاقی اور معاشرتی برائیوں کو دُور کرنے کی تحریک شروع کی پھر ان کے پوتے شاہ اسماعیلؒ نے اپنے مرشد سید احمد بریلویؒ کے ساتھ اسلامی اصولوں کو دوبارہ رائج کرنے اور ملک کو غلامی سے آزاد کرانے کی کوشش میں ۱۸۳۱ء میں اپنی جانیں قربان کر دیں تاہم انھوں نے مسلمانوں کے دلوں میں جوش اور ولولہ پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں مسلمانوں نے پھر اپنے قدم جمانے کی کوشش کی لیکن انگریزی اقتدار مستحکم ہو چکا تھا۔ اس لیے انھیں کامیابی نہ ہو سکی۔ اس زمانے میں سرسید نے مجبوراً انگریزوں سے مفاہمت کو غنیمت جانا اور مسلمان قوم کی اخلاقی اور تہذیبی اصلاح پر توجہ دی اور ان کے دلوں سے احساس کمتری کو دور کرنے کی کوشش بھی کی۔

۱۸۸۵ء میں ہندوؤں نے کانگریس کی بنیاد ڈالی اور ظاہر یہ کیا کہ وہ ملک کی تمام قوموں کو ان کے حقوق دلوائیں گے لیکن بعد میں پتا چلا کہ وہ صرف اپنے حقوق کا تحفظ چاہتے ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں کو ان کے کاروبار سے بھی محروم کرنے کی کوشش کی اور وہ سرکاری ملازمتوں پر بھی قابض ہو گئے۔ نیز انھوں نے مسلمانوں کی مشترکہ زبان اُردو کے مقابلے میں ہندی کو قائم کر دیا۔ سرسید نے مسلمانوں کو ہندوؤں کی اس کانگریس اور ان کی سیاست سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی اور ان کے ایک دوست مولانا محمد قاسمؒ نے دیوبند میں مسلمانوں کی دینی تعلیم کی طرف توجہ دی۔ پھر سرسید کے ایک رفیق نواب وقار الملک نے ۱۹۰۶ء میں کل ہند مسلم لیگ کے نام سے مسلمانوں کی ایک الگ تنظیم کی بنیاد ڈالی۔ یہ تنظیم ڈھاکے میں قائم ہوئی تھی جہاں ہندوؤں نے سازش کر کے مسلمانوں کو زک پہنچانے کے لیے مشرقی بنگال اور آسام کا وہ صوبہ جس میں مسلمانوں کی اکثریت تھی ختم کرا دیا اور ۱۹۱۱ء میں اسی علاقے کو پھر بنگال میں شامل کرا دیا۔

اسی زمانے میں پہلی جنگِ عظیم چھڑ گئی، جس میں انگریز کا مقابلہ جرمنی سے ہوا اور ترکی نے جرمنی کا ساتھ دیا۔ ہندوستان کے مسلمان چونکہ ترکی کے سلطان کو حجاز کی خدمت کرنے کی وجہ سے خلیفۂ اسلام سمجھتے تھے، اس لیے انھوں نے مالی اور طبّی امداد بھی بہم پہنچائی جس کی وجہ سے حکومت برطانیہ کو مسلمانوں سے عناد پیدا ہو گیا لیکن انھوں نے یہاں کے مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا کہ ہمیں اس جنگ میں کامیابی حاصل ہوئی تو ہم کسی طرح بھی ترکی کو مزید نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ یہ وعدہ محض فریب تھا۔ چنانچہ جب انگریزوں کو فتح حاصل ہوئی تو وہ اپنے وعدے سے پھر گئے اور انھوں نے ترکی کی وسیع سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ یہاں کے مسلمانوں کو فریب کی وجہ سے بہت تکلیف پہنچی اور انھوں نے خلافت کے تحفظ کے لیے مولانا محمد علی جوہرؒ اور ان کے بڑے بھائی مولانا شوکت علیؒ کی رہ نمائی میں تحریکِ خلافت شروع کی۔ لیکن اسی زمانے میں ہندوؤں نے مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لیے شُدھی کی تحریک شروع کی اور ان کو ختم کرنے کے لیے سنگھٹن کی تحریک بھی شروع کی پھر ۱۹۲۸ء میں کانگریس نے جو نہرو رپورٹ شائع کی۔ اس میں مسلمانوں کے لیے علیحدہ نمائندگی کا اصول جو وہ بارہ سال پہلے تسلیم کر چکی تھی، بالکل نظر انداز کر دیا۔ پھر تو مسلمانوں میں بڑا جوش پیدا ہوا اور انھیں یقین ہو گیا کہ چونکہ ان کا دین، ان کی تہذیب اور ان کی معاشرت سب کچھ غیر مسلموں سے مختلف ہے، اس لیے کسی حالت میں ہندوؤں سے تعاون نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے الٰہ آباد والے اجلاس میں علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ وطن (پاکستان) بنانے کی تجویز پیش کی۔ چار سال کے بعد جب قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ نے مسلم لیگ کی صدارت کا عہدہ مستقل طور پر قبول کیا تو انھوں نے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش شروع کر دی۔ آخر کار ۲۳/مارچ ۱۹۴۰ء کو انھوں نے لاہور کے اجلاس میں واضح طور پر اعلان کر دیا کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی

اکثریت ہے وہاں ایک آزاد مسلم ریاست قائم کی جائے۔ اس اعلان کو "قراردادِ پاکستان" کہتے ہیں؛ جس کی رو سے مسلمانوں کی آزاد اور خود مختار حکومت قائم کرنے کا فیصلہ ہوا۔

یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ دنیا میں قومیت کی تشکیل کی دو بنیادیں ہیں۔ ایک وہ جو مغربی مفکرین نے قائم کی ہے، دوسری وہ جو رسولِ مقبول ﷺ کی قائم کی ہوئی ہے۔ اہلِ مغرب نے خاندانی، نسلی اور قبائلی بنیادوں میں ذرا وسعت پیدا کر کے قومیت کی بنیاد جغرافیائی حدود پر استوار کیں اور کہا کہ قوم وطن سے بنتی ہے۔ اس نظریے کی وجہ سے دنیا کے انسانوں کے درمیان تباہی کا جو دروازہ کھلا وہ دو عالمی جنگوں کے ہونے سے بخوبی ظاہر ہے۔ یہ وطنی قومیت ہی کی بنیاد پر لڑی گئی تھیں اور یہ وطنی قومیت جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو تحفظ دینے میں تو بالکل ہی ناکام تھی کیوں کہ جنوبی ایشیا کے مسلمان اس نظریے کے تحت ایک مجبور اقلیت بن جاتے۔

قومیت کی دوسری بنیاد وہ ہے جو رسولِ مقبول ﷺ نے ملت اسلامیہ کی تشکیل کرتے وقت قائم فرمائی اور جو مغرب کی تصور قومیت سے جدا ہے، جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے بھی فرمایا ہے:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ﷺ ہاشمی
اُن کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

مسلمانوں کی قومیت ایک نظریاتی قومیت ہے جو لا الہ الا اللہ پر قائم ہے، یعنی یہ کہ نسل، رنگ اور وطن کی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک نظریے، ایک عقیدے، ایک کلمے کی بنیاد پر وجود میں آئی۔ اس نظریاتی پہلو کو نمایاں کرنے کے لیے اسے ملت کہا گیا ہے۔ ایسی نظریاتی قومیت میں ہر نسل، ہر رنگ اور ہر جغرافیائی خطے کے لوگوں کے لیے جگہ ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو جن میں ہر نسل، ہر رنگ اور مختلف جغرافیائی خطوں کے لوگ شامل تھے، ایک ایسی قوم کے ماتحت اقلیت بن کر رہنا منظور نہ تھا جو اسلامی قومیت کے برعکس ذات پات، چھوت چھات اور بت پرستی کے بندھنوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ چنانچہ انھوں نے اپنی جداگانہ قومیت یعنی اسلامی قومیت کی بنیاد پر اپنے لیے ایک جدا وطن کا مطالبہ کیا جس میں وہ اپنے عقیدے، اپنے نظریہ زندگی، اپنے طرزِ معاشرت کے مطابق زندگی بسر کر سکیں اور ایک مسلمان کی حیثیت سے دورِ جدید کے چیلنج کا مقابلہ کر کے اپنے مستقبل کو سنوار سکیں۔

ہمیں اس بات کو بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ نظریۂ پاکستان میں اسلامی زندگی اور قدروں کا تصور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اخوت، مساوات، عدل، دیانت، انسانی ہمدردی اور عظمت کردار کے بغیر نظریۂ پاکستان کو فروغ نہیں ہو سکتا۔ نظریۂ پاکستان کا مقصد محض ایک حکومت قائم کرنا نہیں تھا کیوں کہ مسلمانوں کی حکومتیں ایشیا اور افریقا میں پہلے سے موجود تھیں۔ نظریۂ پاکستان کا مقصد اسلامی اصولوں کی ترویج و اشاعت اور اہلِ عالم کے لیے مثالی مملکت کا نمونہ فراہم کرنا ہے۔

پاکستان قائم کرنے کا فیصلہ ہندوؤں کو بہت ناگوار گزرا۔ انھوں نے پوری کوشش کی کہ یہ مملکت قائم نہ ہونے پائے۔ ان کے پاس دولت اور طاقت تھی۔ جنوبی ایشیا میں ان کی اکثریت تھی لیکن چونکہ قیامِ پاکستان کا مطالبہ حق اور انصاف پر مبنی تھا اس لیے حکومتِ برطانیہ کو مجبور ہونا پڑا اور قائداعظم محمد علی جناحؒ کی پُر خلوص قیادت، مسلمانوں کے یقین، اتحاد اور عمل پیہم کی وجہ سے ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرضِ وجود میں آگیا۔

پاکستان نے اپنے قیام سے اب تک بڑی ترقی کی ہے اور اس کا شمار دنیا کے اہم ملکوں میں ہوتا ہے۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ پاکستان اور زیادہ ترقی کرے اور ہمیشہ ترقی کرے تو ہمیں نظریۂ پاکستان کو ہر وقت پیش نظر رکھنا پڑے گا۔ اس کی بدولت ہم پاکستان کو زیادہ مستحکم اور شان دار بنا سکتے ہیں۔

نظریۂ پاکستان کا مقصد پاکستان کو ایک اسلامی اور فلاحی مملکت بنانا ہے۔ ہمیں ایسا کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہیے جس کی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔ ہمارا جینا اور مرنا پاکستان کے لیے ہونا چاہیے۔ قومی مفاد کے سامنے ذاتی مفاد کو دل سے نکال دینا چاہیے۔ ہر قسم کی گروہ بندی سے بالاتر ہو کر تمام پاکستانیوں کی فلاح و بہبود کی کوشش کرنا نظریۂ پاکستان کو فروغ دینا ہے۔ اگر ہم نے نظریۂ پاکستان کو پیش نظر رکھا اور اپنی سیرت اور کردار کو اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی تو دنیا کی دوسری قوموں میں بھی ہمیں امتیاز حاصل ہوگا اور ہم اسلامی اصولوں کی روشنی میں پاکستان کو توانا، مستحکم، شان دار اور پُر عظمت بنانے میں پوری طرح کامیاب ہوں گے۔ ان شاء اللہ

(گلشن وحدت)

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان (۱۹۱۲ء-۲۰۰۴ء)

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، جبل پور (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد کا نام گلاب خان تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ ۱۹۱۷ء میں پہلے چھیپا اسکول محلہ کٹنی اور پھر دلہائی محلہ جبل پور کے اسکول میں تعلیم پائی۔ ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ سے میٹرک اور انٹر میڈیٹ کے امتحانات پاس کیے۔ انھوں نے فارسی اور اُردو میں ایم۔ اے کیا۔ ۱۹۳۶ء میں ایل ایل بی اور ۱۹۴۷ء میں "سید حسن غزنوی" کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۳۷ء میں کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی میں اُردو کے استاد مقرر ہوئے جہاں تقریباً گیارہ برس تک درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ پاکستان بننے کے بعد ہجرت کر کے اِدھر آ گئے۔ ۱۹۵۰ء میں اُردو کالج کراچی میں صدرِ شعبہ اُردو مقرر ہوئے اور چھے برس تک اس عہدے پر فائز رہے۔ ۱۹۵۹ء میں انھیں ناگ پور یونی ورسٹی، بھارت نے ڈی لٹ کی ڈگری دی۔ اُس کے بعد سندھ یونی ورسٹی، حیدر آباد میں رہے۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے اپنے علمی اور تحقیقی کام کی بدولت ادب میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ اُنھوں نے بڑی تعداد میں تصنیفات، تالیفات اور تراجم یادگار چھوڑے ہیں۔ ان کی اہم کتابوں میں "تاریخ بہرام شاہ غزنوی" (بہ زبان انگریزی)، "چند فارسی شعرا"، "فارسی پر اُردو کا اثر"، "مکتوباتِ شاہ احمد سعید دہلوی"، "حالی کا ذہنی ارتقا"، "علمی نقوش" (تحقیقی مقالات کا مجموعہ)، "سندھی۔ اُردو لغت"، "اِنتخاب مکتوباتِ حضرت مجدّد الف ثانی" اور "اقبال اور قرآن" شامل ہیں۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کا اندازِ بیان علمی اور محققانہ ہے۔ انھوں نے ادب کے سنجیدہ موضوعات پر قلم اٹھایا اور مدلل انداز میں علمی نکات کی وضاحت کی۔

مشق

۱۔ درج ذیل الفاظ میں سے درست جواب کا انتخاب کریں:

(i) سبق "نظریہ پاکستان" کے مصنف کا نام ہے؟

الف: ڈاکٹر عبادت بریلوی ب: ڈاکٹر غلام فرید حسینی ج: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ د: ڈاکٹر حمید الفت ملغانی

(ii) مسلمانوں نے ہمیشہ اپنا شیوہ بنایا؟

الف: تعلق داری کو ب: رشتے داری کو ج: رواداری کو د: قرابت داری کو

(iii) ہندوؤں نے کانگریس کی بنیاد ڈالی:

الف: ۱۸۵۵ء میں　　ب: ۱۸۵٦ء میں　　ج: ۱۸۵۷ء میں　　د: ۱۸۵۸ء میں

(iv) مولانا محمد علی جوہرؒ اور ان کے بڑے بھائی مولانا شوکت علیؒ کی رہنمائی میں شروع ہوئی:

الف: تحریکِ خلافت　　ب: تحریکِ آزادی　　ج: تحریکِ ریشمی رومال　　د: تحریکِ نجات

(v) پاکستان قائم کرنے کا فیصلہ بہت ناگوار گزرا:

الف: ہندوؤں کو　　ب: سکھوں کو　　ج: انگریزوں کو　　د: افریقیوں کو

۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں:

ا۔ نظریہ پاکستان سے کیا مراد ہے؟

ب۔ مسلمانوں کو اپنی آزادی ختم ہوتی کیوں نظر آئی؟

ج۔ مصنف کی رائے میں ٹیپو سلطان کی ناکامی کی وجہ کیا تھی؟

د۔ سبق کے مطابق آپ پاکستان بننے میں علامہ اقبالؒ کا کیا کردار دیکھتے ہیں؟

ہ۔ اہلِ مغرب اور مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کا بنیادی فرق کیا ہے؟

۳۔ درج ذیل غیر افسانوی اقتباس کو پڑھ کر اس کے اسلوب اور بیان کے پیشِ نظر اس کی تفہیم کریں:

"مسلمانوں کی قومیت ایک نظریاتی قومیت ہے جو لاالٰہ الا اللہ پر قائم ہے، یعنی یہ کہ نسل، رنگ اور وطن کی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک نظریے، ایک عقیدے، ایک کلمے کی بنیاد پر وجود میں آئی۔ اس نظریاتی پہلو کو نمایاں کرنے کے لیے اسے ملت کہا گیا ہے۔ ایسی نظریاتی قومیت میں ہر نسل، ہر رنگ اور ہر جغرافیائی خطے کے لوگوں کے لیے جگہ ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو جن میں ہر نسل، ہر رنگ اور مختلف جغرافیائی خطوں کے لوگ شامل تھے، ایک ایسی قوم کے ماتحت اقلیت بن کر رہنا منظور نہ تھا جو اسلامی قومیت کے برعکس ذات پات، چھوت چھات اور بت پرستی کے بندھنوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ چنانچہ انھوں نے اپنی جداگانہ قومیت یعنی اسلامی قومیت کی بنیاد پر اپنے لیے ایک جداوطن کا مطالبہ کیا جس میں وہ اپنے عقیدے، اپنے نظریۂ زندگی، اپنے طرزِ معاشرت کے مطابق زندگی بسر کر سکیں اور ایک مسلمان کی حیثیت سے دورِ جدید کے چیلنج کا مقابلہ کر کے اپنے مستقبل کو سنوار سکیں۔"

۴۔ مختلف مقاصد کے لیے مرتب دفتری اور عدالتی مواد (مختلف فارم، رجسٹری کرایہ، تقرر نامے، ملازمت کی درخواست، نکاح نامہ، عرضی، عدالتی حکم نامہ) کے مقاصد سے واقفیت نہایت ضروری ہے۔ اس کی مشق کے لیے مثال دی جارہی ہے۔ اس مثال کو مد نظر رکھتے ہوئے رجسٹری کرایہ مرتب کریں۔

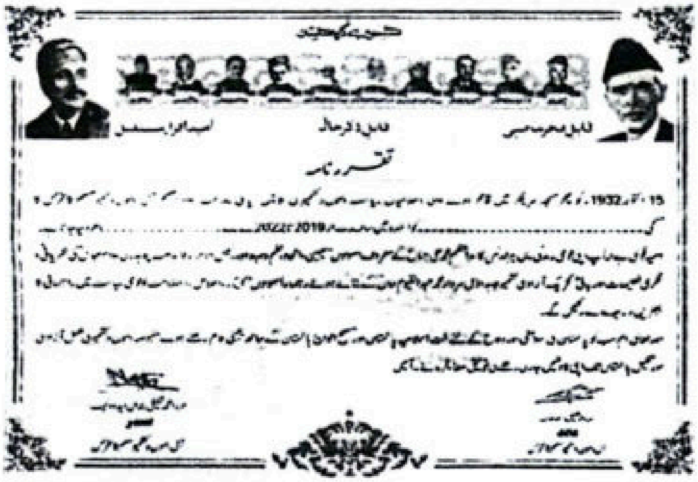

۵۔ سبق "نظریہ پاکستان" کے اہم نکات کا خلاصہ تحریر کریں۔

۶۔ درج ذیل عبارت کو درست املا کا خیال رکھتے ہوئے نظر ثانی (پروف ریڈنگ) کریں اور غلط الفاظ کی املا درست کریں۔

"ہمیں اس بات کو بھی اچھی طرہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ نظریہ پاکستان میں اسلامی زندگی اور کدروں کا تصور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اخوت، مساوات، ادل، دیانت، انسانی ہمدردی اور عظمت قردار کے بغیر نظریہ پاکستان کو فروغ نہیں ہو سکتا۔ نظریہ پاکستان کا مکصد محظ ایک حکومت قائم کرنا نہیں تھا کیوں کہ مسلمانوں کی حکومتیں ایشیا اور افریکہ میں پہلے سے موجود تھیں۔ نظریہ پاکستان کا مقصد اسلامی اصولوں کی طرویج واشاعت اور اھلِ عالم کے لیے مسالی مملکط کا نمونہ فراحم کرنا ہے۔"

۷۔ طلبہ، سامعین اور مقاصد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے "ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ" کے عنوان سے اشعار اور حوالوں کے ساتھ کم از کم ۳۵۰ الفاظ پر مشتمل تقریر لکھیں اور صبح کی اسمبلی میں سنائیں۔

۸۔ درج ذیل اقتباس کے اصل معانی و مفہوم اور مقاصد کو برقرار رکھتے ہوئے اُردو میں ترجمہ کریں:

Today,Muslim women all around the world are starting their own businesses. As female enterpreneurship grows, it's important to appreciate the achievements of our own community in business ownership, financial independence and beyond. We see women enterpreneurs develop a sustainable income from another source where they can help their family and their community. We should encourage our females in their efforts to start their own business even if their business starts small or experiences failures bcause they are still lifting themselves and family financially.

سرگرمی

طلبہ انٹرنیٹ کے ذریعے تشکیل پاکستان میں حصہ لینے والی شخصیات (مرد و خواتین) کے تعارف پر مبنی نوٹس تیار کریں اور جماعت کے کمرے میں تبادلۂ خیال کریں۔

حصۂ نظم

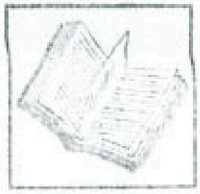

حمد

اس نظم کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- نظم و نثر کو فہم کے ساتھ پڑھ کر مصنف / شاعر کی تخلیق، مقصد اور اسلوب پر مبنی سوالات کے جوابات دے سکیں۔
- منظوم اور منثور کلام سے متعلق اشارات اور اہم نکات بیان کر کے ان کے فہم کا تجزیہ کرتے ہوئے رائے دے سکیں۔
- طویل کلام کو اپنے حافظے سے دیگر مثالوں کے ساتھ ادا کر سکیں۔
- کسی بھی نظم کو پڑھ کر سوالوں کے ساتھ اس کے اشعار کی تشریح کرتے ہوئے تنقید و تبصرہ کر سکیں۔
- کسی بھی نظم یا نثر کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھ سکیں۔
- نظم بہ لحاظ موضوع (حمد، نعت، ملی / قومی نغمہ، قصیدہ، ہجو، دعا / مناجات، منقبت، مرثیہ، مثنوی) کی شناخت کر سکیں۔
- مترادف الفاظ کو شناخت کرتے ہوئے تحریر میں استعمال کر سکیں۔

خاص	رَونق	صدا	حرَم	مُقدّر	میزاب رَحمت
الفاظ	مَنظَر	خطائیں	اِلتجائیں	سَنگِ اَسوَد	صَفا

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو حمد یہ اشعار کے بارے میں بتائیں اور انھیں حمد یہ اشعار ترنم کے ساتھ پڑھنے میں ان کی رہ نمائی کریں۔

خصوصی معلومات: "میزاب رحمت" خانہ کعبہ کی چھت پر لگا پرنالہ جس سے بارش کا پانی کعبے کی چھت سے حطیم میں گرتا ہے۔ یہ پرنالا سونے کا بنا ہوا ہے۔ اس پرنالے کا پانی باعثِ رحمت تصور کیا جاتا ہے اس لیے اس پرنالے کو عربی میں "میزاب رحمت" کہتے ہیں۔ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے طلبہ کو یہ سبق پڑھنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

- اللہ اکبر کے کیا معنی ہیں؟
- کوئی ساحمد یہ شعر سنائیں۔

کعبے کی رونق کعبے کا منظر، اللہ اکبر اللہ اکبر
دیکھوں تو دیکھے جاؤں برابر، اللہ اکبر اللہ اکبر

حمدِ خدا سے تر ہیں زبانیں، کانوں میں رس گھولتی ہیں اذانیں
بس اک صدا آ رہی ہے برابر، اللہ اکبر اللہ اکبر

تیرے حرم کی کیا بات مولیٰ، تیرے کرم کی کیا بات مولیٰ
تا عمر لکھ دے آنا مقدر، اللہ اکبر اللہ اکبر

مانگی ہیں میں نے جتنی دعائیں، منظور ہوں گی، مقبول ہوں گی
میزاب رحمت ہے میرے سر پر، اللہ اکبر اللہ اکبر

حیرت سے خود کو کبھی دیکھتا ہوں، اور دیکھتا ہوں کبھی میں حرم کو
کہ ایا کہاں مجھ کو میرا مقدر، اللہ اکبر اللہ اکبر

یاد آگئیں جب اپنی خطائیں، اشکوں میں ڈھلنے لگیں التجائیں
رویا غلافِ کعبہ پکڑ کر، اللہ اکبر اللہ اکبر

بھیجا ہے جنت سے تجھ کو خدا نے، چوما ہے تجھ کو میرے مصطفیٰ نے
اے سنگِ اسود تیرا مقدر، اللہ اکبر اللہ اکبر

دیکھا صفا اور مروہ بھی دیکھا، رب کے کرم کا جلوہ بھی دیکھا
دیکھا وہاں اک سَروں کا سمندر، اللہ اکبر اللہ اکبر

مولیٰ صبیحؔ اور کیا چاہتا ہے، بس مغفرت کی، عطا چاہتا ہے
بخشش کے طالب پہ اپنا کرم کر، اللہ اکبر اللہ اکبر

(کلیاتِ صبیحؔ رحمانی)

سید صبیح الدین رحمانی (۱۹۶۵ء)

معروف نعت خواں، نعت گو شاعر اور نعتیہ ادب کے محقق و نقاد سید صبیح الدین رحمانی ۲۷ جون ۱۹۶۵ء کو پیدا ہوئے۔ آپ نعتیہ ادب کے جریدہ "نعت رنگ" کے مدیر اور نعت ریسرچ سینٹر کے بانی و سیکریٹری ہیں۔ حکومت پاکستان نے شعبۂ نعت میں آپ کی خدمات کے صلے میں تمغۂ امتیاز سے نوازا۔ "کلیاتِ صبیح رحمانی" کے نام سے آپ کی نعتیہ شاعری کی کلیات شائع ہو چکی ہے۔ آپ کی اردو شاعری کے نعتیہ مجموعے "جادۂ رحمت" اور "سرکار کے قدموں میں" بالترتیب (Jada e Rehmat) اور (Reverence Unto His Feet) کے نام سے ترجمہ ہو چکے ہیں۔

مشق

۱۔ حمد کے مطابق درج ذیل الفاظ میں سے درست جواب کا انتخاب کریں:

(i) خانہ کعبہ کو دیکھ کر بے اختیار زبان پر آتا ہے:

الف: پہلا کلمہ ب: دوسرا کلمہ ج: تیسرا کلمہ د: اللہ اکبر اللہ اکبر

(ii) شاعر اللہ تعالیٰ سے اپنے مقدر میں کیا لکھوانا چاہتا ہے؟

الف: جنت ب: نیکی ج: خوش بختی د: تمام عمر خانہ کعبہ کی حاضری

(iii) حمد کے تیسرے شعر میں شاعر اپنے آپ کو دیکھتا ہے:

الف: خوشی سے ب: حیرت سے ج: رشک سے د: عاجزی سے

(iv) حمد کے کون سے شعر میں دو مبارک پہاڑیوں کا ذکر ہوا ہے؟

الف: چوتھے ب: پانچویں ج: چھٹے د: ساتویں

(v) حمد کے آخری شعر کے مطابق شاعر طالب ہے:

الف: نعمتوں کا ب: بخشش کا ج: نیکی کا د: جنت کا

۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں:

الف۔ اردو ادب میں حمد اور نعت میں کیا فرق ہوتا ہے؟

ب۔ ''میزابِ رحمت'' کی وضاحت کریں۔

ج۔ شاعر نے حمد میں کون کون سی ''تلمیح'' استعمال کی ہے؟ نشان دہی کریں۔

د۔ حمد میں ''حجرِ اسود'' کے بارے میں کیا معلومات دی گئی ہیں؟

اصنافِ شعری:

حمد:

ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی واحدانیت، یکتائی اور صفات کا ذکر ہو۔

نعت:

ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اوصافِ حمیدہ کا تذکرہ ہو۔

منقبت:

ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں صحابہ کرام، بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام کی خدمات اور اوصاف کا تذکرہ کیا گیا ہو۔

۳۔ درج ذیل نظمیہ اشعار کو غور سے پڑھیں اور اصناف نظم (حمد، نعت، منقبت) کی شناخت کریں:

(۱)

کیوں نہ ہو رُتبہ بڑا ،اصحابؓ و اہلِ بیتؓ کا
مصطفیٰ ﷺ اُن کے خدا، اصحابؓ و اہلِ بیتؓ کا
فضلِ رب سے دو جہاں میں کام یابی پائے گا
دل سے جو شَیدا ہُوا ، اصحابؓ و اہلِ بیتؓ کا

(مولانا الیاس قادری)

(۲)

شانِ جلال کس کی عیاں ہے جبل جبل
رنگِ جمال کس کا جما ہے افق افق
مکتُوم کس کی موجِ کرم ہے صدف صدف
مرقُوم کس کا حرفِ وفا ہے افق افق
(حفیظؔ تائب)

(۳)

اے رسولِ امیں صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم خاتم المرسلیں صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
ہے عقیدہ یہ اپنا با صدق و یقین، تجھ سا کوئی نہیں ،تجھ سا کوئی نہیں

دست قدرت نے ایسا بنایا تجھے، جملہ اوصاف سے خود سجایا تجھے
اے ازل کے حسیں، اے ابد کے حسیں، تجھ سا کوئی نہیں ،تجھ سا کوئی نہیں

۴۔ درج ذیل نظمیہ کلام پر حوالوں کے ساتھ تشریح کرتے ہوئے تبصرہ کریں:

تیرے حرم کی کیا بات مولیٰ، تیرے کرم کی کیا بات مولیٰ
تا عمر لکھ دے آنا مقدر، اللہ اکبر اللہ اکبر

مانگی ہیں میں نے جتنی دعائیں، منظور ہوں گی مقبول ہوں گی
میزابِ رحمت ہے میرے سر پر، اللہ اکبر اللہ اکبر

حیرت سے خود کو کبھی دیکھتا ہوں، اور دیکھتا ہوں، کبھی میں حرم کو
کہ لایا کہاں مجھ کو میرا مقدر، اللہ اکبر اللہ اکبر

۵۔ شامل نصاب حمد یہ کلام کو اپنے حافظے سے درج ذیل حمد یہ کلام کی مثالوں کے ساتھ ادا کریں۔

الف۔
کوئی تو ہے جو نظامِ ہستی چلا رہا ہے، وہی خدا ہے
دکھائی بھی جو نہ دے، نظر بھی جو آ رہا ہے، وہی خدا ہے
تلاش اُس کو نہ کر بتوں میں، وہ ہے بدلتی ہوئی رُتوں میں
جو دِن کو رات اور رات کو دِن بنا رہا ہے، وہی خدا ہے
(مظفر وارثی)

ب۔
کامل ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا
باقی ہے جو ابد تک وہ ہے جلال تیرا
ہے عارفوں کو حیرت اور منکروں کو سکتہ
ہر دل پہ چھا رہا ہے رعبِ جمال تیرا
(الطاف حسین حالیؔ)

۶۔ حمد ''کعبے کی رونق کعبے کا منظر'' کے اہم نکات کا خلاصہ لکھیں۔

مترادف الفاظ: ہم معنی الفاظ کو مترادف الفاظ کہا جاتا ہے جیسے: سورج۔۔آفتاب، مسرت۔۔۔خوشی

۷۔ درج ذیل مترادف الفاظ کے جوڑوں کی شناخت کرتے ہوئے جملوں میں استعمال کریں:

محنت	ذلت	قیادت	ذہین	راہ نمائی
سچائی	مشقت	عقل مند	صداقت	رسوائی

۸۔ شامل نصاب حمد میں شاعر نے اللہ تعالیٰ کے گھر کی حاضری کے حوالے سے اپنی عقیدت اور مناجات کا ذکر پُر تاثیر انداز میں کیا ہے۔ آپ مشہور شاعر حفیظ تائب کے حمد یہ کلام ''کس کا نظام راہ نما ہے اُفق اُفق۔۔۔ کس کا دوام گونج رہا ہے اُفق اُفق'' پر ان اشارات اور نکات کا فہم کرتے ہوئے اپنی رائے دیں۔

سرگرمی

طلبہ انٹرنیٹ کے ذریعے مختلف شاعروں کے حمد یہ کلام کو پڑھنے کے بعد لکھ کر لائیں اور جماعت کے کمرے میں اپنے ساتھی طلبہ کو سنائیں۔

۲

نعت

اس نظم کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- نظم و نثر کو فہم کے ساتھ پڑھ کر مصنف/شاعر کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی سوالات کے جوابات دے سکیں۔
- ہدایات، اشارات کے مطابق کسی نادیدہ اقتباس (منظوم/منثور) کی تفہیم/تنقید و تجزیہ/تبصرہ کر سکیں۔
- عمدہ سامع کے طور پر الفاظ، جملوں، مصرعوں، شعروں، نظموں، گیتوں وغیرہ کے تلفظ، آہنگ، لحن، لے اور ادائیگی سے شعوری طور پر لطف اندوز ہوتے ہوئے اپنی رائے دے سکیں۔
- معلوماتی کتب، قاموس مترادفات، انٹرنیٹ، انسائیکلوپیڈیا یا لغات وغیرہ سے حوالہ جاتی مواد تلاش کر کے بر محل استعمال کر سکیں۔
- منظوم یا منثور کسی بھی دو اصناف ادب یا اقتباسات کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے تبصرہ کر سکیں۔ (اصناف، موضوعات، پیش کش، ادبی محاسن، مصنف کا نقطہ نظر، زبان و بیان کا انتخاب اور قارئین پر اثرات کے لحاظ سے)
- نظم بہ لحاظ موضوع (حمد، نعت، ملی/قومی نغمہ، قصیدہ، ہجو، دعا/مناجات، منقبت، مرثیہ، مثنوی) کی شناخت کر سکیں۔

خاص	مدحت	خیرُ الاُمَم	اِذن	سُپردِ قلم	جُنواد
الفاظ	منحرِف	جادۂ رحمت	کتابِ حق	توفیق	ستم

ہدایات برائے اساتذہ کرام

طلبہ کو معلوماتی کتب، قاموس مترادفات، انٹرنیٹ، انسائیکلوپیڈیا اور لغات وغیرہ سے حوالہ جاتی مواد تلاش کرنے کے حوالے سے رہ نمائی کریں تاکہ وہ خود بھی متعلقہ مواد تلاش کر کے بر محل استعمال کرنے کے قابل ہو سکیں۔ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے طلبہ کو یہ سبق پڑھنے پہ مجبور نہ کیا جائے۔

پڑھیں

•• کون سا کام ہے جو اللہ اور اس کے فرشتے کرتے ہیں اس لیے ایمان والوں کو بھی کرنے کے لیے کہا گیا؟

دِلوں کے ساتھ جبینیں جو خَم نہیں کرتے
وہ پاسِ مدحتِ خیرُ الاُمم ﷺ نہیں کرتے

دعا بغیر، اِجازت بغیر، اِذن بغیر
ہم ایک لفظ سپردِ قلَم نہیں کرتے

کتابِ حق نے جنھیں مصطفیٰ ﷺ قرار دیا
جُز اُن کے اَور کوئی ذکر ہم نہیں کرتے

کریم ایسے کہ انعام کرتے جاتے ہیں
جوّاد ایسے کہ نعمت کو کم نہیں کرتے

جو اُن کے جادۂ رحمت سے مُنحرِف ہو جائیں
زمانے اُن کو کبھی محترم نہیں کرتے

میسر آتی ہے جن کو دُرُود کی توفیق
کسی بھی حال میں ہوں کوئی غم نہیں کرتے

نظر میں طائف و مکہ رہیں تو ان کے غلام
جواب میں بھی ستم کے ستم نہیں کرتے

(شہرِ علم کے دروازے پر)

افتخار عارف (۱۹۴۳ء)

اصل نام افتخار حسین عارف اور افتخار عارف کے قلمی نام سے شہرت حاصل کی۔ ۲۱۔ مارچ ۱۹۴۳ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور تعلیم کے مختلف مراحل کی تکمیل بھی اسی شہر میں ہوئی۔ افتخار عارف عہدِ موجود کے سنجیدہ اور معتبر ترین شاعروں میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے اپنی شعری تخلیقات میں نہ صرف فنی پختگی اور ترفّع کا اظہار کیا ہے بلکہ کلام میں نغمگی، نئے استعاروں کی تلاش اور اظہار میں انفرادیت کو بھی اپنی شاعری کا حصہ بنایا ہے۔ افتخار عارف کی شاعری کا مزاج اور ماحول، جسی تجربے اور ان تجربوں کے اظہار کا پیرایہ، دوسروں سے مختلف اور روحِ عصر سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ اُن کے کلام کی یہی خوبی اُنھیں جدید اُردو شاعری کی توانا ترین آوازوں میں شامل کرتی ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی وژن سے اپنی عملی زندگی کا آغاز کرنے والے افتخار عارف نے پاکستان کے متعدد سرکاری اِداروں میں انتظامی سربراہ کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔ اِن اِداروں میں اکنامک کارپوریشن آرگنائزیشن، ادارہ فروغِ قومی زبان (مقتدرہ قومی زبان)، اکادمی ادبیات پاکستان، نیشنل بک فاؤنڈیشن، فاؤنڈیشن برائے پاکستانی اہلِ علم و قلم، اردو مرکز لندن شامل ہیں۔ افتخار عارف کی تخلیقات میں "مہرِ دونیم"، "بارھواں کھلاڑی"، "باغِ گلِ سرخ"، "شہرِ علم کے دروازے پر"، "حرفِ باریاب"، "جہانِ معلوم"، "کتابِ دل و دنیا"، "فیض بہ نام افتخار عارف" (مرتبہ ڈاکٹر راشد حمید)، "کلامِ فیض بخطِ فیض"، اور "سخنِ افتخار" شامل ہیں۔ افتخار عارف کو اُن کی ہمہ جہت علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں متعدد ایوارڈز سے نوازا جا چکا ہے۔ جن میں نشانِ امتیاز، ہلالِ امتیاز، ستارۂ امتیاز، صدارتی تمغا برائے حسنِ کارکردگی، پاکستان رائٹرز گلڈ ایوارڈ، نقوش ایوارڈ شامل ہیں۔ ان ایوارڈز کے علاوہ قومی و بین الاقوامی سطح پہ کئی اداروں سے افتخار عارف نے علمی ادبی خدمات کے اعتراف میں ایوارڈز حاصل کر کے ملک و قوم کا نام روشن کیا ہے۔ (تعارف: پروفیسر امجد اقبال)

مشق

۱۔ شاملِ نصاب نعت کو فہم کے ساتھ پڑھ کر مصنف/شاعر کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی سوالات کے جواب دیں:

الف۔ افتخار عارف کی شاعری کی نمایاں خوبیاں مختصر اً لکھیے۔ (افتخار عارف کے شاملِ نصاب تعارف کو پڑھ کر)

ب۔ افتخار عارف نے شاملِ نصاب نعت کس ہیئت میں لکھی ہے، وضاحت کریں۔

ج۔ "جو اُن کے جادۂ رحمت سے مُنحرِف ہو جائیں" کا مفہوم واضح کریں۔

د۔ اس نعت میں استعمال ہونے والے قافیہ ردیف کی نشان دہی کریں۔

و۔ "نظر میں طائف و مکہ رہیں تو اُن کے غلام   جواب میں بھی ستم کے، ستم نہیں کرتے

شاعر نے اس شعر میں کن واقعات کی طرف اِشارہ کیا ہے؟

۲۔ مشہور شاعر اقبال عظیم کی لکھی ہوئی درج ذیل نعت پڑھیں اور شاملِ نصاب نعتیہ اشعار کا موازنہ کرتے ہوئے اس انداز میں تبصرہ کریں کہ اس میں اصناف، موضوعات، پیش کش، ادبی محاسن، شاعر کا نقطہ نظر اور زبان و بیان کی نشان دہی ہو سکے:

جہاں روضۂ پاک خیرالوریٰ ہے، وہ جنت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے
کہاں میں کہاں یہ مدینے کی گلیاں، یہ قسمت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے
محمد ﷺ کی عظمت کو کیا پوچھتے ہو کہ وہ صاحبِ قاب قوسین ٹھہرے
بشر کی سرِ عرش مہماں نوازی، یہ عظمت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

جو عاصی کو دامن میں اپنی چھپا لے، جو دشمن کو بھی زخم کھا کے دعا دے
اُسے اور کیا نام دے گا زمانہ، وہ رحمت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے
شفاعت قیامت کی تابع نہیں ہے، یہ چشمہ تو روزِ ازل سے ہے جاری
خطا کار بندوں پہ لطفِ مسلسل، شفاعت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے
قیامت کا اک دن معین ہے لیکن، ہمارے لیے ہر نفس ہے قیامت
مدینے سے ہم جاں نثاروں کی دوری، قیامت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے
تم اقبالؔ یہ نعت کہہ تو رہے ہو، مگر یہ بھی سوچا کہ کیا کر رہے ہو
کہاں تم کہاں مدحِ ممدوحِ یزداں، یہ جرأت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

۳۔ درج بالا نعت کو ملک کے معروف نعت خواں قاری وحید ظفر قاسمی نے خوش الحانی سے پڑھا بھی ہے۔ آپ عمدہ سامع کے طور پر پوری نعت (نظم)، الفاظ، جملوں، مصرعوں، شعروں وغیرہ کے تلفظ، آہنگ، لحن، لے اور ادائی سے شعوری طور پر لطف اندوز ہوتے ہوئے اپنی رائے دیں:

۴۔ پیر نصیر الدین نصیرؔ گولڑوی کی درج ذیل نعت کو پڑھیں اور اس تبصرہ کرتے ہوئے معلوماتی کتب، قاموس مترادفات، انٹرنیٹ، انسائیکلوپیڈیاز وغیرہ سے حوالہ جاتی مواد تلاش کر کے برمحل استعمال کریں:

اب تنگیٔ داماں پہ نہ جا اور بھی کچھ مانگ
ہیں آج وہ مائل بہ عطا، اور بھی کچھ مانگ
ہیں وہ متوجہ تو دعا اور بھی کچھ مانگ
جو کچھ تجھے ملنا تھا، ملا، اور بھی کچھ مانگ
سرکار کا در ہے، درِ شاہاں تو نہیں ہے
جو مانگ لیا، مانگ لیا، اور بھی کچھ مانگ
اس در پہ یہ انجام ہُوا حسنِ طلب کا
جھولی مری بھر بھر کے کہا اور بھی کچھ مانگ
سلطانِ مدینہ کی زیارت کی دعا کر
جنت کی طلب چیز ہے کیا اور بھی کچھ مانگ
پہنچا ہے جو اس در پہ تو رہ رہ کے نصیرؔ آج
آواز پہ آواز لگا، اور بھی کچھ مانگ

۵۔ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ بابرکات کے ساتھ اپنی محبت، عقیدت کا اظہار نعت کہلاتا ہے۔ اردو زبان و ادب میں نعت گوئی میں شعرا نے جہانِ فکر اور ذوق جمال کے خوب صورت امتزاج کے ساتھ ایسی نعت کہی ہے کہ فارسی نعت کی روایت بھی اس پہ نازاں ہے۔ حکیم الامت علامہ اقبالؔ کی نعت گوئی بھی اپنی مثال آپ ہے۔ اُن کی نعت میں عشق ایک ایسے جذبے کے طور پر دکھائی دیتا ہے جو ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، علامہ اقبالؔ کے دل میں عشقِ نبی ﷺ کی تڑپ موجود تھی اور اُن کی خواہش تھی کہ اسی تڑپ سے دوسروں کے دل بھی گرمائیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور معرفتِ

عشقِ رسول ﷺ تلاش کی جا سکے۔ علامہ اقبال نے نبی کریم ﷺ کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں کو اپنی شاعری میں پرو دیا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ امتِ مسلمہ کے تمام مسائل کا حل اسی میں ہے کہ یہ اپنا تعلق اس ذاتِ بابرکات ﷺ سے مضبوط کر لیں۔ ایک جگہ آپ فرماتے ہیں:

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں عشقِ محمد ﷺ سے اجالا کر دے

حضور ﷺ سے عقیدت و محبت میں سرشاری علامہ اقبال کی نعت کا مرکزی دھارا ہے۔ اقبال یہ سمجھتے تھے کہ کائنات رنگ و بوئی تمام تر رعنائی، حسن و دلکشی آپ ﷺ کی مرہونِ منت ہے۔ گویا آپ ﷺ وجہِ تخلیقِ کائنات ہیں۔ نوجوان نسل کو چاہیے کہ وہ علامہ اقبال کے افکار و خیالات سے روشنی حاصل کریں اور اپنی زندگیوں کو نبی پاک ﷺ کی تعلیمات سے روشن کریں تاکہ زوال، محکومی، پستی کی اس موجودہ صورتِ حال سے نجات مل سکے۔

درج بالا اشارات اور ہدایات کے مطابق علامہ اقبال کی درج ذیل نعت (نادیدہ اقتباس) کی تفہیم / تنقید و تجزیہ / تبصرہ کریں:

لوح بھی تُو قلم بھی تُو، تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ، تیرے محیط میں حباب
عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تُو نے طلوعِ آفتاب
شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنید و بایزید تیرا جمالِ بے نقاب
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب
تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب و جستجو، عشق، حضور و اضطراب

شعری اصناف:

قصیدہ:

قصیدہ عربی لفظ قصد سے ماخوذ ہے جس کے لغوی معانی ارادہ کرنے کے ہیں۔ یعنی شاعر کسی خاص موضوع پر اظہارِ خیال کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ اس کے دوسرے معانی مغز کے ہیں۔ ایسی نظم جس میں کسی بادشاہ وغیرہ کی تعریف کی جائے، قصیدہ کہلاتی ہے۔ قصیدے کا بنیادی مقصد اربابِ اقتدار کی خوشنودی حاصل کرنا ہوتا ہے یا محض اُن کی فرمائش پورا کرنے کے لیے قصیدہ لکھا جاتا ہے۔ اردو شاعری میں قصیدہ فارسی سے داخل ہوا۔ تشبیب، گریز، مدح، حسنِ طلب (مدعا) اور دعا کو قصیدے کے اجزا قرار دیا جاتا ہے۔

ملی نغمہ:

ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں وطن اور قوم کی محبت، جذبوں اور ولولوں کا ذکر ہو۔

مرثیہ:

عربی لفظ "رثا" سے ماخوذ ہے جس کے معانی کسی مردے کے لیے رونا اور اس کی خوبیاں، کمالات، کارنامے بیان کرنا ہیں۔ ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی عظیم شخصیت کی وفات یا کسی دردناک سانحے کا ذکر ہو۔ جیسے: واقعہ کربلا۔ مرثیہ کی صنف، فارسی سے اردو میں آئی۔ عام طور پر مرثیے کے درج ذیل اجزا بتائے جاتے ہیں۔ چہرہ، سراپا، رخصت، آمد، رجز، جنگ/رزم، شہادت، بَین

مناجات/دعا:

ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں رقت انگیز لہجے میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی گئی ہو جیسے: اُس کی ذات سامنے ہو اور شاعر انتہائی ملتجی ہو۔

ہجو:

نظم یا شاعری کی صورت میں بُرا کہنا۔ ایسا کلام یا ایسی نظم (ہیئت کوئی بھی ہو سکتی ہے) جس میں کسی کی مخالفت میں اس کا مذاق اُڑایا جائے تضحیک آمیز طنز کیا جائے، اُسے ہجو کہتے ہیں۔

۶۔ حمد، نعت، ملی نغمے، مناجات، مرثیہ اور ہجو کا ایک ایک شعر لکھیں۔

سرگرمی

درج ذیل نظمیہ اشعار کو غور سے پڑھیں اور اصناف نظم (ملی/قومی نغمہ، مرثیہ، مناجات) کی شناخت کریں:

(۱)

اے عزت اور عظمت والے
اے! بے وارث گھروں کے وارث
بے بازو، بے پروں کے وارث
بے آسوں کی آس ہے تُو ہی
جاگتے سوتے پاس ہے تُو ہی
بس والے ہیں یا بے بس ہیں
تُو نہیں جن کا، وہ بے کس ہیں
(الطاف حسین حالؔی)

(۲)

تھا بس کہ، روزِ قتل شہِ آسماں جنابؑ
نکلا تھا خوں ملے ہوئے، چہرے پہ آفتاب
تھی نہرِ علقمہ بھی، خجالت سے آب آب
روتا تھا، پھوٹ پھوٹ کے، دریا میں ہر حباب
پیاسی جو تھی،سپاہِ خدا، تین رات کی
ساحل سے، سر پٹکتی تھیں، موجیں فرات کی
(میر انیس)

(۳)

خدا کرے کہ میری ارضِ پاک پر اترے
وہ فصلِ گل جسے اندیشۂ زوال نہ ہو

یہاں جو پھول کھلے وہ کھلا رہے برسوں
یہاں خزاں کو گزرنے کی بھی مجال نہ ہو
(احمد ندیم قاسمی)

میں روزے سے ہوں

اس نظم کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- کسی بھی نظم یا نثر کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھ سکیں۔
- نظمیہ اشعار کو درست تلفظ، لب و لہجے، اتار چڑھاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر کے ساتھ پڑھ سکیں۔
- نظم / غزل کے عناصر (مصرع، شعر، قافیہ، ردیف، مطلع، مقطع، مطلع ثانی) کی شناخت کر سکیں۔
- کسی بھی نثر پارے / نظم میں موضوعات کی شناخت کرتے ہوئے مصنف اور قارئین کے نقطۂ نظر کے ساتھ اس کی وضاحت کے لیے اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔
- نظم / غزل کے اشعار کی حوالوں (شاعری کے پس منظر، اندازِ بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کر سکیں۔
- کسی بھی نظم یا نثر کو پڑھ کر مصنف / شاعر اور قاری کے نقطۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے مرکزی خیال تحریر کر سکیں۔
- مفہوم برقرار رکھتے ہوئے متن میں متبادلات سے واقف ہوتے ہوئے استعمال کر سکیں۔

خاص الفاظ					
	غزل	تکرار	گفتار	کرب	اظہار
	ذیچی	کترا کے گزر	بہر زیارت	لحن	برخوردار

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- نظم کی قرأت بار بار طلبہ سے درست تلفظ اور آہنگ کے ساتھ کروائیں۔ سید ضمیر جعفری کا بہ طور جدید مزاحیہ شاعر طلبہ سے تفصیلی تعارف کروائیں اور ان کے دوسرے چیدہ چیدہ مزاحیہ اشعار طلبہ کو یاد کروا کر ان سے سنیں۔ اخلاقی اور ثقافتی اقدار کے شعور کو جِلا دے کر طلبہ کو مضامین لکھنے کی ترغیب دیں اور اس ضمن میں ان کی تربیت کریں۔

طنز اور مزاح میں کیا فرق ہوتا ہے؟

مجھ سے مت کر یار کچھ گفتار، میں روزے سے ہوں
ہو نہ جائے تجھ سے بھی تکرار، میں روزے سے ہوں
ہر کسی سے کرب کا اظہار، میں روزے سے ہوں
دو کسی اخبار کو یہ تار، میں روزے سے ہوں
میرا روزہ اک بڑا احسان ہے لوگوں کے سر
مجھ کو ڈالو موتیے کے ہار، میں روزے سے ہوں

میں نے ہر فائل کی ڈِبّی پر یہ مصرع لکھ دیا
کام ہو سکتا نہیں سرکار! میں روزے سے ہوں

اے مری بیوی! مرے رستے سے کچھ کترا کے چل
اے مرے بچو! ذرا ہوشیار میں روزے سے ہوں

شام کو بہرِ زیارت آ تو سکتا ہوں مگر
نوٹ کر لیں دوست رشتہ دار میں روزے سے ہوں

تُو یہ کہتا ہے یہ لحن تر کوئی تازہ غزل
میں یہ کہتا ہوں کہ برخوردار! میں روزے سے ہوں

(مافی الضمیر)

سید ضمیر جعفری (۱۹۱۶ء۔۱۹۹۹ء)

نام سید ضمیر حسین شاہ تھا اور تخلص ضمیر۔ جب کہ سید ضمیر جعفری کے نام سے معروف تھے۔ ضلع جہلم میں چک عبدالخالق نامی سادات کی قدیم بستی میں پیدا ہوئے۔ اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔اے کیا۔ محکمہ مالیات سے ملازمت کا آغاز کیا لیکن جوانی کا بیشتر حصہ فوجی ملازمت میں گزارا۔ راول پنڈی سے ایک اخبار "بادِ شمال" بھی نکالا اور انتخابات میں بھی حصہ لیا۔ عمر کے آخری حصے میں اکادمی ادبیات پاکستان سے بھی وابستہ رہے۔ بچپن ہی سے شاعری سے طبعی لگاؤ تھا چناں چہ گورنمنٹ ہائی اسکول جہلم میں ساتویں جماعت ہی سے شعر کہنا شروع کر دیے۔ ابتدا میں سنجیدہ اشعار کہے مگر جلد ہی طبیعت مزاح کی طرف بھی مائل ہو گئی اور پھر سنجیدہ شاعری کے ساتھ ساتھ مزاحیہ شاعری کو بھی اپنا ذریعۂ اظہار بنایا۔ ان کی شاعری معاشرتی ناہمواریوں اور زندگی کے رویوں کو بے نقاب کرتی ہے۔ ان کی شاعری میں سادگی اور برجستگی ہے، مٹھاس اور شیرینی ہے جو اپنی ترنم خیزی سے کانوں میں رس گھولتی ہے۔ وہ سنجیدہ، تمکین اور نشاط انگیز کیفیتوں کو اس طرح فن کے پیرائے میں ڈھالتے ہیں کہ پڑھنے والا ہر کیفیت کو اپنے اپنے انداز میں محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ شائستہ اور شگفتہ مزاح کی جس روایت کا آغاز اکبر الٰہ آبادی نے کیا تھا، سید ضمیر جعفری اسی روایت کے تسلسل میں اپنے عہد کی ایک اہم آواز تھے۔ سید ضمیر جعفری کو ۱۹۶۷ء میں تمغائے قائدِ اعظم" اور ۱۹۸۵ء میں صدارتی تمغا برائے حسنِ کارکردگی" سے نوازا گیا۔

ان کی فکاہیہ کلیات "نشاطِ تماشا" کے نام سے چھپ چکی ہے۔ جس میں "مافی الضمیر"، "ولایتی زعفران"، "ضمیریات"، "ضمیرِ ظرافت"، "شناخت پریڈ" اور "وست ودامان" (تمام کتابیں) شامل ہیں۔ "ولایتی زعفران" اور "وہ پھول کہ جن کا نام نہیں" منظوم تراجم پر مبنی ان کی دو کتابیں ہیں۔

مشق

ا۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں:

ا۔ شاعر نے فائل کی ڈِبّی سے کیا مراد لی ہے؟
ب۔ شاعر نے دوستوں اور رشتے داروں کے ہاں شام کو آنے پر کیا نوٹ کرنے کے لیے کہا؟
ج۔ شاعر نے اپنے روزے کو لوگوں کے لیے کیا قرار دیا ہے؟

د۔ شاعر نے اپنی بیوی اور بچوں کو کیا ہدایت دی؟

ہ۔ برخوردار نے روزے دار شاعر سے کیا فرمائش کی؟

۲۔ درج ذیل اشعار کو درست تلفظ، لب و لہجے، اتار چڑھاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر کے ساتھ پڑھیں:

اے مری بیوی! مرے رستے سے کچھ کترا کے چل
اے مرے بچو ذرا ہوشیار میں روزے سے ہوں
شام کو بہر زیارت آ تو سکتا ہوں مگر
نوٹ کرلیں دوست رشتہ دار میں روزے سے ہوں
تو یہ کہتا ہے بہ لحن تر ہو کوئی تازہ غزل
میں یہ کہتا ہوں کہ برخوردار میں روزے سے ہوں

۳۔ اس نظم کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھیں۔

۴۔ روزہ اسلام کے پانچ بنیادی ارکین میں سے ایک ہے۔ روزے کی سختی کے باعث اس میں کچھ رعایتیں بھی رکھی گئی ہیں۔ غزل کا روزے دار روزہ انفرادی ثواب کے لیے رکھتا ہے۔ شاعر روزہ داری کے بہانے دفتر، گھر اور اقربا سے کیا کیا تقاضے کر رہا ہے؟ نظم میں موضوعات کی شناخت کرتے ہوئے شاعر اور قارئین کے نقطۂ نظر کے ساتھ اس کی وضاحت کے لیے انسانی مزاج اور معاشرتی روایات کے حوالے سے اپنی رائے کا اظہار کریں۔

۵۔ درج ذیل الفاظ کے متبادلات کیا کیا ہو سکتے ہیں؟ انھیں اپنے جملوں میں استعمال کریں:

تکرار زیارت فائل ہشیار بیوی

۶۔ نظم کے عناصر (مصرع، شعر، قافیہ، ردیف، مطلع اور مطلع ثانی) کی شناخت کر کے الگ سے ایک نوٹ بک پر لکھیں۔

۷۔ نظم کے درج ذیل اشعار کی حوالوں (شاعری کے پس منظر، اندازِ بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کریں:

مجھ سے مت کر یار کچھ گفتار میں روزے سے ہوں
ہو نہ جائے تجھ سے بھی تکرار میں روزے سے ہوں
ہر کسی سے کرب کا اظہار میں روزے سے ہوں
دو کسی اخبار کو یہ تار میں روزے سے ہوں
میرا روزہ اک بڑا احسان ہے لوگو کے سر
مجھ کو ڈالو موتیے کے ہار میں روزے سے ہوں

۸۔ نظم کو پڑھ کر شاعر اور قاری کے نقطۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے مرکزی خیال تحریر کریں۔

سرگرمی

اکبر الہ آبادی، سید محمد جعفری اور سید ضمیر جعفری کی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری سے اپنی پسند کی ایک ایک نظم چن کر نوٹ بک پر لکھیں۔

۴

نثار میں تری گلیوں کے۔۔۔

اس نظم کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- مختلف سمعی ذرائع سے کہانی، نظم، واقعہ، تحریر، اعلان، خطبہ، نعت گو، خبر ڈراما، ہدایت، اور فیچر سن کر کلام کے اہم نکات، تراکیب، جملے، مصرعے یا اشعار برمحل اور برجستہ استعمال کر سکیں۔
- عالمی ادب کا مطالعہ کرتے ہوئے اس کا پاکستانی ادب (اردو) سے موازنہ کر سکیں۔
- منظوم یا منثور کسی بھی دو اصنافِ ادب یا اقتباسات کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے تبصرہ کر سکیں۔ (اصناف، موضوعات، پیش کش، ادبی محاسن، مصنف کا نقطہ نظر، زبان و بیان کا انتخاب اور قارئین پر اثرات کے لحاظ سے)
- مختلف تحاریر (منظوم) پڑھ کر ان میں سے عالمی مسائل کی نشان دہی کرتے ہوئے ان کے حل کے لیے اپنی تجاویز پیش کر سکیں۔
- کسی بھی نظم کو پڑھ کر حوالوں کے ساتھ اس کے اشعار کی تشریح کرتے ہوئے تنقید و تبصرہ کر سکیں۔
- کسی بھی نظم یا نثر کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھ سکیں۔
- نظم بہ لحاظ موضوع (مثنوی، ہجو، قصیدہ، منقبت) کی شناخت کر سکیں۔
- تشابہات کو نظم و نثر کے ربط و تسلسل اور تاثر سے شناخت کرتے ہوئے اس کا برمحل استعمال کر سکیں۔

خاص	اہلِ جُنوں	اہلِ ہَوَس	بَست و کُشاد	طالعِ رَقیب	دَستِ بَہانہ جُو
الفاظ	سَنگ و خِشت	مُقیِّد	سَگ	روزنِ زِنداں	طَواف

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو عالمی ادب سے اردو تراجم (منظوم/منثور) سے روشناس کرائیں تاکہ طلبہ مختلف شعرا اور ادبا کی تخلیقات کا موازنہ اپنے شعری ادب سے کرنے کے قابل ہو سکیں۔

پڑھنے سے پہلے سوچیں

انسانی حقوق کے حوالے سے کن کن پاکستانی شاعروں نے آواز اٹھائی؟

پڑھیں

نثار میں تری گلیوں کے اے وطن کہ جہاں
چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اٹھا کے چلے
جو کوئی چاہنے والا، طواف کو نکلے
نظر چُرا کے چلے، جسم و جاں بچا کے چلے

ہے اہل دل کے لیے اب یہ نظمِ بست و کشاد
کہ سنگ و خشت مقید ہیں اور سگ آزاد

بہت ہے ظلم کے دستِ بہانہ جُو کے لیے
جو چند اہلِ جنُوں تیرے نام لیوا ہیں
بنے ہیں اہلِ ہوس ،مدعی بھی، منصف بھی
کسے وکیل کریں، کس سے منصفی چاہیں

مگر گزارنے والوں کے دن گزرتے ہیں
ترے فراق میں یوں صبح و شام کرتے ہیں

بجھا جو روزنِ زنداں تو دل یہ سمجھا ہے
کہ تیری مانگ ستاروں سے بھر گئی ہوگی
چمک اٹھے ہیں سلاسل تو ہم نے جانا ہے
کہ اب سحر ترے رُخ پر بکھر گئی ہوگی

غرض تصورِ شام و سحر میں جیتے ہیں
گرفتِ سایۂ دیوار و در میں جیتے ہیں

یونہی ہمیشہ الجھتی رہی ہے ظلم سے خلق
نہ اُن کی رسم نئی ہے، نہ اپنی ریت نئی
یوں ہی ہمیشہ کھلائے ہیں ہم نے آگ میں پھول
نہ اُن کی ہار نئی ہے، نہ اپنی جیت نئی

اسی سبب سے فلک کا گلہ نہیں کرتے
ترے فراق میں ہم دل بُرا نہیں کرتے

گر آج تجھ سے جُدا ہیں تو کل بہم ہوں گے
یہ رات بھر کی جُدائی تو کوئی بات نہیں
گر آج اَوج پہ ہے طالعِ رقیب تو کیا
یہ چار دن کی خدائی تو کوئی بات نہیں

جو تجھ سے عہدِ وفا اُستوار رکھتے ہیں
علاجِ گردشِ لیل و نہار رکھتے ہیں

(دستِ صبا)

فیض احمد فیضؔ (۱۹۱۲ء-۱۹۸۴ء)

فیض احمد نام اور فیضؔ تخلص تھا۔ سلطان محمد خان بیرسٹر کے بیٹے تھے۔ تاریخ پیدائش ۱۹۱۱ء یا ۱۹۱۲ء تھی۔ بی اے مرے کالج سیالکوٹ سے اور ایم اے گورنمنٹ کالج لاہور سے پاس کیا۔ اور نٹیل کالج لاہور سے عربی میں ایم اے کیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۳۴ء سے ۱۹۴۰ء تک ایم۔اے۔او کالج امرتسر اور ہیلی کالج لاہور میں لیکچرار رہے۔ ۱۹۴۲ء میں فوج کی ملازمت اختیار کی جو پانچ سال تک رہی۔ بعد میں لاہور آ کر ۱۹۴۷ء میں "پاکستان ٹائمز" اور ۱۹۴۸ء میں روزنامہ "اِمروز" کے چیف ایڈیٹر رہے۔ جنوری ۱۹۵۳ء میں آپ کو راول پنڈی سازش کیس میں پانچ سال کی قید ہوئی۔ ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء میں بھی کچھ عرصہ نظر بند رہے۔ فیضؔ اعلیٰ پائے کے شاعر، نقاد اور صحافی تھے۔ ان کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ "میزان" کے نام سے شائع ہوا۔ "نقشِ فریادی"، "دستِ صبا"، "دستِ تہہ سنگ"، "زندان نامہ" اور دیگر ان کے شعری مجموعے ہیں۔ فیض کے یہاں رُومان اور ترقی پسندانہ نظریات کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ ترقی پسند تحریک سے وابستہ شعرا میں فیض احمد فیضؔ کا مقام بہت بُلند اور منفرد ہے۔ انھوں نے رومانوی شاعر کو ایک نئی جہت عطا کی۔ انھوں نے زندگی کے تلخ اور کڑے حقائق سے پردہ پوشی نہیں کی بلکہ انھیں بھی رومان پرور بنا دیا ہے۔ یہ اپنی شاعری میں ذاتی دُکھوں کے علاوہ عالمی انسانی مسئلوں کو بھی زیرِ بحث لاتے ہیں۔ فیض احمد فیضؔ نے ۱۹۸۴ء میں وفات پائی۔ اُن کے کلیات "نسخہ ہائے وفا" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

مشق

موضوع کے لحاظ سے نظم کی اقسام:

مثنوی:

عربی لفظ "مثنیٰ" سے ماخوذ ہے جس کے معانی دو کے ہیں۔ اصطلاحِ شاعری میں ایسی صنفِ سخن اور مسلسل نظم جس کے ہر شعر میں دو مصرعے ہم قافیہ ہوں اور ہر دوسرے شعر میں قافیہ تبدیل ہو جائے۔ لیکن ساری مثنوی ایک ہی بحر میں ہوتی ہے۔ مثنوی ایک طویل نظم ہوتی ہے جس میں کوئی ایک داستان "قصہ در قصہ" بیان کی جاتی ہے اور مذہبی، اخلاقی، رومانوی، تاریخی موضوعات پر لکھی جاتی ہے۔ مثنوی کے لیے چند بحریں مخصوص ہیں اور اس میں اشعار کی تعداد پر کوئی قدغن نہیں۔ کئی کئی سو بلکہ کئی ہزار اشعار پر مشتمل بھی ایک مثنوی ہو سکتی ہے۔

ہجو: نظم یا شاعری کی صورت میں بُرا کہنا۔ ایسا کلام یا ایسی نظم (ہیئت کوئی بھی ہو سکتی ہے) جس میں کسی کی مخالفت میں اس کا مذاق اُڑایا جائے تضحیک آمیز طنز کیا جائے، اُسے ہجو کہتے ہیں۔

۱۔ منقبت، قصیدہ اور ہجو کے دو اشعار لکھیں۔

۲۔ درج ذیل کثیر الانتخابی سوالات کے جواب دیں:

(i) ایسی نظم کو کیا کہتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی واحدانیت، یکتائی اور صفات کا ذکر ہو؟

الف۔ منقبت　　ب۔ حمد　　ج۔ نعت　　د۔ شہر آشوب

(ii) قصیدہ کس زبان کے لفظ قصد سے ماخوذ ہے؟

الف۔ فارسی　　ب۔ ترکی　　ج۔ عربی　　د۔ فرانسیسی

(iii) کسی مُردے کے لیے رونا اور اُس کی خوبیاں بیان کرنا، ادبی اصطلاح میں کس نظم کا موضوع ہوتا ہے؟

الف۔ قصیدہ ب۔ مرثیہ ج۔ مناجات د۔ ہجو

(iv) تشبیب، گریز درج ذیل میں سے کس نظم کے اہم اجزا ہیں؟

الف۔ منقبت ب۔ ہجو ج۔ قصیدہ د۔ مرثیہ

(v) کس نظم میں کسی کا مذاق اُڑایا یا طنز کا نشانہ بنایا جاتا ہے؟

الف۔ قصیدہ ب۔ شہر آشوب ج۔ مرثیہ د۔ ہجو

(vi) درج ذیل میں سے کس نظم کے ہر شعر کا قافیہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے؟

الف۔ مثنوی ب۔ ملی نغمہ ج۔ منقبت د۔ قصیدہ

(vii) ''مثنیٰ'' کا مطلب ہے:

الف۔ دو ب۔ تین ج۔ چار د۔ پانچ

(viii) درج ذیل میں سے کس نظم میں کوئی داستان ''قصہ در قصہ'' بیان کی جاتی ہے؟

الف۔ مثنوی ب۔ قصیدہ ج۔ منقبت د۔ ملی نغمہ

۳۔ یوٹیوب چینل سے فیض احمد فیض کی اپنی آواز میں دست یاب شاملِ نصاب نظم سُن کر کلام کے اہم نکات، تراکیب، مصرعے یا اشعار برمحل اور برجستہ استعمال کریں۔

۴۔ اہلِ پاکستان نے اہلِ عرب بالخصوص اہلِ فلسطین کے ساتھ ہمیشہ بے لوث اور والہانہ محبت و عقیدت کے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ دینِ اسلام کا مضبوط رشتہ ہے جس سے مسلم اقوام صدیوں سے باہم بندھی ہوئی ہیں۔ فلسطین کی جدوجہدِ آزادی کی حمایت پاکستان نے ہر دور میں جاری رکھی کیوں کہ فلسطینیوں کا حقِ خود ارادیت دنیا کے تمام انسانوں کی طرح اُن کا بنیادی حق ہے۔ یہ بات اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ ادب اپنے معاشرے اور سماج کا آئینہ دار اور عکاس ہوتا ہے۔ معاشرے کے باسیوں اور لوگوں کے خیالات و جذبات، امنگوں، خواہشات، محرومیوں اور مسرتوں کا ترجمان اور نمائندہ ہوتا ہے۔ ذیل میں امجد اسلام امجدؔ کی فلسطین کے مشہور شاعر محمود درویش کی ترجمہ شدہ نظم ''چہرۂ محبوب کی تحریر'' کا ایک اقتباس دیا جا رہا ہے۔ عالمی ادب کا مطالعہ کرتے ہوئے اس کا پاکستانی ادب (اردو) سے موازنہ کریں کہ کس طرح اور کس حد تک فیض احمد فیضؔ جیسے شعرا نے پاکستان میں مزاحمتی ادب کو پروان چڑھانے میں اپنا کردار ادا کیا۔

یہ زمیں اک جسم ہے اور آنکھ ہے میرا وطن
بچپنے سے میری پیشانی پہ اک خنجر کا زخم تیز ہے
اور آج بھی میں
تیری یادوں کے جلو میں جاگتا ہوں
یوں گماں ہوتا ہے جیسے آنے والی ساری خوشیوں کا مکاں

موت کی پرلی طرف ہے
اور اس جانب ہے تُو
اے شہِ حسنِ جمال
آشیاں گم کردہ اور نادم پرندے کی طرح
ٹکٹکی باندھے ہوئے مبہوت بچے کی طرح
دیکھتا ہوں جب بھی میں چہرہ ترا
یاد آتا ہے مجھے وہ عرصۂ کرب وبلا
اور حبشہ
اور اذیت سے پھڑکتا بچپنا
پھر میں نبیوں کے نقوشِ پا کے نقشے
اور اک ایسی مسافت کی کہانی
پڑھتا ہوں جس میں ہزیمت، شادکامی اور ذلت
ایک دوجے کے جلو میں درج ہیں
یوں گماں ہوتا ہے جیسے یہ زمیں
محوِ طرب ہے آسماں کی ریت پر
جی میں آتا ہے کہ جڑ سے نوچ کر
پھینک دوں میں شام کے اس جھٹپٹے کو ناگہاں
اس سمندر اور اُن اُونچے محلوں سے پرے
جن میں ہیں بے فیض اور محکوم موسم حکمراں

(مترجم: امجد اسلام امجد)

۵۔ محمود درویش کی درج بالا نظم اور فیض احمد فیضؔ کی شاملِ نصاب نظم "نثار میں تری گلیوں کے" کے درمیان (اصناف، موضوعات، پیش کش، ادبی محاسن، مصنف کا نقطہ نظر، زبان وبیان کا انتخاب اور قارئین پر اثرات کے لحاظ سے) موازنہ کرتے ہوئے تبصرہ کریں۔

۶۔ فلسطینی شاعر محمود درویش کی درج شدہ نظم "چہرۂ محبوب کی تحریر" پڑھ کر موجودہ دور کے اہم ترین "مسئلہ فلسطین" کی طرف توجہ مبذول ہوتی ہے۔ آپ "مسئلہ فلسطین" کی نشان دہی کرتے ہوئے اس کے حل کی تجاویز پیش کریں اور اپنے استاد محترم/استانی صاحبہ کو چیک کرا کے کسی اخبار میں شائع ہونے کے لیے ارسال کر دیں۔

۷۔ فیض احمد فیض کی شاملِ نصاب نظم کو پڑھ کر حوالوں کے ساتھ درجِ ذیل اشعار کی تشریح کرتے ہوئے تنقید و تبصرہ کریں:

یوں ہی ہمیشہ الجھتی رہی ہے ظلم سے خلق
نہ اُن کی رسم نئی ہے، نہ اپنی ریت نئی
یوں ہی ہمیشہ کھلائے ہیں ہم نے آگ میں پھول
نہ اُن کی ہار نئی ہے، نہ اپنی جیت نئی
اسی سبب سے فلک کا گِلہ نہیں کرتے
ترے فراق میں ہم دل بُرا نہیں کرتے

۸۔ نظم "نثار میں تری گلیوں" کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھ سکیں۔

تشابہات کی نظم و نثر میں شناخت اور برمحل استعمال

"تشابہ" کے لغوی معانی ہیں کہ اس کے مختلف حصے ایک دوسرے کی مانند ہوں۔ اسی وجہ سے ایسے جملے جن کے معانی پیچیدہ ہوتے ہیں اور جن کے متعلق مختلف نقطۂ نظر یا احتمال کا اظہار کیا جا سکتا ہے، ان کو تشابہ کہتے ہیں۔ اردو زبان میں بے شمار الفاظ ایسے ہیں جن کا املا ایک ہے لیکن معانی میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مزید یہ کہ بعض الفاظ ایسے ہیں جن کا املا ایک ہے مگر اعراب اور معانی مختلف ہیں۔ ان کے علاوہ ہم صوت یعنی ہم آواز الفاظ بھی ہوتے ہیں۔ الغرض ایسے الفاظ جن کی ظاہری شکل ملتی ہو لیکن وہ املا، معانی اور اعراب میں مختلف ہوں، تشابہ الفاظ کہلاتے ہیں۔

تشابہات ایسے کلام کو بھی کہتے ہیں جس سے کئی ایک دوسرے سے ملتے جلتے مطلب نکلتے ہوں اور ان کے درمیان تمیز کرنا مشکل ہو جائے۔ ایسے الفاظ کی تفہیم میں فرق کرنا کسی قدر دشوار ہو جاتا ہے

۹۔ درجِ ذیل اشعار میں آنے والے تشابہات کو کلام کے ربط و تسلسل اور تاثر سے شناخت کریں اور پھر ان کا برمحل استعمال کرتے ہوئے جملے تحریر کریں:

(i) زنداں میں بھی شورش نہ گئی اپنے جنوں کی
اب سنگ مداوا ہے اس آشفتہ سری کا
(میر تقی میرؔ)

(ii) نہ گورِ سکندر، نہ ہے قبرِ دارا
مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے
(حیدر علی آتش)

(iii) غم و غصہ و رنج و اندوہ و حرماں
ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے
(حیدر علی آتشؔ)

(iv) جلتے ہیں جبریلؑ کے پر جس مقام پر
اُس کی حقیقتوں کے شناسا تم ہی تو ہو

(ظفرؔ علی خان)

(v) کیوں سنے عرضِ مضطرب مومنؔ
صنم آخر خدا نہیں ہوتا

(مومن خان مومنؔ)

(vi) مہروفا و لطف و عنایت ایک سے واقف ان میں نہیں
اور تو سب کچھ طنزو کنایہ، رمزواشارہ جانے ہے

(میر تقی میرؔ)

۱۰۔ منقبت، قصیدہ، ہجواور مثنوی کی تعریف مع تین تین اشعار پر مشتمل ہر ایک کی ایک مثال لکھیں تاکہ ان کی شناخت واضح ہو سکے۔

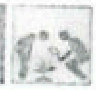

سرگرمی

فلسطینی شعرا کی نظموں کے ترجمے پر مشتمل امجد اسلام امجدؔ کا شعری مجموعہ "عکس" کالج کی لائبریری سے جاری کرائیں اور ان منظومات کا مطالعہ کرتے ہوئے تمام طلبہ باہم گفت گو کریں کہ کس طرح شعرا کی تخلیقات اپنے گردو پیش اور ماحول کی نمائندگی کرتی ہیں۔ جہاں مشکل پیش آئے اپنے استاد محترم/استانی صاحبہ سے رہ نمائی لیں۔

۵ انسانِ کامل صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی برکات

اس نظم کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- منظوم / منثور کلام سے متعلق اہم اشارات اور اہم نکات سن کر ان کی فہم کا تجزیہ کرتے ہوئے رائے دے سکیں۔
- طویل کلام کو اپنے حافظے سے دیگر مثالوں کے ساتھ ادا کر سکیں۔
- مختلف عبارات (منظوم) کی غرض و غایت اور ساخت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کا مناسب اور محتاط موازنہ اور تبصرہ (تنقید و استحسان) کر سکیں۔
- کسی بھی نظم یا نثر کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھ سکیں۔
- کسی بھی نظم یا نثر کو پڑھ کر مصنف / شاعر اور قاری کے نقطۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے مرکزی خیال تحریر کر سکیں۔
- مختلف سامعین اور مقاصد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کسی بھی موضوع پر اشعار اور حوالوں کے ساتھ کم از کم ۳۵۰ الفاظ پر مشتمل تقریر لکھ سکیں۔
- نظم بہ لحاظ ہیئت (غزل، مخمس، مسدس) میں امتیاز کر سکیں۔
- کسی بھی نظم کو پڑھ کر حوالوں کے ساتھ اس کے اشعار کی تشریح کرتے ہوئے تنقید و تبصرہ کر سکیں۔

خاص الفاظ	سرگرمِ عمل	لسان کے جوہر	انوارِ ایمانی	الطافِ ربانی	پوشاکیں
	تفاخر	مساواتِ بنی آدم	لبِ گفتار	شیرازہ	استغنائے ناداری

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو اس بات سے آگاہ کریں کہ مختلف منظوم / منثور عبارات کی غرض و غایت اور ساخت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کا مناسب اور محتاط موازنہ اور تبصرہ (تنقید و استحسان) کیسے کیا جاتا ہے تاکہ طلبہ خود بھی منظوم عبارات کی غرض و غایت اور ساخت کو پیشِ نظر رکھ کر ان کا محتاط موازنہ اور تبصرہ (تنقید و استحسان) کرنے کے قابل ہو سکیں۔

اسلامی تاریخ کو اردو کے کس کس شاعر نے اپنا موضوع بنایا ہے؟

یہاں رُوح الاَمیںؑ خیرُ الاَمیں صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے در پہ حاضر تھا — یہاں رحمت تھی سرگرمِ عمل، اللہ ناظر تھا
نمایاں ہو رہے تھے روز و شب ، لسان کے جوہر — کمالِ بندگی کے ، علم کے عرفان کے جوہر
جبینیں تھیں یہاں، انوارِ ایمانی سے تابندہ — نگاہیں تھیں یہاں الطافِ ربانی کی جوئندہ

نہ رعبِ بادشاہی تھا نہ فرِ تاج داری تھی — محمد ﷺ کی قیادت میں خدا کی شرع جاری تھی

نہ شانیں تھیں دکھاوے کی نہ پوشاکیں نمائش کی — نہ تمہیدیں تفاخر کی نہ ترکیبیں ستائش کی

کمر باندھے ہوئے سرکارِ حُریت کے درباری — مسلسل کر رہے تھے آج چشمے فیض کے جاری

یہاں بے زر، نئی دنیا کی تعمیریں اُٹھاتے تھے — مساواتِ بنی آدم کے نظارے دکھاتے تھے

تمنائیں بَر آتی تھیں یہاں ذوقِ ارادت کی — صداقت کے لیے دولت مہیا تھی شہادت کی

یہاں ہر رنگ کے پھولوں کا اک گُل زار کھلتا تھا — غریبوں بے زبانوں کو لبِ گفتار ملتا تھا

یہاں مٹی نے سیکھا مطلع الانوار ہوجانا — نصیبے کوجگانا ، دولتِ بیدار ہو جانا

یہاں تسکین و راحت پائی تھی آفت کے ماروں نے — یہاں سیکھا خوشی کا مسکرانا سوگ واروں نے

یہاں پس ماندگی نےدرس پایا شہ سواری کا — یہاں حاصل تھا محکوموں کو رُتبہ شہر یاری کا

یہاں دولت سے رَغبت تھی نہ غُربت سے تھی بیداری — کہ دولت مند کو تھا رشکِ اِستغنائے ناداری

یہاں بندے تھے قائم حق پرستی حق پسندی پر — لیے جاتا تھا ذوقِ اِنکسار ، اِن کوبلندی پر

مجاہد تھے مگرنامِ خدا پر کانپ جاتے تھے — یہ زاہد تھےفقط صدق و یقیں پرسر جھکاتے تھے

یہ سرفراز سجدہ ریز تھےدرگاہِ باری پر میں — یہ دست و پا تھے خلق اللہ کی خدمت گذاری پر

یہاں محنت کو اپنے حق سے ہوتی تھی نہ محرومی — نہ دیتے تھے یہاں دہقاں خراجِ عجز محکومی

زکات و صدقہ و خیرات پاکیزہ کمائی کے — یہاں سامان بنتےتھے غلاموں کی رہائی کے

دِلوں میں جاگ اُٹھا تھا یہاں احساس خدمت کا — مریض انسانیت کو مل رہا تھا غسل صحت کا

رضا کاری کے رشتے سے تھااِس گلشن کاشیرازہ — یہاں مسرور ہر چہرہ تھا،جیسے پھول ہو تازہ

یہاں سرمایہ و محنت سے غائب تھی حدِ فاصل — کہ جس کا نام سرمایہ ہے محنت ہی کو تھا حاصل

متاعِ محنت و سرمایہ تھے شیر وشکر دونوں — دفاعِ جبر شخصی کے لیے ،سینہ سپَر دونوں

یہاں اللہ واحد،حی و قیوم اِن کا حاکم تھا — وہ خالق تھاوہ رازق تھا وہی رحمٰن و راحم تھا

یہاں مسجد تھی جس میں نُور کے فوارے چلتے تھے — یہاں قرآں تھا جس سے فیض کے دریا اُبلتے تھے

یہاں وہ کملی والا تھا محمد ﷺ نام تھا جس کا — جہاں میں صلح و امن و آشتی پیغام تھا جس کا

نہ شخصی دولت وحشمت نہ تخت وتاج والا تھا
مگر وہ سرورِ کونین ﷺ تھا معراج والاتھا

محمد ﷺ مرکزِ خیرِ دوعالَم، مخزنِ خُوبی — ہمہ اخلاق اور احساں ،ہمہ حُسن اورمحبوبی

وہ اللہ کی طرف سے مذہبِ اسلام کا ہادی ﷺ — دلانے آیا تھا بندوں کو غیر اللہ سے آزادی

محمد ﷺ نے دیا انساں کو جوہر حق نیوشی کا
کہ شب ٹھٹھری ہوئی تھی ،مہر چمکا گرم جوشی کا

دماغ و فکر کو، علم و عمل کو زندگی دے دی
خیال و رُوح ،جان و جسم کو تابندگی دے دی

نہ حاصل تھی جو قوت بادشاہوں کج کلاہوں کو
محمد ﷺ نے وہ بخشی عام مومن کی نگاہوں کو

یہ خوش بختی صلائے عام تھی سارے زمانے کو
نویدِ عزت و اکرام تھی سارے زمانے کو

قدم زن ہو گیا انسان آزادی کی راہوں پر
فلاحِ دین و دُنیا چھاگئی سب کی نگاہوں پر

یہاں دہقاں خود تھا اپنی کشتِ زیست کا مالی
یہاں مزدور کو حاصل تھا دورِ عیش و خوش حالی

گری برقِ اُخوت ،خرمنِ بُغض و کدُورت پر
بحالی آگئی روندی ہوئی مٹی کی صورت پر

ملی پامال سبزے کو اجازت لہلہانے کی
ہوئی آنسو بھری آنکھوں کو جرأت مسکرانے کی

(شاہ نامۂ اسلام۔ جلد چہارم)

حفیظؔ جالندھری (۱۹۰۰ء۔ ۱۹۸۲ء)

محمد حفیظ نام اور حفیظؔ ہی تخلّص تھا، جالندھر، مشرقی پنجاب میں پیدا ہوئے اور اِسی نسبت سے حفیظؔ جالندھری کہلائے۔ ابتدائی تعلیم جالندھر میں حاصل کی تاہم خانگی حالات اور گھریلو ذمے داریوں کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ شاعری کا ملکہ ان میں فطری طور پر موجود تھا۔ اِس لیے اس میدان میں انھوں نے وہ نام پیدا کیا کہ بڑے بڑوں سے اپنی شاعری کا لوہا منوالیا۔ ان کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ پاکستان کے قومی ترانے کے خالق ہیں۔ حفیظؔ کی طبیعت کو نظم اور غزل دونوں سے یکساں مناسبت تھی، ان کی شاعری میں مقصدیت اور قومی جذبہ حالیؔ اور اقبالؔ سے منتقل ہُوا۔

اُن کا عظیم ترین شعری کارنامہ ''شاہنامۂ اسلام'' ہے جو اسلام کے ابتدائی دَور کی منظوم تاریخ ہے۔ یہ مجموعہ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ ''نغمہ زار''، ''چراغِ سحر''، ''تلخابۂ شیریں'' اور ''سوز و ساز'' اُن کے دیگر شعری مجموعے ہیں۔ انھوں نے ''عمرو عیار'' اور ''چیونٹی نامہ'' کے علاوہ چار جلدوں میں بچوں کے لیے گیت اور نظمیں بھی لکھی ہیں۔ ''ہفت پیکر'' میں اُن کے سات افسانے شامل ہیں۔ ان کی شاعری کی اہم خصوصیت غنائیت اور شگفتگی ہے۔ اُن کی نظموں کا ایک اور پہلو منظر نگاری ہے۔ اُن کے اُردو گیتوں میں ہندی بحور کا بے تکلّفانہ استعمال مٹھاس بھر دیتا ہے۔ اُن کی تشبیہات اچھوتی اور نادر ہوتی ہیں۔ برجستہ اور نثری ترتیب ان کے مصرعوں کی پہچان ہے۔ اُن کے کلام میں سادگی، دلکشی، موسیقیت اور تغزّل پایا جاتا ہے، اِسی بنا پر انھیں ''ابوالاثر'' کا خطاب دیا گیا۔

مشق

ا۔ الطاف حسین حالیؔ کے کلام سے متعلق اُستادِ محترم / اُستانی صاحبہ کے بتائے ہوئے اشارات اور نکات کو غور سے سُنیں۔ ان نِکات اور اشارات کی روشنی میں درج ذیل کلام کی فہم کا تجزیہ کریں اور اپنی رائے دیں:

تمھاری عزتیں تھیں، اوج تھا، رتبہ تھا، شانیں تھیں
تمھاری بات تھی، احکام تھے، کہنا تھا، آنیں تھیں

تمھارے ذکر میں سرگرم ، دنیا کی زبانیں تھیں
تمھی تم تھے، زمانے میں تمھاری داستانیں تھیں

غرورو ناز کم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو
سرِ تسلیم خم کرناپڑا تھا ایک عالم کو

۲۔ حفیظ جالندھری کی شاملِ نصاب نظم ''انسانِ کامل کی برکات'' کے درج ذیل اشعار کو پڑھ کر حوالوں کے ساتھ تشریح کرتے ہوئے تنقید و تبصرہ کریں:

نہ حاصل تھی جو قوت بادشاہوں کج کلاہوں کو
محمد ﷺ نے وہ بخشی عام مومن کی نگاہوں کو
یہ خوش بختی صلائے عام تھی سارے زمانے کو
نویدِ عزت و اکرام تھی سارے زمانے کو
قدم زن ہو گیا انسان آزادی کی راہوں پر
فلاحِ دین و دُنیا چھاگئی سب کی نگاہوں پر
یہاں دہقاں خود تھا اپنی کشتِ زیست کا مالی
یہاں مزدور کو حاصل تھا دورِ عیش و خوش حالی
گری برقِ اُخوت ،خرمَنِ بُغض و کدُورت پر
بحالی آگئی روندی ہوئی مٹی کی صورت پر
ملی پامال سبزے کواجازت لہلہانے کی
ہوئی آنسو بھری آنکھوں کو جرأت مسکرانے کی

۳۔ ''انسانِ کامل کی برکات'' ایک طویل نظم ہے جس میں مسلمانوں کے عروج زوال کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ حفیظ جالندھری سے قبل یہ کام الطاف حسین حالیؔ اپنے اسلوب سے یہ کارنامہ سرانجام دے چکے تھے۔ تمام طلبہ اس کلام کو اپنے حافظے سے دیگر مثالوں (الطاف حسین حالی کی مدو جزر اسلام سے) کے ساتھ ادا کریں۔

۴۔ '' شاہنامۂ اسلام'' چار ضخیم جلدوں پر مشتمل منظوم اسلامی تاریخ ہے جس میں شاعرِ اسلام حفیظ جالندھری نے اسلامی تاریخ کے اہم واقعات بالخصوص حربی واقعات کو منظوم کیا ہے۔ ''شاہنامۂ اسلام'' کے ساتھ ساتھ تمام طلبہ ''مدو جزرِ اسلام'' از الطاف حسین حالیؔ کا مطالعہ بھی کریں تو معلوم ہو گا کہ دونوں شعرائے کرام کا مقصد اور غرض وغایت ایک ہی تھی یعنی نبی کریم ﷺ کی بعثت مبارک سے دنیائے عالم کو جو خیر و برکات ملیں انھیں نظم کی صورت میں پیش کیا گیا۔ لیکن دونوں شاہ کار ادب پاروں کی ساخت الگ الگ ہے۔ الطاف حسین حالیؔ نے ''مدو جزرِ اسلام'' کو مسدس کی ساخت (ہیئت) میں لکھا جب کہ حفیظ جالندھری نے ''شاہ نامۂ اسلام'' کو مثنوی کی ہیئت میں لکھا ہے۔ طلبہ دونوں کی غرض وغایت اور ساخت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کا مناسب اور محتاط موازنہ اور تبصرہ (تنقید و استحسان) کریں۔

۵۔ نظم ''انسانِ کامل کی برکات'' کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھیں۔

۶۔ نظم ''انسانِ کامل کی برکات'' کو پڑھ کر شاعر اور قاری کے نقطۂ کو سامنے رکھتے ہوئے مرکزی خیال تحریر کریں۔

۷۔ مختلف سامعین اور مقاصد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ''اسلام ایک امن پسند مذہب'' کے موضوع پر اشعار اور حوالوں کے ساتھ کم از کم ۳۵۰ الفاظ پر مشتمل تقریر لکھ سکیں۔

درج ذیل میں سے غزل، مسدس، مخمس ہیئت کی شناخت (امتیاز) کریں:

پُھولا شَفَق سے، چَرخ پہ جب، لالہ زارِ صبح
گلزارِ شب، خزاں ہوا، آئی بہارِ صبح
کرنے لگا فلک، زرِ انجم، نثارِ صبح
سرگرم ذکرِ حق ہوئے، طاعت گزارِ صبح
تھا چرخِ اخضری پہ، یہ رنگ، آفتاب کا
کِھلتا ہے جیسے، پھُول چمن میں، گلاب کا
(میرانیسؔ)

بازیچۂ اطفال ہے، دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز، تماشا مرے آگے

اک کھیل ہے، اورنگ سلیماں مرے نزدیک
اک بات ہے، اعجاز مسیحا مرے آگے

جُز نام نہیں، صُورتِ عالم، مجھے منظور
جز وہم نہیں، ہستیِ اشیا مرے آگے

ہوتا ہے نہاں، گرد میں صحرا، مرے ہوتے
گِھستا ہے، جبیں خاک پہ دریا، مرے آگے

مت پوچھ کہ، کیا حال ہے، میرا ترے پیچھے
تُو دیکھ کہ، کیا رنگ ہے، تیرا مرے آگے

ایماں مجھے روکے ہے، جو کھینچے ہے، مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے، کلیسا مرے آگے

گو ہاتھ کو، جنبش نہیں، آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو، ابھی ساغر و مینا، مرے آگے

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ہے میرا
غالبؔ کو بُرا کیوں کہو، اچھا! مرے آگے
(مرزاغالبؔ)

دنیا میں، بادشاہ ہے سو ہے، وہ بھی آدمی
اور مفلس وگدا، ہے سو ہے، وہ بھی آدمی
زردار بے نوا ہے، سو ہے، وہ بھی آدمی
نعمت جو کھا رہا ہے، سو ہے، وہ بھی آدمی
ٹکڑے چبا رہا ہے، سو ہے، وہ بھی آدمی
(نظیرآکبرآبادی)

۶

نئی نسل کا نوحہ

اس نظم کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ :

- کسی ادبی یا صحافتی موضوع پر اپنے مطالعے، تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں استدلال، درست تلفظ اور عمدہ لب لہجے کے ساتھ زبانی (فی البدیہہ اور یاد کی ہوئی) تقریر کر سکیں۔
- عبارت (منظوم) پڑھتے ہوئے تمام علامات اوقاف کا لحاظ رکھ سکیں۔
- کسی بھی نظم پارے میں موضوعات کی شناخت کرتے ہوئے شاعر اور قارئین کے نقطۂ نظر کے ساتھ اس کی وضاحت کے لیے اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔
- نظم / غزل کے اشعار کی حوالوں (شاعری کے پس منظر، انداز بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کر سکیں۔
- کسی بھی نظم کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھ سکیں۔
- نظم بہ لحاظ ہیئت (غزل، مسدس، مخمس) میں امتیاز کر سکیں۔

خاص	چھب	کُہنہ	خیالِ تازہ	جِنسِ کمال	بھید
الفاظ	حواسِ خَمسہ	مُعتبر			

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو پابند نظم، آزاد نظم اور نظم معریٰ کے حوالے سے آگاہی دیں۔

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

قیام پاکستان کے بعد شہرت پانے والے تین شاعروں کے نام بتائیں۔

متن

میں سوچتا ہوں،
لکھا ہے جو کچھ، پڑھا ہے جو کچھ، وہ کس لیے تھا
کہاں سے پوچھوں!
وہ کس لیے ہے کسے بتاؤں،
مجھے عقیدوں کے خواب دے کر کہا گیا، ان میں روشنی ہے!
چمکتی قدروں کی چھب دکھا کر مجھے بتایا یہ زندگی ہے
سکھائے مجھ کو کمال ایسے

یقیں نہ لائیں سکھانے والے اگر انھی کو میں جاسناؤں
میں کہنہ آنکھوں کی دسترس میں نئے مناظر کہاں سے لاؤں
کہاں پہ جنسِ کمال رکھوں، خیالِ تازہ کہاں سجاؤں
زمین پاؤں تلے نہیں ہے، تو کیسے تاروں کی سمت جاؤں
پُرانی قدریں جو محترم ہیں
اُنھیں سنبھالوں یا آنے والے نئے عقیدوں کا بھید پاؤں
وہ سب عقیدے، تمام قدریں خیال سارے
جو مجھ کو سکے بنا کے بخشے گئے تھے میرے حواسِ خمسہ سے معتبر تھے
جب اُن کو رہبر بنا کے نکلا
تو میں نے دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں کچھ نہیں ہے
میں ایسے بازار میں کھڑا ہوں جہاں کرنسی بدل چکی ہے

(میرے بھی ہیں کچھ خواب)

امجد اسلام امجد (۱۹۴۴ء۔ ۲۰۲۳ء)

ایک پاکستانی اردو شاعر، ڈراما نگار اور گیت نگار تھے۔ ۵۰ سال کو محیط ادبی زندگی میں انھوں نے چالیس سے زائد کتابیں تصنیف کی۔ انھیں اپنے ادبی کام اور ٹی۔ وی کے لیے اسکرین پلے کے لیے بہت سے اعزازات ملے، جن میں تمغائے حسن کارکردگی اور ستارۂ امتیاز شامل ہیں۔

امجد اسلام امجد کی پیدائش ۴ اگست ۱۹۴۴ء کو لاہور میں ہوئی۔ انھوں نے اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔ اے کرنے کے بعد پنجاب یونی ورسٹی سے اردو میں ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ انھوں نے اپنی عملی زندگی کا آغاز ایم۔ اے۔ او کالج لاہور کے شعبۂ اردو میں اُستاد کی حیثیت سے کیا۔

۱۹۷۵ء اور ۱۹۷۹ء کے درمیان امجد اسلام امجد پاکستان ٹیلی ویژن نیٹ ورک کے ڈائریکٹر رہے۔ ۱۹۸۹ء میں انھیں اردو سائنس بورڈ کا ڈائریکٹر بنادیا گیا۔ انھوں نے چلڈرن لائبریری پروجیکٹ میں ڈائریکٹر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دی تھیں۔ ان کی شخصیت پر تقریباً دس سے زائد تنقیدی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔

امجد اسلام امجد کی وفات ۱۰ فروری ۲۰۲۳ء کو لاہور میں دل کا دورہ پڑنے سے ہوئی۔ ان کے شعری مجموعوں میں: ''بارش کی آواز''، ''شام سرائے''، ''اتنے خواب کہاں رکھوں''، ''نزدیک''، ''یہیں کہیں''، ''ساتواں در''، ''فشار''، ''سحر آثار''، ''ساحلوں کی ہوا''، ''محبت ایسا دریا ہے''، ''برزخ''، ''اس پار'' اور ''وارث'' شامل ہیں۔ ڈراما ''وارث'' ان کی شناخت بنا۔

مشق

۱۔درج ذیل موضوعات میں سے کسی ایک موضوع پر اپنے مطالعے، تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں استدلال، درست تلفظ اور عمدہ لب لہجے کے ساتھ کالج اسمبلی میں زبانی (فی البدیہہ اور یاد کی ہوئی) تقریر کریں:

الف۔ بچّوں کا شعور

ب۔ ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

ج۔ تحفظِ اطفال

۲۔درج ذیل عبارت (منظوم) پڑھتے ہوئے تمام علامات اوقاف کا لحاظ رکھیں:

نثار میں تری گلیوں کے اے وطن کہ جہاں
چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اُٹھا کے چلے
جو کوئی چاہنے والا طواف کو نکلے
نظر چُرا کے چلے جسم و جاں بچا کے چلے
ہے اہل دل کے لیے اب یہ نظم بست و کشاد
کہ سنگ و خشت مقید ہیں اور سگ آزاد
بہت ہے ظلم کے دستِ بہانہ جُو کے لیے
جو چند اہلِ جنُوں تیرے نام لیوا ہیں
بنے ہیں اہلِ ہوس مدعی بھی، منصف بھی
کسے وکیل کریں کس سے منصفی چاہیں
مگر گزارنے والوں کے دن گزرتے ہیں
ترے فراق میں یوں صبح و شام کرتے ہیں

۳۔درج ذیل نظم پارے میں موضوعات کی شناخت کرتے ہوئے شاعر اور قارئین کے نقطۂ نظر کے ساتھ اس کی وضاحت کے لیے اپنی رائے کا اظہار کریں:

دِلوں میں جاگ اُٹھا تھا یہاں احساس خدمت کا
مریضِ انسانیت کا مِل رہا تھا غسل صحت کا
رضا کاری کے رشتے سے تھا اِس گُلش کا شیرازہ

یہاں مسرور ہر چہرہ تھا ، جیسے پھول ہو تازہ
یہاں سرمایہ و محنت سے غائب تھی حدِ فاصل
کہ جس کا نام سرمایہ ہے محنت ہی کو تھا حاصل
متاعِ محنت و سرمایہ تھے شیر و شکر دونوں
دفاعِ جبر شخصی کے لیے ، سینہ سَپر دونوں

۴۔ درج ذیل نظم پارے کی حوالوں (شاعری کے پس منظر، انداز بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کریں:

کہاں پہ جنسِ کمال رکھوں، خیالِ تازہ کہاں سجاؤں
زمین پاؤں تلے نہیں ہے، تو کیسے تاروں کی سمت جاؤں
پُرانی قدریں جو محترم ہیں
اُنھیں سنبھالوں یا آنے والے نئے عقیدوں کا بھید پاؤں
وہ سب عقیدے، تمام قدریں خیال سارے
جو مجھ کو سکے بنا کے بخشے گئے تھے میرے حواسِ خمسہ سے معتبر تھے
جب اُن کو رہ بر بنا کے نکلا
تو میں نے دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں کچھ نہیں ہے
میں ایسے بازار میں کھڑا ہوں جہاں کرنسی بدل چکی ہے

۵۔ "نئی نسل کا نوحہ" نظم کو پڑھ کر اس کے اہم نکات کا خلاصہ لکھیں۔

سرگرمی

درج ذیل میں مسدس، مخمس، اور غزل میں امتیاز کریں:

یوں کہنے کو، پیرایۂ اظہار بہت ہے
یہ دِل، دلِ ناداں سہی، خوددار بہت ہے

دیوانوں کو اب، وسعتِ صحرا نہیں درکار
وحشت کے لیے، سایۂ دیوار بہت ہے

بجتا ہے، گلی کُوچوں میں، نقارۂ الزام
ملزم کہ خموشی کا، وفادار بہت ہے

جب حُسن تکلّم پہ، کڑا وقت پڑے تو
اور کچھ بھی نہ باقی ہو، تو تکرار بہت ہے

خود آئینہ گر آئینہ چھوڑے ،تو نظر آئے
دہکا ہوا ہر شعلۂ رخسار، بہت ہے

مُنصف کے لیے، اذنِ سماعت پہ ہیں پہرے
اور عدل کی زنجیر میں، جھنکار بہت ہے
(زہرہ نگار)

چلنا وہ بادِ صبح کے، جھونکوں کا، دم بہ دم
مرغانِ باغ کی، وہ خوش الحانیاں، بہم
وہ آب و تابِ نہر، وہ موجوں کا پیچ و خم
سردی ہوا میں ، پر نہ زیادہ، بہت، نہ کم
کھا کھا کے اوس، اور بھی سبزہ، ہرا ہوا
تھا موتیوں سے، دامنِ صحرا، بھرا ہوا
(میر انیس)

مسجد بھی، آدمی نے بنائی ہے، یاں میاں
بنتے ہیں، آدمی ہی امام، اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں، آدمی ہی قرآن، اور نمازیاں
اور آدمی ہی، ان کی چُراتے ہیں، جُوتیاں
جو ان کو، تاڑتا ہے سو ہے، وہ بھی آدمی
(نظیر اکبر آبادی)

۷ داستان تیاّری میں باغ کی

اس نظم کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- کلام/بات کو آغاز/درمیان سے سن کر، نظم کے مرکزی خیال، نکتے یا تصور تک رسائی حاصل کر کے سیاق و سباق کو سمجھ اور موضوع بیان کر سکیں۔
- طویل کلام کو اپنے حافظے سے دیگر مثالوں کے ساتھ ادا کر سکیں۔
- مختلف مصنفین/شعرا کے ادب پارے پڑھ کر اس زمانے کی تاریخ سے واقف ہوتے ہوئے عصری تناظر میں اس کا تجزیہ کر سکیں۔
- مختلف مصنفین/شعرا کی تخلیقات اور ادب پاروں کو پڑھ سکیں اور اس زمانے کی تاریخ سے واقف ہو سکیں اور عصری تناظر میں اس کا تجزیہ اور تبصرہ کر سکیں۔
- مفہوم برقرار رکھتے ہوئے متن میں متبادلات سے واقف ہوتے ہوئے استعمال کر سکیں۔
- متن پڑھ کر خیالات، آرا اور رویوں کا آپس میں تعلق سمجھتے ہوئے اس پر تبصرہ کر سکیں۔
- مختلف اصنافِ ادب (منثور/منظوم) کی ڈرامائی تشکیل کر سکیں۔

خاص	مئے اَرغوانی	مَنقُول و مَعقُول	زَربفت	قاز اور قرقرے	چقیں
الفاظ	صَندَل	دَست بَستہ	شاخِ شَبو	نَستَرَن	زَرنِگار

ہدایات برائے اساتذہ کرام

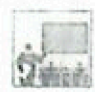

- طلبہ کو پابند نظم، آزاد نظم اور نظم معریٰ کے حوالے سے آگاہی دیں۔

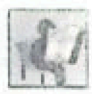

پڑھیں

مثنوی کس طرح کی نظم کو کہتے ہیں اور فکری اور فنی اعتبار سے یہ دوسری نظموں سے کس طرح مختلف ہے؟

مئے ارغوانی پلا ساقیا! — کہ تعمیر کو باغ کی دل چلا
دیا شہ نے ترتیب اک خانہ باغ — ہوا رشک سے جس کے لالہ کو داغ
عمارت کی خوبی، دروں کی وہ شان — لگے جس میں زربفت کے سائبان
چقیں اور پردے بندھے زرنگار — دروں پر کھڑی دست بستہ بہار
دیے چار سو آئنے جو لگا — گیا چوگنا لطف اُس میں سما

وُہ مخمل کا فرش اُس میں ستھرا کہ بس
بڑھے جس کے آگے نہ پائے ہوس

زمیں پر تھی اِس طور اُس کی جھلک
ستاروں کی جیسے فلک پر چمک

زمیں کا کروں واں کی کیا میں بیاں
کہ صندل کا اک پارچہ تھا عیاں

بنی سنگ مرمر سے چوپڑ کی نہر
گئی چار سُو اُس کے پانی کی لہر

زمرد کے مانند سبزے کا رنگ
روش کا، جواہر ہُوا، جس سے سنگ

رَوِش کی صفائی پہ بے اختیار
گلِ اشرفی نے کیا زر نثار

چمن سے بھرا باغ ، گُل سے چمن
کہیں نرگس و گل، کہیں یاسمن

چنبیلی کہیں اور کہیں موتیا
کہیں رائے بیل اور کہیں موگرا

کھڑے شاخ شبو کے ہر جا نشان
مدن بان کی اور ہی آن بان

کہیں ارغواں اور کہیں لالہ زار
جُدی اپنے موسم میں سب کی بہار

کہیں جعفری اور گیندا کہیں
سماں شب کو داؤدیوں کا کہیں

عجب چاندنی میں گلوں کی بہار
ہر اک گل سفیدی سے مہتاب دار

کہیں زرد نسریں کہیں نسترن
عجب رنگ پر زعفرانی چمن

پڑی آب جُو، ہر طرف کو بہے
کریں قمریاں سرو پر چہچہے

گلوں کا لبِ نہر پر جھومنا
اُسی اپنے عالم میں مُنہ چُومنا

خراماں صبا صحن میں چار سو
دماغوں کو دیتی پھرے گل کی بُو

کھڑے نہر پر قاز اور قرقرے
لیے ساتھ مرغابیوں کے پرے

صدا قرقوں کی، بطوں کا وہ شور
درختوں پہ بگلے، منڈیروں پر مور

صبا جو گئی ڈھیریاں کر کے بھول
پڑے ہر طرف مولسریوں کے پھول

درختوں نے برگوں کے کھولے ورق
کہ لیں طوطیاں بوستان کا سبق

سماں قمریاں دیکھ اُس آن کا
پڑھیں بابِ پنجم گلستان کا

کنیزانِ مہ رُو کی ہر طرف ریل
چنبیلی کوئی ، اور کوئی رائے بیل

کوئی کیتکی اور کوئی گلاب
کوئی مہ رتن اور کوئی ماہ تاب

کوئی سیوتی، اور ہنس مکھ کوئی
کوئی دل لگن ، اور تن سکھ کوئی

پلا جب وہ اس ناز و نعمت کے ساتھ — پدر اورمادر کی شفقت کے ساتھ
ہوئی اُس کے مکتب کی شادی عیاں — ہُوا پھر اُنھیں شادیوں کا سماں
معلم، اتالیق، منشی، ادیب — ہر اک فن کے اُستادبیٹھے قریب
کیا قاعدے سے شروع کلام — پڑھانے لگے علم اُس کو تمام
معانی و منطق ،بیان و ادب — پڑھا اُ س نے منقول و معقول سب
خبردار ،حکمت کے مضموں سے — غرض جو پڑھا اُس نے ، قانون سے
لگا ہیئت و ہندسہ تا نجوم — زمیں آسماں میں پڑی اُس کی دھوم
لیا ہاتھ جب خامۂ مشک بار — لکھا نسخ و ریحان و خطِ غبار
شکستہ لکھا اور تعلیق جب — رہے دیکھ حیراں اتالیق سب
گیا نام پر اپنے وہ دل پذیر — ہر اِک فن میں سچ مُچ ہُوا بےنظیر

(مثنوی:سحرالبیان)

میر حسنؔ(۱۷۳۶ء۔۱۷۸۶ء)

نام میر غلام حسن اور حسنؔ ہی تخلص تھا۔دلّی کے محلہ سیّد واڑہ میں پیدا ہوئے۔نامور ہجو گو شاعر میر ضاحک کے بیٹے، میر خلیق کے والد اور مشہور مرثیہ نگار میر انیس کے دادا تھے۔ تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔دلّی کے اُجڑنے پر اپنے والد کے ساتھ فیض آباد چلے گئے اور وہاں نواب سالار جنگ کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔بعد ازآں اُن کے بیٹے نواب نوازش علی خاں کی مصاحبت اختیار کرلی۔جب نواب آصف الدّولہ نے اپنادارالحکومت فیض آباد سے لکھنؤ منتقل کیا تو یہ بھی لکھنؤ آ گئے۔

شعر و شاعری کاملکہ اُن کو وراثت میں ملا تھا۔انھوں نے غزلیں اور قصائد بھی لکھے ہیں تاہم اُن کی اصل وجہِ شہرت مثنوی ''**سحرالبیان**'' ہے جسے اُردو کی بہترین مثنوی کادرجہ حاصل ہے۔یہ مثنوی ایک منظوم داستان ہے جس میں شہزادہ بےنظیر اور شہزادی بدر منیر کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔یہ مثنوی واقعہ نگاری، کردار نگاری اور منظر کشی کی کامیاب ترین کوشش کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کی معاشرت، تمدّن اور رسم و رواج کی بھی عکاسی کرتی ہے۔اِس مثنوی کے بعض شعر یا مصرے ضرب المثل بن چکے ہیں۔اِس مثنوی کاانداز ِبیاں رواں اور بے ساختہ ہے۔زبان اس قدر صاف اور سادہ ہے کہ ایک طویل عرصہ گزرنے کے باوجود آج بھی تازہ اور دل کش معلوم ہوتی ہے۔

مشق

۱۔ درج ذیل میں شامل نصاب مثنوی کے حصے میں سے چند اشعار آغاز اور چند اشعار درمیان سے دیے جا رہے ہیں۔ اک طالبِ علم ان اشعار کی درست تلفظ کے ساتھ بلند خوانی کرے۔ باقی طلبہ دونوں حصوں کو سن کر، نظم کے مرکزی خیال، نکتے یا تصور تک رسائی حاصل کر کے سیاق و سباق کو سمجھیں اور موضوع بیان کریں:

(آغاز کے اشعار)

مئے ارغوانی پلا ساقیا! | کہ تعمیر کو باغ کی دل چلا
دیا شہ نے ترتیب اک خانہ باغ | ہوا رشک سے جس کے لالہ کو داغ
عمارت کی خوبی، دروں کی وہ شان | لگے جس میں زربفت کے سائبان
چقیں اور پردے بندھے زرنگار | دروں پر کھڑی دست بستہ بہار
دیے چار سُو آئنے جو لگا | گیا چوگنا لُطف اُس میں سما
وُہ مخمل کا فرش اُس میں ستھرا کہ بس | بڑھے جس کے آگے نہ پائے ہوس
زمیں پر تھی اِس طور اُس کی جھلک | ستاروں کی جیسے فلک پر چمک

(نظم کے درمیان کے اشعار)

چمن سے بھرا باغ ، گُل سے چمن | کہیں نرگس و گل، کہیں یاسمن
چنبیلی کہیں اور کہیں موتیا | کہیں رائے بیل اور کہیں مو گرا
کھڑے شاخِ شبو کے ہر جا نشان | مدن بان کی اور ہی آن بان
کہیں ارغواں اَور کہیں لالہ زار | جُدی اپنے موسم میں سب کی بہار
کہیں جعفری اور گیندا کہیں | سماں شب کو داؤ دیوں کا کہیں
عجب چاندنی میں گلوں کی بہار | ہر اک گل سفیدی سے مہتاب دار
کہیں زرد نسریں کہیں نسترن | عجب رنگ پر زعفرانی چمن

۲۔ مثنوی ایک طویل نظم ہوتی ہے جس میں ایک داستان کو قصہ در قصہ بیان کیا جاتا ہے۔ شاملِ نصاب نظم پارہ "داستان تیاری میں باغ کی" بھی میر حسن کی معروف مثنوی "سحر البیان" کا ایک جزو ہے جو بذاتِ خود طویل ہے۔ آپ اسے غور سے پڑھیں اور اسے اپنے حافظے سے دیگر مثالوں کے ساتھ ادا کریں۔

۳۔ میر حسن کا تعلق اُردو کے "دبستانِ لکھنو" سے تھا۔ ناگفتہ بہ سیاسی، سماجی اور معاشی حالات کی وجہ سے دیگر تخلیق کاروں کی طرح آپ بھی اپنے خاندان کے ساتھ دلی سے ہجرت کر کے ریاستِ اودھ گئے تھے۔ ریاست اودھ اُن دنوں خوش حالی اور فارغ البالی کی ایک ایسی تصویر تھا جس میں دولت کی ریل پیل کے باعث، تصنع، دکھاوا اور بناوٹ پورے معاشرے کا مزاج تھا۔ شکوہِ لفظی، زبان و بیان پر روز مرہ محاورات کی چھاپ اور کلام کی دیگر ظاہری خوبیاں "دبستانِ لکھنو" پر چھائی ہوئی تھیں۔ اس تناظر میں مذکورہ مثنوی کی زبان و بیان کی اہمیت اجاگر کریں۔

اُسی زمانے کے آس پاس ''دبستانِ دلی'' ہندوستان میں ہند اسلامی تہذیب کے زوال کا رونا رو رہا تھا۔ الطاف حسین حالؔی ''مدوجزرِ اسلام'' کے ذریعے مسلمانانِ ہند کو شکوہِ رفتہ کے آئینے میں مستقبل دکھانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ میر حسنؔ ہوں یا الطاف حسین حالؔی دونوں نے اپنے عہد کو اپنی شاعری میں قلم بند کردیا ہے۔

آپ دونوں شعرا کی تخلیقات اور ادب پاروں کو پڑھ کر اس زمانے کی تاریخ سے واقف ہوتے ہوئے عصری تناظر میں اِن کا تجزیہ کرنے کے ساتھ ساتھ تبصرہ بھی کریں۔ جہاں مشکل پیش آئے اپنے استادِ محترم/استانی صاحبہ سے رہ نمائی حاصل کریں۔

متن میں متبادلات سے واقفیت:

ماہرین لسانیات اس بات پر متفق ہیں کہ دنیا کی تمام زبانیں ایک دوسرے سے الفاظ کا لین دین کرتی ہیں۔ قدیم زبانوں سے لے کر جدید زبانوں تک یہ عمل تسلسل کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ فی زمانہ سوشل میڈیا کی وجہ سے دنیا ''گلوبل ویلج'' بن چکی ہے۔ دنیا کے مختلف خطوں، تہذیبوں اور ثقافتوں کے مختلف زبانیں بولنے والے ایک دوسرے کے ساتھ باہم منسلک ہوگئے ہیں۔ اس لیے زبانوں کا یہ لین دین نہ صرف زیادہ ہوگیا ہے بلکہ اپنی اثر پذیری کی وجہ سے اس کی رفتار میں بھی اضافہ ہوگیا ہے۔ اگرچہ کسی بھی زبان کے الفاظ کسی دوسری زبان کے متبادل لفظ کے طور پر اپنا مکمل اظہار اور ابلاغ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

اُردو زبان میں بھی علاقائی زبانوں کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی زبانوں کے متعدد الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اٹھارہویں صدی عیسوی سے پیشتر اردو زبان پر ہندی، سنسکرت، عربی اور فارسی کی چھاپ تھی۔ ہندوستان میں انگریزوں کے غاصبانہ قبضے کے بعد خاص طور پر انگریزی کے متعدد الفاظ اُردو میں راہ پانا شروع ہوئے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے سرکاری اور نجی سطح پر شعوری کوششیں بھی ہوئیں۔ جو معاملہ سر سید احمد خاں اور اکبر الہ آبادی سے شروع ہوا تھا اُس نے اب تو یہ صورتِ حال اختیار کرلی ہے کہ انگریزی زبان کے بے شمار الفاظ اپنی اصل کے اعتبار سے ہی اُردو میں استعمال ہو رہے ہیں اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اردو میں اجنبی یا غیر مانوس بھی نہیں لگتے۔ یہ اُردو زبان کے دامن کی وسعت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اگرچہ انگریزی زبان کے ان الفاظ کا متبادل اُردو زبان میں بھی مستعمل ہے۔ مثلاً: ٹیبل، چیئر، پلیٹ، اسکول، روڈ، موٹر وے وغیرہ

۴۔ متبادلات کی تلاش ایک عمدہ اور دل چسپ ذہنی مشق ہے۔ ذیل میں اکبرؔ الہ آبادی کے چند اشعار دیے جا رہے ہیں۔ آپ ان اشعار کے مفہوم کو برقرار رکھیں اور متبادلات سے واقف ہوتے ہوئے ان کا استعمال کریں:

چٹھی اس مِس کی ہے کہ یہ جادو ہے
دل، جوشِ مفاخرت سے بے قابو ہے
ایسی پیاری اور مجھ کو پیارا لکھے
القاب میں دیکھیے تو '' ڈیئر کلو'' ہے

میں ہوا اُن سے رُخصت اے اکبرؔ
وصل کے بعد تھینک یُو کہ کر

چھوڑ لٹریچر کو اپنی ہسٹری کو بھول جا
شیخ و مسجد سے تعلق ترک کر، اسکول جا
چاردن کی زندگی ہے کوفت کا کیا فائدہ
کر کلرکی ،کھا ڈبل روٹی ،خوشی سے پھول جا
پانی پینا پڑا ہے پائپ کا
حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا
بل کا آنا ہے،نل کا پانی ہے
آب و دانہ کی حکم رانی ہے

۵۔ اکبرآلہ آبادی کے درج بالااشعار نہ صرف اُن کاکلام ہے بلکہ اُن کی شاعری کا باقاعدہ ایک رویہ ہیں۔ اکبرالہ آبادی کے درج بالااشعار کے متن کو پڑھ کر خیالات، آرااور رویوں کا آپس میں تعلق سمجھتے ہوئےاس پر تبصرہ کریں۔

سرگرمی

ا۔ استادِ محترم/استانی صاحبہ سے رہ نمائی لے کر "داستان تیاری میں باغ کی" کی ڈرامائی تشکیل کریں۔

حصۂ غزل

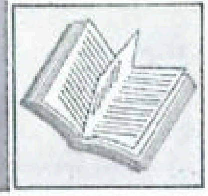

1

غزل ۱: خواجہ میر دردؔ

اس غزل کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- پڑھے گئے متن کے کسی حصے کو دہراتے ہوئے حوالوں اور دلائل کے ساتھ اظہارِ رائے کرتے ہوئے متعلقہ حصے پر جزئیات کے ساتھ تبصرہ پیش کر سکیں۔
- کسی نظم (منظوم کلام) میں موضوعات کی شناخت کرتے ہوئے شاعر / مصنف اور قارئین کے نقطۂ نظر کے ساتھ اس کی وضاحت کے لیے اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔
- مختلف سامعین اور مقاصد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کسی بھی موضوع پر اشعار اور حوالوں کے ساتھ کم از کم ۳۵۰ الفاظ پر مشتمل تقریر لکھ سکیں۔
- اصنافِ نظم کے محاسن (علم بیان) کو شناخت کر سکیں۔

خاص الفاظ					
	جگ	مُسیحائی	آہ اور زاری	عاشق مزاج	قصّہ مختصر
	اِدھر اُدھر	نالہ	سُو سُو طرح سے	مُر دیکھا	آنکھ بھر دیکھا

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو متن پڑھ کر حوالوں اور دلائل کے ساتھ متعلقہ حصے پر جزئیات کے ساتھ تبصرہ کرنے کے حوالے سے آگاہ کریں۔
- لغت اور تھیسارس کو استعمال کرنے کے طریقے سے آگاہ کریں۔

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

صوفی شاعر کسے کہتے ہیں اور تصوف کیا ہوتا ہے؟

پڑھیں

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا
تُو ہی آیا نظر، جدھر دیکھا

جان سے ہو گئے بدن خالی
جس طرف تُو نے آنکھ بھر دیکھا

نالہ، فریاد، آہ اور زاری
آپ سے ہو سکا، سو کر دیکھا

اُن لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سَو سَو طرح سے مر دیکھا

زور عاشق مزاج ہے کوئی
دردؔ کو، قصّہ مختصر، دیکھا

(دیوان: میر دردؔ)

خواجہ میر دردؔ (۱۷۱۹ء۔۱۷۸۵ء)

نام خواجہ میر، تخلّص دردؔ تھا۔ والد کا نام خواجہ محمد ناصر عندلیب تھا۔ والد کا رجحان بھی شعر و شاعری کی طرف تھا۔ اُن کا دیوان "نالۂ عندلیب" کے نام سے مشہور ہے۔ دردؔ کی تعلیم و تربیت میں ان کے والد کا بھی بہت حصّہ ہے۔ وہ ۲۸ برس کی عمر میں دنیا چھوڑ کر گوشہ نشین ہو گئے۔ سلطنتِ مغلیہ کے زوال اور ملکی انتشار کے باعث جب اکثر شعرا دِلّی کو چھوڑ کر دوسرے شہروں کی طرف چلے گئے تو ان حالات میں دردؔ واحد شاعر تھے جو ہر حال میں وہاں موجود رہے اور زندگی کے آخری لمحات دِلّی کی اُسی بارہ دری میں گزارے، جہاں اُن کا قیام رہا تھا۔

دردؔ کو موسیقی سے بھی بہت شغف تھا۔ وہ خود اِس فن میں صاحبِ کمال تھے۔ ان کے مکان پر ہر ماہ محفلِ سماع منعقد ہوتی تھی جس میں بڑے بڑے قوال اور ماہرینِ فن جمع ہوتے اور اپنا کمال دکھاتے۔ دردؔ کی شاعری ان کی حقیقی زندگی کا عکس معلوم ہوتی ہے۔ وہ اُردو کے سب سے بڑے صوفی شاعر تھے۔ ان کی شاعری تصوف کے سنجیدہ مسائل کے باوجود سادگی اور معنی آفرینی کے جوہر سے مالا مال ہے۔ ان کے یہاں بے تکلّفی اور بے ساختہ پن نظر آتا ہے۔ اثر پذیری اور درد مندی ان کا خاص وصف ہے۔ ان کا دیوان اگرچہ مختصر ہے لیکن سراپا درد ہے۔

مشق

ا۔ درج ذیل سوالات کے جواب لکھیں:

الف۔ محبوب جس طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟

ب۔ جگ میں آکر شاعر کس نتیجے پر پہنچا؟

ج۔ نالہ، فریاد، آہ اور زاری ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا اس شعر کا مرکزی خیال لکھیں۔

د۔ شاعر کو اپنے محبوب سے کیا شکایت ہے؟ بہ حوالہ شعر ۴

ز۔ شاعر نے قصہ مختصر کرنے کا کیوں کہا؟ بہ حوالہ شعر ۵

۲۔ پڑھی گئی غزل کے درج ذیل حصے کو دہراتے ہوئے حوالوں اور دلائل کے ساتھ اظہار رائے کرتے ہوئے متعلقہ حصے پر جزئیات کے ساتھ تبصرہ پیش کریں:

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا
تُو ہی آیا نظر، جدھر دیکھا
جان سے ہو گئے بدن خالی
جس طرف تُو نے آنکھ بھر دیکھا
نالہ، فریاد، آہ اور زاری
آپ سے ہو سکا، سو کر دیکھا

۳۔ تصوف کی روایات اور موضوعات کی مناسبت سے خواجہ میر درد کا نام بہت اہم ہے۔ میر درد کی اس غزل میں موضوعات کی شناخت کرتے ہوئے شاعر/مصنف اور قارئین کے نقطۂ نظر کے ساتھ اس کی وضاحت کے لیے اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔

۴۔ طلبہ "یومِ اقبال" کے مقاصد اور سامعین کی دلچسپی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، مختلف اشعار، حوالہ جات کی مدد سے کم از کم ۳۵۰ الفاظ پر مشتمل تقریر لکھیں، اور صبح کی اسمبلی میں سنائیں۔

اصنافِ نظم کے محاسن: (علم بیان: تشبیہ، استعارہ، کنایہ، مجاز مرسل)

i۔ تشبیہ اور ارکان تشبیہ

تشبیہ کے لفظی معنی ایک چیز کو دوسری چیز کی مانند قرار دینا یا مثال دینا۔ علم بیان کی رو سے ایک چیز کسی مشترک خوبی کی بنا پر دوسری چیز کی مانند قرار دیا جائے۔ جب کہ وہ خوبی دوسری چیز میں زیادہ پائی جاتی ہو تو اسے تشبیہ کہتے ہیں۔ مثلاً: چشمے کا پانی برف کی طرح ٹھنڈا ہے۔

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

تشبیہ کے پانچ ارکان ہوتے ہیں:

مشبہ: جس کو تشبیہ دی جائے۔ جیسے اوپر دی گئی مثالوں میں پانی اور ہستی

مشبہ بہ: جس سے تشبیہ دی جائے۔ جیسے اوپر دی گئی مثالوں میں برف اور حباب

حرفِ تشبیہ: وہ حروف جو تشبیہ دینے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ جیسے اوپر دی گئی مثالوں میں کی طرح، کی سی

وجہِ تشبیہ: وہ مشترک خوبی جسے واضح کرنا مقصود ہو۔ جیسے اوپر دی گئی مثالوں میں ٹھنڈک، عارضی یا نازک پن

غرض تشبیہ: وہ مقصد جس کے لیے تشبیہ دی جائے۔ جیسے اوپر دیے گئے شعر میں پانی کا ٹھنڈا ہونا، زندگی کا عارضی یا نازک ہونا

ii۔ استعارہ اور ارکانِ استعارہ

استعارہ کے لفظی معنی ادھار لینے کے ہیں۔ علم بیان کی رو سے جب کوئی لفظ اصل کی بہ جائے مجازی معنوں میں استعمال ہو اور اس کے حقیقی اور مجازی معنوں کا میں تشبیہ کا تعلق ہو تو اسے استعارہ کہتے ہیں۔ یوں سمجھ لیں کہ تشبیہ میں جو بات مشبہ میں ہوتی ہے اس کا ذکر استعارہ میں نہیں ہوتا۔ لیکن استعارہ میں مشبہ بہ کو مشبہ مان لیا جاتا ہے۔ مثلاً: ماں اپنے بچے کے لیے کہے: چاند سو رہا ہے۔

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا
شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا

ارکان استعارہ: استعارہ کے تین ارکان ہوتے ہیں۔

الف۔ مستعار لہ: جس کے لیے لفظ اُدھار لیا جائے اس کا ذکر استعارے میں نہیں ہوتا۔ اوپر دی گئی مثالوں میں بچہ اور عظیم شخصیت (مرزا غالب) بہ طور مستعار لہ کے استعمال ہوئے ہیں۔

ب۔ مستعار منہ: جو لفظ یا معنی اُدھار لیے جائیں۔ اوپر دی گئی مثالوں میں چاند اور روشن چراغ

ج۔ وجہ جامع: مشترک خوبی یا خامی، اوپر دی گئی مثالوں میں خوب صورتی اور علم کی روشنی۔

iii۔ کنایہ

کنایہ کے لغوی معنی چھپی ہوئی، پوشیدہ یا مبہم بات کے ہیں۔ جب کوئی لفظ حقیقی کی بہ جائے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال ہو کہ اس سے حقیقی معنی بھی مراد لیے جا سکیں۔ مثلاً: بال سفید ہو گئے مگر عادتیں نہ بدلیں۔ یہاں بال سفید ہونا سے مراد عمر کا زیادہ ہونا ہے۔

اُسے کالے نے کاٹا سے مراد سانپ نے کاٹا۔

کنایہ کی چھے اقسام بتائی جاتی ہیں: کنایہ قریب، کنایہ بعید، تلویح، تعریض، رمز، ایما

iv۔ مجاز مرسل:

اگر کسی لفظ کو حقیقی کی بہ جائے مجازی (غیر حقیقی) معنوں میں استعمال کیا جائے اور دونوں میں تشبیہ کے علاوہ کوئی اور تعلق ہو تو اُسے مجاز مرسل کہتے ہیں۔ مجاز مرسل کے استعمال کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(i) جزو کہہ کر کُل مراد لینا۔ مثلاً انسان کی زندگی چار دن کی ہے۔
(ii) کُل کہہ کر جُزو مراد لینا۔ مثلاً احمد لاہور میں رہتا ہے۔
(iii) ظرف کہہ کر مظروف مراد لینا۔ مثلاً اکرم نے بوتل پی۔
(iv) مظروف کہہ کر ظرف مراد لینا۔ مثلاً چائے چولھے پر رکھی ہے۔

(v) سبب بول کر مسبب مراد لینا۔ مثلاً آج تو بادل خوب برسے ہیں۔

(vi) مسبب بول کر سبب مراد لینا۔ مثلاً دریا بہ رہا ہے۔

(vii) ماضی بول کر حال مراد لینا۔ مثلاً کسی ریٹائرڈ پرنسپل کو اب بھی پرنسپل کہنا۔

(viii) مستقبل بول کر حال مراد لینا۔ مثلاً میڈیکل کے طالب علم/طالبہ کو ڈاکٹر کہہ کر پکارنا۔

۵۔ تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور مجاز مرسل کے استعمال کے دو دو اشعار لکھیں۔

سرگرمی

درج ذیل میں سے تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور مجاز مرسل کی شناخت کریں:

جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں
یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں

اور لے آئے بازار سے اگر ٹوٹ گیا
ساغرِ جم سے مرا جامِ سفال اچھا ہے

پلکوں سے گر نہ جائیں یہ موتی سنبھال لو
دنیا کے پاس دینے والی نظر کہاں

کہا میں نے کتنا ہے گُل کو ثبات
کلی نے یہ سُن کر تبسم کیا

سنگ زنی کی گُل کے بدلے
دِیں صلواتیں قُل کے بدلے

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا
شہر میں ایک چراغ تھا نہ رہا

کچھ کرو فکر مُجھ دیوانے کی
دھوم ہے پھر بہار آنے کی

جس سر کو غرور آج ہے یاں تاج وری کا
کل اُس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اُودے اُودے، نیلے نیلے، پیلے پیلے پیرہن

کتنا ہے بدنصیب ظفرؔ دفن کے لیے
دو گز زمیں نہ ملی کُوئے یار میں

غزل ۲: مرزا اسد اللہ خان غالبؔ

اس غزل کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- کسی بھی نظم (غزل) کو پڑھ کر حوالوں کے ساتھ اس کے اشعار کی تشریح کرتے ہوئے تنقید و تبصرہ کر سکیں۔
- معلوماتی کتب، قاموس مترادفات، انٹرنیٹ، انسائیکلوپیڈیا، لغات وغیرہ سے حوالہ جاتی مواد تلاش کر کے برمحل استعمال کر سکیں۔
- نظم/غزل کے اشعار کی حوالوں (شاعری کا پس منظر، انداز بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کر سکیں۔
- اصنافِ نظم کے محاسن کو شناخت کر سکیں۔
- مختلف سامعین اور مقاصد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کسی بھی موضوع پر اشعار اور حوالوں کے ساتھ کم از کم ۳۵۰ الفاظ پر مشتمل تقریر لکھ سکیں۔

خاص الفاظ					
	اَجزائے اِیماں	اہلِ جہاں	دیوارِ زِنداں	پِنہاں	بزمِ آرائیاں
	نِگارِ طاقِ نِسیاں	غَزل خواں	مُوحِد	کیش	دَبِستاں

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- درست آہنگ کو ملحوظ رکھتے ہوئے طلبہ کو باآواز بلند تحت اللفظ غزل ادائی کی نشست کروائی جائے۔ غزل خوانی سے قبل غالبؔ کا سوانحی تعارف کروائیں۔ اردو غزل کی تاریخ میں غالبؔ کے مقام اور مرتبے کا احساس پیدا کریں۔ علم بدیع کے حوالے سے اشعار میں مختلف صنعتوں کے استعمال کی وضاحت بھی کریں۔

اردو ادب میں شاعری کے علاوہ مرزا غالب کی شہرت کی وجہ کیا

سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

یاد تھیں ہم کو بھی رنگارنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں

قید میں یعقوبؑ نے لی گو نہ یوسفؑ کی خبر
لیکن آنکھیں روزنِ دیوارِ زنداں ہو گئیں

میں چمن میں کیا گیا، گویا دبستاں کھل گیا
بلبلیں سُن کر مرے نالے، غزل خواں ہو گئیں

ہم موحّد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رُسوم
ملّتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

رنج سے خُوگر ہُوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

یوں ہی گر روتا رہا غالؔب تو اے اہلِ جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

(دیوانِ غالؔب)

مرزا اسد اللہ غالؔب (۱۷۹۷ـ۱۸۶۹ء)

مرزا اسد اللہ بیگ خان نام اور غالؔب تخلّص تھا۔ انھیں نجم الدولہ، دبیر الملک نظام جنگ کے خطابات حاصل تھے، عرفیت مرزا نوشہ تھی۔ وہ اردو زبان کے سب سے بڑے شاعروں میں سے ایک سمجھے جاتے ہیں۔ آگرہ میں پیدا ہوئے اور دہلی میں وفات پائی۔ ان کے والد کا نام مرزا عبداللہ بیگ تھا۔ غالؔب بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تھے۔ ان کی پرورش میرزا نصر اللہ بیگ خان نے کی جو ان کے چچا تھے۔ آٹھ سال کے تھے کہ ان کے چچا کا بھی انتقال ہو گیا۔ ۱۸۵۰ء میں قلعہ دہلی کی باقاعدہ ملازمت اختیار کی۔ استاد محمد ابراہیم ذوقؔ (۱۷۹۰ـ۱۸۵۴) کی رحلت کے بعد آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے استاد مقرر ہوئے اور ملک الشعرا کا مرتبہ پایا۔ دیر سے پنشن کی بحالی کے بعد عمر کا آخری حصہ اس پنشن پر گزارا۔ البتہ والیٔ رامپور کا وظیفہ تاحیات ملتا رہا۔

غالؔب اردو اور فارسی زبانوں کے نابغۂ روزگار شاعر اور ادیب تھے۔ غالؔب کی ادبی اور شاعرانہ عظمت کا اعتراف ان کی زندگی ہی میں کیا جانے لگا تھا۔ وہ انسانی نفسیات اور زندگی کے نشیب و فراز کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ اس لیے ان کے کلام میں انسانی جذبات، احساسات اور مشاہدات بڑی ہنر مندی سے موزوں ترین الفاظ میں بیان ہوئے ہیں۔ غالؔب شاعری میں اپنی مشکل پسندی کے رجحان کے لیے بھی معروف ہیں۔ غالؔب کے کلام میں نادر تشبیہات، تماثیل، کنائے، ایجاز و اختصار، شوخی اور ظرافت، معنوی پہلوداری اور فکری عناصر کی آمیزش بے حد متاثر کرتی ہے۔

مشق

۱۔ اصنافِ نظم کے محاسن کو شناخت کر کے درج ذیل کثیر الانتخابی سوالات کے درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) مشترکہ صفت کی بنیاد پر ایک چیز کو دوسری چیز جیسا کہنا، کیا کہلاتا ہے؟

الف۔ تشبیہ　ب۔ استعارہ　ج۔ کنایہ　د۔ مجازِ مرسل

(ii) تشبیہ میں لفظ اپنے کن معنوں میں استعمال ہوتا ہے؟

الف۔ غیر حقیقی　ب۔ مجازی　ج۔ مرادی　د۔ حقیقی

(iii) استعارہ کے کتنے ارکان ہوتے ہیں؟

الف۔ ایک　ب۔ دو　ج۔ تین　د۔ چار

(iv) بچے نے بسم اللہ پڑھی۔　یہ جملہ کس کی مثال ہے؟

الف۔ مجازِ مرسل کی　ب۔ استعارہ کی　ج۔ کنایہ کی　د۔ تشبیہ کی

(v) اسے کالے نے کاٹا۔　یہ جملہ مثال ہے:

الف۔ محاورے کی　ب۔ کنائے کی　ج۔ ضرب المثل کی　د۔ کہاوت کی

(vi) کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا　تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا　یہ شعر مثال ہے:

الف۔ تشبیہ کی　ب۔ مجازِ مرسل کی　ج۔ کنایہ کی　د۔ استعارے کی

(vii) جس کو تشبیہ دی جاتی ہے اسے قواعد کی رُو سے کیا کہیں گے؟

الف۔ مستعار لہ　ب۔ مشبہ بہ　ج۔ مشبہ　د۔ وجہ جامع

(viii) تشبیہ کے ارکان ہوتے ہیں:

الف۔ پانچ　ب۔ چھے　ج۔ سات　د۔ آٹھ

(ix) استعارہ میں جس سے معانی ادھار لیے جاتے ہیں، اسے قواعد کی رو سے کیا کہیں گے؟

الف۔ وجہ تشبیہ　ب۔ مستعار منہ　ج۔ مستعار لہ　د۔ وجہ جامع

(x) دریا بہ رہا ہے۔　قواعد کی رُو سے یہ جملہ کس کی مثال ہے؟

الف۔ تشبیہ　ب۔ استعارہ　ج۔ کنایہ　د۔ مجازِ مرسل

۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں:

(الف) غالبؔ کو کیا کچھ یاد تھا جو انھیں بھول گیا؟

(ب) غالبؔ نے کس کی آنکھوں کو دیوارِ زنداں کا روزن کہا؟

(ج) غالبؔ کے چمن میں آنے سے بلبلوں کے غزل خواں ہونے سے کیا مراد ہے؟

(د) مرزا غالبؔ کے مطابق ملتیں کس طرح ایمان کے اجزا بن جاتی ہیں؟

(ہ) مرزا غالبؔ کے خیال میں انسان کی مشکلیں کس طرح ختم ہوتی ہیں؟

۳۔ درج ذیل اشعار کی حوالوں کے ساتھ تشریح کرتے ہوئے تنقید و تبصرہ کریں:

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں
قید میں یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر
لیکن آنکھیں روزنِ دیوارِ زنداں ہو گئیں
میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھُل گیا
بلبلیں سُن کر مرے نالے غزل خواں ہو گئیں

۴۔ ''مرزا غالبؔ نے اردو غزل میں ایک نئی روح پھونکی۔'' معلوماتی کتب، قاموسِ مترادفات، انٹرنیٹ، انسائیکلوپیڈیا، لغات وغیرہ سے اس موضوع کا حوالہ جاتی مواد تلاش کر کے بر محل استعمال کریں۔

۵۔ مرزا غالبؔ کی غزل کے درج ذیل اشعار کی حوالوں (شاعری کا پس منظر، اندازِ بیان، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کریں:

رنج سے خُوگر ہُوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں
یوں ہی گر روتا رہا غالبؔ تو اے اہلِ جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

۶۔ مختلف سامعین اور مقاصد کو کو مدِ نظر رکھتے ہوئے درج ذیل موضوعات میں سے کسی ایک پر اشعار اور حوالوں کے ساتھ کم از کم ۳۵۰ الفاظ پر مشتمل تقریر لکھیں:

الف۔ صحت و صفائی

ب۔ مسئلہ کشمیر

ج۔ حب الوطنی

ایسے دو دو اشعار لکھیں جو تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور مجاز مرسل کی ذیل میں آتے ہوں۔

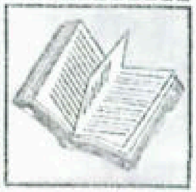

۳

غزل ۳: علامہ محمد اقبالؔ

اس نظم کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- نظم و نثر کو فہم کے ساتھ پڑھ کر مصنف/شاعر کی تکنیک، مقصد اور اسلوب پر مبنی سوالات کے جوابات دے سکیں۔
- منظوم اور منثور اصنافِ ادب پڑھ کر مصنفین کے طرزِ تحریر پر تبصرہ کر سکیں۔
- اپنی گفتگو میں جذبے اور تاثر کے حوالے سے شدت اور لہجے کے زیر و بم کا لحاظ رکھ کر ڈرامائی کیفیات ادا کر سکیں۔
- نظم اور غزل کے اشعار کے حوالوں (شاعری کے پس منظر، اندازِ بیان، تنقیدی محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کر سکیں۔
- الفاظ و معانی سے واقفیت اور ان کے انتخاب میں لغت اور تھیسارس کا استعمال کر سکیں۔
- درست تلفظ کی فہم کے لیے اعراب کا استعمال کر سکیں۔
- نظم/غزل کے عناصر (مصرع، مصرعِ اولیٰ، مصرعِ ثانی، شعر قافیہ، ردیف مطلع، مقطع، مطلعِ ثانی) کو شناخت کر سکیں اور ان کا شاعرانہ استعمال سمجھ سکیں اور شاعری میں اس کے استعمال کے فہم کو وسعت دے سکیں۔
- جملوں کی (جملوں کی ساخت، بناوٹ، روزمرّہ اور محاورے کے لحاظ سے غلط فقرات) درستی کر سکیں۔

خاص الفاظ					
	تہی	قناعت	رنگ و بو	آشیاں	نشیمن
	آہ و فغاں	روز و شب	الجھ	زمان و مکاں	راز داں

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو علامہ اقبالؔ بہ طور قومی شاعر کے بارے میں بتائیں اور علامہ اقبالؔ کی شاعری کے مختلف تصورات سے آگاہی دیں۔

- علامہ اقبالؔ کو شاعرِ مشرق کیوں کہا جاتا ہے؟ پچھلی جماعت میں پڑھی گئی علامہ اقبالؔ کی غزل کا ایک شعر سنائیں۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
تہی، زندگی سے نہیں یہ فضائیں
یہاں سیکڑوں کارواں اور بھی ہیں

قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بُو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں
اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم
مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں
گئے دن، کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

(بالِ جبریل)

علامہ اقبالؔ (۱۸۷۷ء-۱۹۳۸ء)

آپ ۱۸۷۷ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سیالکوٹ سے، جبکہ ایف۔اے، بی۔اے اور ایم۔اے (فلسفہ) بالترتیب ۱۸۹۵ء، ۱۸۹۷ء اور ۱۸۹۹ء میں کیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں اُستاد بھی رہے۔ بعد میں انگلستان سے بار ایٹ لا کیا اور جرمنی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی۔ آپ کا سنِ وفات ۱۹۳۸ء ہے۔ اقبالؔ شاعر، قومی سیاسی راہ نما، عظیم مفکر، دانش ور اور صاحب علم تھے۔ ان کی شاعری ملک و قوم کے لیے بیداری، آزادی، حرکت و عمل اور خودی و خودداری کا پیغام لے کر آئی۔

علامہ اقبالؔ کی نظموں میں تغزل کی خوبی نمایاں ہونے کے ساتھ ساتھ موضوعات اور ہیئتوں کا تنوع بھی موجود ہے۔ آغاز میں علامہ اقبالؔ نے "ایک پہاڑ اور گلہری"، "ایک گائے اور بکری"، "دعا" جیسی نظمیں بچوں کے لیے لکھیں۔ ان کے ساتھ "والدہ مرحومہ کی یاد میں" جیسا مرثیہ بھی تخلیق کیا۔ تاہم آپ کی نظمیہ شاعری کے نقطہ عروج کی ابتدا "شکوہ" اور "جواب شکوہ" جیسی طویل نظموں سے ہوتی ہے۔ ان معرکۃ الآرا نظموں کے بعد "خضرِ راہ"، "ساقی نامہ"، "ابلیس کی مجلس شوریٰ"، "مسجد قرطبہ" اور دیگر نظمیں بھی تحریر کیں جن میں عالم اسلام کے انحطاط اور زوال کا رونا ہی نہیں رویا بلکہ ماضی کے آئینے میں مستقبل کی تصویر بھی دکھانے کی کوشش کی۔ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ، انحطاط و زوال کے اسباب، آزادی کی تڑپ، خودی، عشق اور عقل، مغربی تہذیب و تعلیم پر تنقید جیسے اہم موضوعات کو علامہ اقبالؔ نے اپنی فکری و فنی پختگی کے ساتھ نظموں کا حصہ بنایا۔ اُن کے اُردو شعری مجموعوں میں "بانگِ درا"، "ضربِ کلیم"، "بالِ جبریل"، "ارمغانِ حجاز" جب کہ "پیامِ مشرق"، "جاوید نامہ" اور "اسرارِ خودی، رموزِ بے خودی" اور "زبورِ عجم" فارسی کلام کے مجموعے ہیں۔

اقبالؔ پاکستان کے قومی شاعر ہیں۔ پاکستان بننے کا خواب بھی اقبالؔ نے دیکھا تھا، اِسی وجہ سے انھیں مصوّرِ پاکستان بھی کہا جاتا ہے۔ اقبالؔ کی شاعری ہمارے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ان کے کلام کو زیادہ سے زیادہ پڑھیں تاکہ ہمارے اندر اسلامی اور پاکستانی سوچ پروان چڑھے۔

مشق

۱۔ متن/دی گئی غزل کے مطابق درج ذیل الفاظ میں سے درست جواب کا انتخاب کریں:

(i) غزل کے مطلع کی بنیادی شرط ہے:

الف: دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں　ب: دونوں مصرعے ہم ردیف ہوں　ج: غزل کا پہلا شعر ہو　د: غزل کا آخری شعر ہو

(ii) اس غزل کی ردیف ہے:

الف: اور بھی ہیں　ب: اور　ج: اور بھی　د: بھی ہیں

(iii) غزل کے دوسرے شعر میں قافیہ استعمال ہوا ہے:

الف: امتحاں　ب: کارواں　ج: آشیاں　د: جہاں

(iv) غزل کے کون سے شعر کے دونوں مصرعوں میں مرکبِ عطفی استعمال ہوا ہے؟

الف: چوتھے　ب: پانچویں　ج: چھٹے　د: ساتویں

(v) غزل کے مطابق "شاہین" کس طرف پرواز کرتا ہے؟

الف: آبادی کی طرف　ب: جنگل کی طرف　ج: آسمان کی طرف　د: زمین کی طرف

۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب لکھیں:

الف۔ اس غزل کا بنیادی تصور کیا ہے؟

ب۔ "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں" اس مصرعے کی وضاحت کریں۔

ج۔ شاعر نے اس غزل کے کس شعر میں "صنعتِ تضاد" استعمال کی ہے؟ مثال دیں۔

د۔ غزل کا پانچواں شعر "علمِ بیان" کی کس قسم کی مثال ہے؟

۳۔ شاملِ نصاب غزل کو پڑھ کر "علامہ اقبال" کی غزل گوئی پر تبصرہ کریں۔

۴۔ درج ذیل اشعار کے حوالوں (فنی اور فکری جائزہ لیتے ہوئے) کے ساتھ تشریح کریں:

تہی، زندگی سے نہیں یہ فضائیں
یہاں سیکڑوں کارواں اور بھی ہیں

قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم
مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

۵۔ طلبہ، علامہ اقبال کی نظم ''ایک گائے اور بکری'' کو اپنی گفت گو کے انداز میں تاثر کے حوالے سے شدت اور لہجے کے زیر و بم کا لحاظ رکھ کر ڈرامائی کیفیت میں پیش کریں۔

۶۔ درج ذیل جملوں کو ساخت، بناوٹ، روزمرہ اور محاوروں کے لحاظ سے درست کریں:

الف۔ زاہد اور میں مری کی سیر کو گیا۔

ب۔ دن بدن مہنگائی بڑھتی جا رہی ہے۔

ج۔ فقیر نے مجھے دعا نکالی۔

د۔ ملزم، پولیس کو دیکھ کر سات چار، گیارہ ہو جاؤ۔

ہ۔ دوست وہ جو خوشی میں کام آئے۔

لغت اور تھیسارس کا استعمال

اُردو زبان و ادب کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمارے سامنے بہت سے ایسے الفاظ آتے ہیں جو ہمارے لیے غیر مانوس ہوتے ہیں اور ہم نہ صرف اِن کے معانی اور مطالب سے واقف نہیں ہوتے بلکہ اس بات سے بھی بے خبر ہوتے ہیں کہ اِن الفاظ کی اصل کیا ہے اور وہ کہاں سے اور کس زبان سے آئے ہیں اور اُردو میں آکر انھوں نے کیا شکل اختیار کی ہے؟ اِسی طرح اِن کے لُغوی اور اصطلاحی معنی کیا ہیں اور اِن کے استعمال کا طریقہ کیا ہے؟ یہ سب کچھ جاننے کے لیے لغت کا سہارا لیا جاتا ہے۔

تھیسارس لفظوں کا ارتقا بیان کرتا ہے۔ تھیسارس لفظ یونانی زبان سے انگریزی میں آیا ہے اور اِس کا مطلب ہے ذخیرہ یا خزینہ۔ بعد میں یہ لفظ خزینۂ الفاظ کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ تھیسارس ہمیں مختلف موضوعات اور تصورات کے بارے میں مناسب لفظوں کی فہرست مہیا کرتا ہے۔

مثلاً: اگر ہم ''بے اطمینانی'' کے بارے میں جاننے کے خواہش مند ہیں تو تھیسارس ہمیں اس طرح کے الفاظ مہیا کرے گا: عدم طمانیت، نا آسودگی، اختلاف، بدمزاجی، چڑچڑاپن، شکوہ شکایت، نکتہ چینی، دل برداشتگی، مایوسی، کرب، پیچ و تاب، ملال، ناراضی، جُز بُز، آزردہ وغیرہ۔

۷۔ الفاظ و معانی سے واقفیت اور ان کے انتخاب میں درج ذیل کے لیے لُغت اور تھیسارس کا استعمال کریں:

مسجد، بدن، داستان، منڈی، فرنیچر، مدرسہ، دار المطالعہ

۸۔ درست تلفظ کی فہم کے لیے اعراب کا استعمال کریں۔

جگ، ادھر ادھر، نظر، جدھر، بدن، مسیحائی، عاشق مزاج

نظم / غزل کے عناصر:

شعر:

مصرع: مصرع کے لغوی معانی ہیں دروازے کا ایک پٹ، ایک تختہ یا ایک طرف کا کواڑ۔ اصطلاح میں آدھا شعر، بیت یا فرد کا نصف حصہ۔ شعر کی ایک سطر کو مصرع کہتے ہیں۔

مصرعِ اولی: شعر کے پہلے مصرعے یا سطر کو مصرع اولی کہتے ہیں۔

مصرعِ ثانی: شعر کے دوسرے مصرعے کو مصرع ثانی کہا جاتا ہے۔

قافیہ: قافیہ لفظ قفو سے ماخذ ہے جس کے معانی پیچھے آنے والے کے ہیں۔ شعری اصطلاح میں ہم آواز الفاظ کو قافیہ کہتے ہیں۔ قافیہ کے بغیر غزل نہیں ہو سکتی۔

ردیف: ردیف کے لغوی معانی گھڑ سوار کے پیچھے بیٹھنے والے کے ہیں۔ شعر اصطلاح میں قافیہ کے بعد دہرائے جانے والے الفاظ کو ردیف کہتے ہیں۔ ردیف کے بغیر غزل ہو سکتی ہے اس لیے جس غزل میں ردیف ہوگا اسے ''مردف'' غزل جب کہ جس غزل میں ردیف نہیں ہوگا اسے غیر مردف غزل کہیں گے۔

مطلع: مطلع کے لغوی معانی ہیں طلوع ہونے کا مقام۔ غزل کا پہلا شعر جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ یا ہم ردیف ہوں تو اُسے مطلع کہا جاتا ہے۔

مطلعِ ثانی: قصیدے یا غزل میں اگر مطلع کے بعد ایسا شعر آ جائے جس میں قافیہ ردیف کا اہتمام مطلع ہی کے طرز پر ہو تو اُسے مطلع ثانی کہیں گے۔

مقطع: مقطع کے معانی قطع کرنے یا کاٹنے کے ہیں۔ غزل یا قصیدے کے آخری شعر کو مقطع کہتے ہیں جس میں شاعر اپنا تخلص بھی استعمال کرے۔

۹۔ درج ذیل غزل میں سے شعر، مصرع، مصرع اولی، مصرع ثانی، قافیہ، ردیف، مطلع، مطلع ثانی اور مقطع کو شناخت کریں اور ان کے شاعرانہ استعمال کے فہم کی وسعت کو سمجھیں:

کون کہتا ہے کہ موت آئی تو مر جاؤں گا
مَیں تو دریا ہوں سمندر میں اتر جاؤں گا

تیرا در چھوڑ کے میں اور کدھر جاؤں گا
گھر میں گھر جاؤں گا صحرا میں بکھر جاؤں گا

تیرے پہلو سے جو اٹھوں گا تو مشکل یہ ہے
صرف اک شخص کو پاؤں گا جدھر جاؤں گا

چارہ سازوں سے الگ ہے مرا معیار کہ میں
زخم کھاؤں گا تو کچھ اور سنور جاؤں گا

زندگی شمع کی مانند جلاتا ہوں ندیم
بجھ تو جاؤں گا مگر صبح تو کر جاؤں گا

(احمد ندیم قاسمی)

سرگرمی

اپنے کالج کے کتب خانے سے علامہ اقبال کی کتاب "بانگِ درا" سے کوئی سی غزل تلاش کریں اور اپنی استانی صاحبہ/استاد محترم کی نگرانی میں اسے ترنم کے ساتھ اپنی جماعت کے طلبہ ساتھیوں کو سنائیں۔

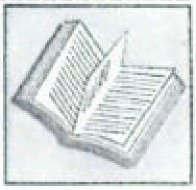

غزل ۴: محسنؔ احسان

اس غزل کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- مباحثوں، مذاکروں اور سیمی ناروں میں حصہ لیتے ہوئے کسی موضوع کے حق یا مخالفت میں دلائل اور آداب کے ساتھ اپنا نقطہ نظر پیش کر سکیں۔
- غزل کی شاعری میں مطلع، مطلع ثانی او مقطع کو شناخت کر سکیں اور ان کے استعمال کی اہمیت واضح کر سکیں۔
- ڈیجیٹل لائبریری/لائبریری کی درجہ بندی اور فہرست کی ترتیب کو سمجھتے ہوئے اسکا استعمال کر سکیں۔
- محاورات اور ضرب الامثال کے استعمال سے تخلیقی تحاریر میں معنویت اور معیار کو بڑھا سکیں۔
- مفہوم برقرار رکھتے ہوئے متن میں متبادلات سے واقف ہوتے ہوئے استعمال کر سکیں۔
- مجازی اور اصطلاحی محضر میں گفت گو کر سکیں۔
- اصناف نظم کے محاسن (علم بدیع) کو شناخت کر سکیں۔

خاص	نشاطِ شامِ وِصال	مَہ و سال	سَیر نُما	چشم پوشی	اَمیر شہر جَمال
الفاظ	اَسیر جرص وہَوا	قفس	غم شَناس	زعم خود نگری	مَنصب وجاہ

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو ڈیجیٹل لائبریری/لائبریری کی درجہ بندی اور فہرست کی ترتیب سمجھاتے ہوئے اس کا استعمال کرنا سکھائیں۔ اس مقصد کے لیے طلبہ کو لائبریری لے کر جائیں تاکہ مختلف الماریوں میں پڑی ہوئی مختلف کتابوں مثلاً: ناول، افسانے، ڈرامے، داستان، سفرنامے کی درجہ بندی اور فہرست کی ترتیب کو سمجھتے ہوئے اس کا استعمال کریں۔

خیبر پختون خوا کے چند قومی سطح کے معروف ادیبوں اور شعرا کے نام بتائیں۔

وہی خواب آنکھوں میں ڈال دے جو نشاطِ شام وصال دے
جو پلک جھپک میں گزر گئے مجھے پھر وہی مہ و سال دے

یہ گداگروں کی ہیں بستیاں یہاں چشم پوشی گناہ ہے
تُو امیر شہرِ جمال ہے تو زکوٰۃ حسن و جمال دے

مجھے شوق سیر سما نہیں میں اسیر حرص و ہوا نہیں
میں قفس میں عمر گزار دوں وہ ضمانتِ پر و بال دے

مرا غم شناس کوئی تو ہے، مرے آس پاس کوئی تو ہے
مرے حرف کو جو خلوص دے مرے لفظ کو جو کمال دے

تجھے زعم خود نگری سہی، مجھے فخر قربِ حبیب ہے
میں ہوں عکس عکس میں جلوہ گر مجھے آئینوں سے نکال دے

وہی تیرگی کی روایتیں، وہی ظلمتوں کی حکاتیں
تُو وکیلِ صبح حیات ہے ،کوئی روشنی کی مثال دے

نہ ہے چاہ منصب و جاہ کی، نہ ہوس ہے تخت و کلاہ کی
میں غریب ہوں تو غیور رکھ مجھے صرف رزقِ حلال دے

مری سوچ میں نئے موسموں کی شگفتگی کی شمیم ہو
میں اسیر فکرِ قدیم ہوں مجھے تازگیٔ خیال دے

ہے دعائے محسنؔ بے نوا کہ نگارِ شعر کو ہو عطا
وہ چمک جو تابشِ مہر دے وہ مہک جو نافِ غزال دے

(ناگزیر)

محسن احسان (۱۹۳۲ء۔۲۰۱۰ء)

محسن احسان کا اصل نام احسان الٰہی تھا اور وہ ۱۵/اکتوبر ۱۹۳۲ء کو پشاور میں پیدا ہوئے تھے۔ انھوں نے انگریزی ادب میں ماسٹرز کیا تھا اور ۳۵ سال تک اسلامیہ کالج، پشاور میں انگریزی کی تدریس سے وابستہ رہے تھے۔

محسن احسان کی نظموں اور غزلوں کے مجموعے "ناتمام"، "ناگزیر"، "ناشنیدہ"، "نارسیدہ" اور "سخن سخن مہتاب" نعتیہ شاعری کا مجموعہ "اجمل و اکمل"، قومی نظموں کا مجموعہ "مٹی کی مہکار" اور بچوں کی شاعری کا مجموعہ "پھول پھول چہرے" کے نام سے اشاعت پذیر ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے خوش حال خان خٹک اور رحمٰن بابا کی شاعری کو بھی اردو کے قالب میں ڈھالا تھا۔ حکومتِ پاکستان نے ان کی خدمات کے اعتراف کے طور پر انھیں ۱۹۹۹ء میں صدارتی تمغا برائے حُسن کارکردگی عطا کیا تھا۔ ۲۳ ستمبر ۲۰۱۰ء کو محسن احسان برطانیہ کے شہر لندن میں وفات پاگئے۔ وہ پشاور میں پشاور یونی ورسٹی کے قبرستان میں آسودۂ خاک ہیں۔

مشق

۱۔ درج ذیل سوالات کے درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) ہم آواز الفاظ کو کیا کہتے ہیں؟

الف۔ ردیف　ب۔ محاورہ　ج۔ ذو معانی الفاظ　د۔ قافیہ

(ii) قافیہ کے بعد دہرائے جانے والے الفاظ کو کہتے ہیں:

الف۔ ردیف　ب۔ روزمرہ　ج۔ تشابہات　د۔ ہم آواز الفاظ

(iii) ایسی غزل جس میں ردیف استعمال ہو، اُسے کیا کہتے ہیں؟

الف۔ مردّف　ب۔ غیر مردّف　ج۔ مسجع　د۔ بے وزن

(iv) مطلع، غزل کا کون سا شعر ہوتا ہے؟

الف۔ پہلا　ب۔ دوسرا　ج۔ درمیان کا　د۔ آخری

(v) وہی خواب آنکھوں میں ڈال دے جو نشاطِ شامِ وصال دے　جو پلک جھپک میں گزر گئے مجھے پھر وہی مہ و سال دے

اس شعر میں قافیہ کون سے الفاظ کو کہیں گے؟

الف۔ آنکھوں، نشاط　ب۔ ڈال، وصال، سال　ج۔ خواب، مجھے　د۔ دے، دے

(vi) عورتوں سے متعلق باتیں کرنا۔۔۔۔ قواعد کی رو سے کس کے معانی ہیں؟

الف۔ قصیدہ　ب۔ شہر آشوب　ج۔ غزل　د۔ مثنوی

۲۔ درج ذیل اشعار پڑھ کر دیے گئے سوالات کے جواب لکھیں:

وہی خواب آنکھوں میں ڈال دے جو نشاطِ شامِ وصال دے
جو پلک جھپک میں گزر گئے مجھے پھر وہی مہ و سال دے

یہ گداگروں کی ہیں بستیاں یہاں چشم پوشی گناہ ہے
تو امیرِ شہرِ جمال ہے تو زکوٰۃ حسن و جمال دے
مجھے شوق سیر سما نہیں میں اسیر حرص و ہوا نہیں
میں قفس میں عمر گزار دوں وہ ضمانتِ پر وبال دے
مرا غم شناس کوئی تو ہے، مرے آس پاس کوئی تو ہے
مرے حرف کو جو خلوص دے مرے لفظ کو جو کمال دے

سوالات:

الف۔ پہلے شعر میں شاعر نے کن خواہشات کا اظہار کیا ہے؟

ب۔ درج بالا اشعار میں قافیہ ردیف کی نشان دہی کریں:

ج۔ دوسرے شعر کا مرکزی خیال لکھیں۔

د۔ تیسرے شعر میں شاعر نے پر وبال کی ضمانت کیوں طلب کی ہے؟

د۔ چوتھے شعر کے مطابق غم شناس نے شاعر کے لیے کیا کرنا ہے؟

ہ۔ شاعر کے خیال میں چشم پوشی کہاں گناہ ہے؟ بہ حوالہ شعر ۲

ز۔ دوسرے شعر میں شاعر نے امیرِ شہرِ جمال سے کیا مطالبہ کیا ہے؟

۳۔ درج ذیل موضوعات میں سے کسی ایک پر اپنے کالج میں ایک مذاکرہ، مباحثہ یا سیمی نار منعقد کرائیں اور اس میں حصہ لیتے ہوئے موضوع کے حق یا مخالفت میں دلائل اور آداب کے ساتھ اپنا نقطۂ نظر پیش کر سکیں:

الف۔ جمہوری رویے

ب۔ مسئلہ کشمیر

ج۔ بین المذاہب ہم آہنگی

د۔ قانون کا احترام اور پابندی

مطلع، مطلع ثانی، مقطع

غزل یا قصیدے کے پہلے شعر کو مطلع کہتے ہیں جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ یا ہم قافیہ ردیف ہوتے ہیں اگر مطلع کے بعد کے شعر میں بھی مطلع جیسا اہتمام ہو تو اُسے مطلع ثانی کہیں گے۔

غزل یا قصیدے کا آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرے مقطع کہلاتا ہے۔ مثلاً: فراق گورکھپوری کی درج ذیل غزلیات میں مطلع، مطلع ثانی اور مقطع کی مثالیں ملاحظہ کریں:

مثال نمبر ۱: (مطلع)

آج بھی قافلۂ عشق رواں ہے کہ جو تھا
وہی میل اور وہی سنگِ نشاں ہے کہ جو تھا

(مطلع ثانی)

پھر ترا غم وہی رسوائے جہاں ہے کہ جو تھا
پھر فسانہ بہ حدیثِ دگراں ہے کہ جو تھا

(مقطع)

تیرہ بختی نہیں جاتی دلِ سوزاں کی فراقؔ
شمع کے سر پہ وہی آج دھواں ہے کہ جو تھا

مثال نمبر: ۲

(مطلع)

کارگر عشق میں اب تک غمِ پنہاں نہ ہُوا
میں ابھی بے خبر کلفتِ ہجراں نہ ہُوا

(مطلع ثانی)

مانع دشت نوردی مجھے زنداں نہ ہُوا
در و دیوار سے کچھ ہوش کا ساماں نہ ہُوا

(مقطع)

اہلِ زنداں کا یہ مجمع ہے ثبوت اس کا فراقؔ
کہ بکھر کر بھی یہ شیرازہ پریشاں نہ ہُوا

۴۔اس غزل کے مطلع اور مقطع کی نشان دہی کریں اور دو تین جملوں میں ان کے استعمال کی اہمیت واضح کریں۔

۵۔مجازی اور اصطلاحی محضر کو پیش نظر رکھتے ہوئے درج ذیل تراکیب کو استعمال میں لا کر طلبہ آپس میں گفتگو کریں:

آسمان سے باتیں کرنا، ہاتھ دکھانا، سبز باغ دکھانا، گریہ یعقوب، قبر دارا، اینٹ سے اینٹ بجانا، آنکھیں دکھانا، قارون کا خزانہ

۶۔درج ذیل شعر کی نثر بنائیے اور اس کا مفہوم برقرار رکھتے ہوئے متبادلات سے واقف ہوتے ہوئے استعمال کریں:

آگے اس متکبر کے ہم ،خدا خدا کیا کرتے ہیں
کب موجود خدا کو،وہ مغرور خود آرا جانے ہے۔

اصنافِ نظم کے محاسن کا تصور اور شناخت (علمِ بدیع: تعارف اور اقسام)

i۔صنعتِ تلمیح: تلمیح کے لغوی معانی ہیں اشارہ کرنا، کلام میں قرآنی آیت، حدیثِ مبارکہ یا کسی تاریخی، مذہبی واقعے کی طرف اشارہ کرنا تلمیح کہلاتا ہے۔

چشمِ اقوام ، یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَک دیکھے

ii۔ صنعتِ تکرار: کلام میں لفظ یا الفاظ کو تکرار کے ساتھ استعمال کرنا یعنی اشعار میں ایک لفظ یا الفاظ کو بار بار استعمال کرنا صنعتِ تکرار کہلاتا ہے۔ مثلاً:

پتھّر کو گوہر کَہ کَہ کر
بد کو بہتر کَہ کَہ کر
ہم نے ماحول بگاڑا ہے
رہ زن کو رہ بر کَہ کَہ کر

شاعر نے ان اشعار میں لفظ "کَہ" کو تکرار کے ساتھ استعمال کر کے ایک حُسن پیدا کیا ہے جسے صنعتِ تکرار کہیں گے۔ اسی طرح

آدمی آدمی سے ملتا ہے
دل مگر کم کسی سے ملتا ہے

iii۔ صنعتِ مراعات النظیر: کلام میں ایسے متعدد الفاظ لے کر آنا جن کی آپس میں کوئی نہ کوئی نسبت ہو لیکن وہ باہم متضاد نہ ہوں صنعتِ مراعات النظیر کہلاتا ہے۔ مثلاً:

ہو مرا ریشۂ امید وہ نخلِ سر سبز
جس کی ہر شاخ میں ہو پھول ہر اک پھول میں پھل

اس مثال میں نخل، سرسبز، پھول، شاخ اور پھل ایک ہی نسبت کے الفاظ ہیں۔

iv۔ رعایتِ لفظی: کسی لفظ کو اس طرح استعمال کرنا کہ اس کے دو معانی نکلیں۔ ایک معنی تو موقع محل کے مطابق ہو اور سُننے والے کا ذہن بھی اس طرف جائے لیکن ذرا غور کرنے پر اس سے دوسرے معانی نکلیں۔

لام نستعلیق کا ہے اس بتِ خوش خط کی زلف
ہم تو کافر ہوں اگر بندے نہ ہوں اس لام کے
اس کے رخسار دیکھ جیتا ہوں
عارضی میری زندگانی ہے

v۔ صنعتِ مبالغہ: "مبالغہ" سے مراد ہے، حد سے بڑھنا، شعری اصطلاح میں مبالغہ اُس صنعت کا نام ہے جس کے ذریعے کسی شے یا شخص کی بعید از قیاس (ناقابل یقین حد تک بڑھا چڑھا کر) تعریف یا مذمت کی جائے:

یارو! شبِ فراق میں رویا ہوں اس قدر
تھا چوتھے آسمان پہ پانی کمر کمر

vi۔ صنعتِ حسن تعلیل: کلام میں کسی بات یا چیز کی علت (وجہ یا سبب) بیان کرنا جو در حقیقت علت نہ ہو۔ شاعری میں حسن تعلیل دراصل وہ صفت ہے جس میں شاعر ایسی چیز کو کسی چیز کی وجہ یا سبب فرض کرتا ہے جو دراصل اس کی علت نہیں ہوتی۔ مثلاً:

کون سی ہے وہ مصیبت مجھ پہ جو ٹوٹی نہیں
رات دن گردش میں ہفت آسماں میرے لیے

سجدہ شکر میں ہے شاخ ثمر دار ہر اک
دیکھ کر باغِ جہاں میں کرمِ عزوجل

۷۔ درج ذیل اشعار میں سے رعایتِ لفظی، حسنِ تعلیل، صنعت تلمیح، صنعت تکرار، صنعت مراعات النظیر اور صنعت مبالغہ کی شناخت کریں:

کیا کیا خضر نے سکندر سے
اب کسے رہ نما کرے کوئی

شانے سے بل نکال دیے زُلفِ یار کے
اک مار ہم نے زیر کیا ، مارمار کے

آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں ذرا
دانہ تُو، کھیتی بھی تُو، باراں بھی تُو، حاصل بھی تُو

یارو! شبِ فراق میں رویا ہوں اس قدر
تھا چوتھے آسمان پہ پانی کمرکمر

اُڑتی تھی خاک، خشک تھا چشمہ،حیات کا
کھولا ہُوا تھا، دھوپ سے ،پانی فرات کا

سُرخی اُڑی تھی پھولوں سے،سبزی گیاہ سے
پانی کنوؤں میں اُترا تھا سائے کی چاہ سے

سرگرمی

- ڈیجیٹل لائبریری کو استعمال کرتے ہوئے منیر نیازی کے تمام شعری مجموعوں کی فہرست مرتب کریں اور ہر شعری مجموعے کے سامنے اس کا سال اشاعت بھی تحریر کریں۔

۵

غزل ۵: ادا جعفری

اس غزل کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- کسی ادبی، علمی یا صحافتی موضوع پر اپنے مشاہدات، تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں استدلال، درست تلفظ اور مناسب لب و لہجے کے ساتھ زبانی (فی البدیہہ اور تیاری ہوئی) تقریر کر سکیں۔
- مباحثوں، مذاکروں، سیمیناروں میں حصہ لیتے ہوئے کسی موضوع کے حق یا مخالفت میں دلائل اور آداب کے ساتھ اپنا نقطۂ نظر پیش کر سکیں۔
- نظم/غزل کے اشعار کی حوالوں (شاعر کے پس منظر، انداز بیاں، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کر سکیں۔
- درست تلفظ کی فہم کے لیے اعراب کا استعمال کر سکیں۔
- محاورات اور ضرب الامثال کے استعمال سے تحاریر میں معنویت اور معیار کو بڑھا سکیں۔
- شاعرانہ صنعتوں (علم بدیع) کی شناخت کر سکیں اور ان کے استعمال کے استحسانی نقطۂ نظر کی وضاحت کر سکیں۔

خاص	دِل کے کنول	ہنگامِ سَحَر	کَڑی دُھوپ	خنک	خورشید ڈھلنا
الفاظ	گَردشِ دَوراں	سرِ شام	تیور	دو چار قدم	ازل سے

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو "اردو میں غزل گو شاعرات" کے موضوع پر ایک لیکچر دیں۔

پڑھیں

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

علم بدیع اور علم بیان کیا ہوتا ہے اور کلام میں ان کی کیا اہمیت ہے؟

یہ فخر تو حاصل ہے بُرے ہیں کہ بھلے ہیں
دو چار قدم ہم بھی تیرے ساتھ چلے ہیں

جلنا تو خیر چراغوں کا مقدر ہے ازل سے
یہ دل کے کنول ہیں کہ بجھے ہیں نہ چلے ہیں

تھے کتنے ستارے کہ سرِشام ہی ڈوبے
ہنگامِ سحر کتنے ہی خورشید ڈھلے ہیں

جو جھیل گئے ہنس کے کڑی دھوپ کے تیور
تاروں کی خنک چھاؤں میں وہ لوگ جلے ہیں

اک شمع بجھائی تو کئی اور جلا لیں
ہم گردشِ دوراں سے بڑی چال چلے ہیں
(کلیاتِ ادا جعفری)

ادا جعفری (۱۹۲۴ء تا ۲۰۱۵ء)

عزیز جہاں نام تخلص ادا اور قلمی نام ادا جعفری ہے۔ ابتدا میں ادا بدایونی کے قلمی نام سے لکھا کرتی تھیں۔ شادی کے بعد ادا جعفری کہلائیں۔ بدایوں میں پیدا ہوئیں۔ ابھی تین سال کی تھیں کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ والدہ نے اس طرح پرورش کی کہ محرومی کا احساس تک نہ ہونے دیا۔ شاعری میں شروع میں اختر شیرانی اور مرزا جعفر علی خاں اثر سے اصلاح لی۔ ادا جعفری کا پہلا مجموعہ کلام "میں ساز ڈھونڈتی رہی" ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا۔ ان کی دیگر کتابوں میں "شہرِ درد"، "غزالاں تم تو واقف ہو"، "سازِ سخن بہانہ" بہ شامل ہیں۔ انھیں آدم جی ادبی انعام مل چکا ہے۔

ادا جعفری کا اندازِ بیان سادہ، پُر اثر اور دل کش ہے۔ انھوں نے غزل کے روایتی موضوعات میں بھی نیا پن اور جدّت پیدا کر کے انھیں عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کر دیا ہے۔

مشق

۱۔ درج ذیل کثیر الانتخابی سوالات کے درست جواب کی نشان دہی کریں:

(i) درج ذیل میں سے کس لغوی معانی ہیں "اشارہ کرنا"؟

الف۔ تلمیح　　ب۔ تضاد　　ج۔ تکرار　　د۔ مراعات النظیر

(ii) پتا پتا، بُوٹا بُوٹا حال ہمارا جانے ہے　　جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

یہ شعر کس صنعت کی مثال ہے؟

الف۔ صنعت مبالغہ　　ب۔ صنعت تلمیح　　ج۔ صنعت مراعات النظیر　　د۔ صنعت تکرار

(iii) اس کے رخسار دیکھ جیتا ہوں   عارضی میری زندگانی ہے

یہ شعر مثال ہے:

الف۔ رعایتِ لفظی کی   ب۔ صنعت مبالغہ کی   ج۔ صنعتِ تکرار کی   د۔ صنعتِ لف ونشر کی

(iv) کیا کیا خضر نے سکندر سے   اب کسے رہ نما کرے کوئی

یہ شعر کس صنعت کی مثال ہے؟

الف۔ تکرار کی   ب۔ تضاد کی   ج۔ تلمیح کی   د۔ حسنِ تعلیل کی

(v) کس صنفِ شاعری کے ہر شعر کا موضوع الگ ہوتا ہے؟

الف۔ مرثیہ   ب۔ قصیدہ   ج۔ شہر آشوب   د۔ غزل

(vi) ہم آواز الفاظ کو کیا کہتے ہیں؟

الف۔ قافیہ   ب۔ ردیف   ج۔ ذو معانی لفظ   د۔ ہم معنی لفظ

(vii) پیاسی جو تھی سپاہِ خدا تین رات کی   ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی

اس شعر میں کون سی صنعت استعمال ہوئی ہے؟

الف۔ حُسنِ تعلیل   ب۔ مراعات النظیر   د۔ رعایت لفظی   د۔ مبالغہ

(viii) ع   علاماتِ اوقاف میں یہ علامت کس کی ہے؟

الف۔ مصرع کی   ب۔ شعر کی   ج۔ تخلص کی   د۔ حذف کی

۲۔ درج ذیل موضوعات پر اپنے مطالعے، تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں استدلال، درست تلفظ اور عمدہ لب ولہجے کے ساتھ زبانی (فی البدیہہ اور یاد کی ہوئی) تقریر کریں:

الف۔ میڈیا لٹریسی   (صحافتی موضوع)

ب۔ سائنس اور ٹیکنالوجی   (علمی موضوع)

ج۔ اقبال کا شاہین   (ادبی موضوع)

مباحثے کے آداب:

بحث و مباحثہ ہماری روز مرہ زندگی کا ایک اہم جزو ہے۔ اپنی سوچ، نقطۂ نظر اور افکار و خیالات کو دوسروں تک پہنچانے اور انھیں اپنی بات منوانے اور قائل کرنے کے لیے ہم اکثر بحث و مباحثہ میں حصہ لیتے ہیں۔ بعض اوقات بحث و مباحثے کے اصولوں اور آداب سے آگاہی نہ ہونے کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو قائل کرنے میں ہمیں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے خاص طور پر اُس وقت جب طلبا و طالبات کو کسی بحث و مباحثہ کے مقابلے میں حصہ لینا ہو۔ اگر ہم چند اصولوں کو پیشِ نظر رکھیں تو ہم یہ کام بہ آسانی کر سکیں گے۔

اہم اور ضروری نکات مکمل طور پر ذہن نشیں ہونے چاہئیں۔ آپ پر یہ بالکل واضح ہو کہ آپ اس مباحثے میں کیوں شرکت کر رہے ہیں۔ مقرر کیے گئے وقت سے کسی طور تجاوز نہ کریں۔ کیا بولنا ہے، کتنا بولنا ہے؟ اپنا نقطۂ نظر کیسے پیش کرنا ہے؟ اس سب کے لیے یہ بات یاد رکھیں کہ الفاظ کا چناؤ، زیر و بم، ادائی، تلفظ، لہجے کا اُتار چڑھاؤ اور باڈی لینگویج آپ کے دلائل کو مضبوط اور مؤثر بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ہال میں موجود دیگر شرکا کے دلائل کو بھی غور سے سنیں۔ بعض اوقات فی البدیہہ کوئی جملہ، شعر، دلیل یا قول ذہن میں آسکتا ہے جو ایک لمحے میں ساری بازی الٹ دے۔ اپنے دلائل کے اُن پہلوؤں پر ضرور غور کیجیے جن پر فریق مخالف اعتراض کر سکتا ہو۔ انداز نہایت واضح اور دو ٹوک ہو۔ تہذیب و شائستگی اور سنجیدگی سے اپنا نقطۂ نظر پیش کریں اور ایسا کرتے ہوئے کوئی جملہ ایسا استعمال نہ ہو جو کسی دل آزاری کا باعث ہو۔

سیاسی، مذہبی، مسلکی شخصیات اور نظریات پر تنقید سے اجتناب کریں۔ موضوع کے حق میں یا مخالفت میں بولیں؛ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، بس تحمل، بُردباری اور رواداری کے جذبے کے ساتھ اپنے دلائل پیش کر کے سامعین، حاضرین اور منصفین کو قائل کرنے کی کوشش کریں۔ آخر میں مباحثے کے منصفین کے فیصلے کو حتمی سمجھ کر خندہ پیشانی سے قبول کرنے کا حسنِ ظن اور ظرف بھی آپ کے اندر ہونا چاہیے۔

۳۔ اپنے اساتذہ کی زیرِ نگرانی اور رہ نمائی میں کالج میں بین الکلیاتی سطح پر درج ذیل موضوعات میں سے مباحثے، مذاکرے یا سیمی نار کا انعقاد کرائیں جس میں خود بھی حصہ لیتے ہوئے موضوع کے حق یا مخالفت میں دلائل اور آداب کے ساتھ اپنا نقطۂ نظر پیش کریں:

الف۔ مسئلہ کشمیر

ب۔ تعلیم امن وقت کی اہم ضرورت

ج۔ بین المذاہب ہم آہنگی

د۔ برداشت اور رواداری

۴۔ غزل کے درج ذیل اشعار کی حوالوں (شاعری کے پس منظر، اندازِ بیاں، شعری محاسن کے استعمال کی وضاحت) کے ساتھ تشریح کر سکیں:

یہ فخر تو حاصل ہے بُرے ہیں کہ بھلے ہیں
دو چار قدم ہم بھی تیرے ساتھ چلے ہیں

جلنا تو خیر چراغوں کا مقدر ہے ازل سے
یہ دل کے کنول ہیں کہ بجھے ہیں نہ جلے ہیں

تھے کتنے ستارے کہ سرِ شام ہی ڈوبے
ہنگامِ سحر کتنے ہی خورشید ڈھلے ہیں

۵۔ درست تلفظ کی فہم کے لیے اعراب کا استعمال کریں:

قدم، مقدر، سرشام، تیور، خنک، گردش

ضرب المثل اور محاورہ

i۔ ضرب المثل: یہ ایک مکمل جملہ ہوتا ہے اور کسی واقعے کو بتانے اور اس پر مہرِ تائید ثبت کرنے کا ایک نرالا انداز ہے جس سے گفت گو اور کلام میں چاشنی پیدا ہوتی ہے اور مضمون نہایت عمدہ ہو جاتا ہے۔ ضرب المثل کو کہاوت بھی کہتے ہیں۔ جیسے: انگور کھٹے ہیں۔

ii۔ محاورہ: دو یا دو سے زائد الفاظ جو حقیقی کی بہ جائے مجازی معنوں میں استعمال ہوں محاورہ کہلاتا ہے۔ مثلاً: آنکھیں دکھانا، آسمان سے باتیں کرنا۔

۷۔ درج ذیل محاورات اور ضرب الامثال کو اس طرح استعمال کریں کہ ان سے تحریر میں معنویت اور معیار بڑھ سکے:

آگ بگولا ہونا، خون سفید ہونا، طوطی بولنا، گھوڑے بیچ کر سونا، مٹھی گرم کرنا،

کاٹھ کی ہانڈی بار بار نہیں چڑھتی، اُلٹے بانس بریلی کو، جس کی لاٹھی اُس کی بھینس، ٹیڑھی کھیر، ڈوبتے کو تنکے کا سہارا

سرگرمی

کالج لائبریری سے میر انیس، علامہ اقبال اور فیض احمد فیض کے کلام کے کلیات جاری کرائیں اور ان میں سے ایسے اشعار تلاش کریں (ہر صنعت کے زیادہ سے زیادہ دو اشعار) جن میں صنعتِ تلمیح، رعایتِ لفظی، صنعتِ مراعات النظیر، صنعتِ حُسنِ تعلیل، صنعتِ مبالغہ، صنعتِ تکرار کا استعمال کیا گیا ہو۔ لکھے گئے ان اشعار پر استحسانی نقطۂ نظر کی وضاحت کریں۔

فرہنگ

کمال نفس اور مکارم اخلاق

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
ایذا رسانی	تکلیف دینا	بردباری	برداشت، تحمل
پست نگاہ	نیچی نظریں کر کے	تائید ربانی	رب کی تائید
رفع	بلندی	تلوار حمائل کرنا	تلوار گلے میں لٹکانا
جزالت	روانی، کثرت	جوامع الکلام	کلام جس کے بہت سے معانی ہوں
جودوکرم	بخشش اور مہربانی	حاشیہ بردار	درباری، نوکر
حلیم	اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام، بُردبار	خصائل	عادتیں، کردار
خودسری	اپنے آپ بہتر سمجھنا، ضدی، مغرور، خود پسند	خیر خواہ	بہتری چاہنے والا
شائستگی	تمیز، تہذیب	شستگیِ الفاظ	الفاظ کی پاکیزگی، سلیس، رواں
شمائل	وضع قطع، حلیہ، عادات	صادق اللہجہ	لہجے کے اعتبار سے سچا
غیظ و غضب	شدید غصہ	لغزش	خطا، عیب، لڑکھڑاہٹ

محشر

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
استدعا	درخواست، گزارش	اعراف	دوزخ اور جنت کے درمیان مقام
بُغض	دل میں رکھی جانے والی دشمنی	چٹیل میدان	جس میدان میں درخت اور پانی نہ ہو
خیر مقدم کرنا	خوش آمدید کہنا	سفید پوش	اجلے کپڑے پہننے والا، کم آمدنی ہونے کے باوجود باوقار زندگی گزارنے والا
شکل مسخ ہونا	شکل بگڑنا یا تبدیل ہونا	صور	بگل، وہ آواز جو حضرت اسرافیل حشر کے دن نکالیں گے
عناد	دشمنی		

ماں جی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
الہڑ	کم سن، بھولا بھالا	آشوبِ چشم	آنکھوں کا بہنا۔ ایک بیماری
بے حجابی	بے پردگی، بے شرمی	پائنتی	جس طرف سونے والے کے پاؤں ہوں
پاپیادہ	پیدل	پیندا	برتن کا نیچے والا حصہ
جوق در جوق	بڑی تعداد میں	چشم و چراغ	اولاد، بیٹا
حاجت روائی	ضرورت پوری کرنا	دانستہ	جان بوجھ کر
رغبت	شوق، دل چسپی	رفتہ رفتہ	آہستہ آہستہ
زیب تن	پہننا	زیریں حصہ	والا حصہ
قرق کرنا	ضبط کر لینا	لُو چلنا	گرم ہوا چلنا، سخت گرمی
مفلوک الحال	غریب	منہمک	مصروف
ناگہانی	اچانک آنے والی	ورثہ	باپ دادا سے ملی ہوئی چیز
وضع داری	رکھ رکھاؤ		

رستم و سہراب

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
پیرہن	لباس	سخن ہائے نیاز	عاجزی سے کہی گئی باتیں
فغاں	رونا دھونا	قہر و غضب	سخت غصہ
قضا	موت	موذی	زہریلا
ناشاد	اداس، ناخوش	نہاں رکھنا	چھپانا

شاخوں پہ جلے ہوئے بسیرے

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
استمرار	مسلسل، لگاتار	آفتابہ	لوٹا
بربنائے ایں وجوہ	ان وجوہات کی بنیاد پر	برخاستگی	محفل ختم ہونا
پرچہ لگنا	معلوم ہونا، خبر ملنا	تقاضائے عمری	عمر کا تقاضا

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
تھرتھری	کانپنا	خوش خُلقی	اچھے اخلاق
دھرم	مذہب	ڈیوڑھی	مکان کا وہ حصہ جو بیرونی دروازے سے جڑا ہو
ستم ظریفی	ظلم، زیادتی	سوہانِ روح	روح کے لیے بھی تکلیف کا باعث
شائستگی	تمیز، تہذیب	شقہ	خط، رقعہ
ضعفِ صحت	صحت کی کمزوری/خرابی	طوغیں	ایک قسم کی بڑی شمع، فوجی نشان
عالی نسب	خاندان کا اعلیٰ ہونا	قبرپوش	قبر کے اوپر رکھا کپڑا
کبیدگی	رنج، ملال	گریہ وبکا	رونا دھونا
لوبان	خالص خوش بو	مقسوم	اپنی قسمت، مقدر
موئے پریشاں	بکھرے بال	نرم خُوئی	نرم عادت

شروع قصے کا

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
آب دیدہ ہونا	آنکھوں میں آنسو آنا، رونا	بازپُرس	پوچھ گچھ
پامردی	بہادری	جمالِ جہاں آرا	دنیا کو سجانے والی خوب صورتی
جہاں گرد	دنیا میں گھومنے والا	چھتر	بادشاہوں وغیرہ پر سایہ کرنے والی چھتری
خاصہ	شاہی کھانا	خزانۂ معمور	بھرے ہوئے خزانے
دُبلاپے	دُبلا یا کم زور ہو جانا	ڈھنڈورا	شور، اعلان
رعیت	رعایا، عوام	شادیانے بجانا	خوشی منانا
صبح خیزے	صبح سویرے لُوٹ مار کرنے والے	طالع	قسمت کا ستارہ
غولِ بیابانی	بھوت پریت	فانوس	قندیل، لالٹین
کان دھرنا	توجہ سے سننا	کورنشات	درباری سلام
لیل ونہار	رات اور دن، حالات	لشکر مرفہ	بلند یعنی طاقت ور لشکر
منصفی	فیصلہ کرنا، انصاف کرنا	مقیش	چاندی یا سونے کے تار، چمک دار
نیست ونابُود کرنا	تباہ کردینا	یک بارگی	اچانک

بہادر خان کی سرگزشت

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
انبار	ڈھیر	پالیز	سبزہ زار، کھیت
پیش بینی	آنے والے حالات کا اندازہ لگانا	پیچ و تاب کھانا	غصے میں ہونا، بے چینی
دائمی	مستقل، ہمیشہ	روپوشی	خود کو چھپا لینا
قبر شق ہونا	قبر کا کھل جانا	کاریز	زمین کے اندر پانی بہنے کا راستہ/نالی
کھاتا پیتا کسان	خوش حال کسان	مزارعت	کھیتی باڑی
منشا	مرضی، خوشی		

کافی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
ازالہ	کمی پوری کرنا، زائل کرنے کا عمل	استصواب رائے عامہ	عام لوگوں کی رائے پوچھنا
افراط	کثرت، زیادہ ہونا	آمیزش	ملاوٹ
بھینی بھینی	لطیف خوش بو	پشیمان	شرمندہ
تنگی کام و دہن	کھانے پینے کی تنگی	تفکرات	پریشانیاں، فکریں
جرح	سوال جواب، بحث، تکرار	چڑاندے ہو کر	چڑچڑے ہو کر
چھنکار	بگھار، تڑکا	راقم السطور	سطریں یعنی تحریر لکھنے والا
دفع شر	فساد یا فتنے کو ختم کرنا	سوندھی سوندھی	مٹی پر پانی پڑنے سے نکلنے والی خوشبو
شور و شغب	بہت زیادہ آوازیں	صریحاً	بالکل واضح
قابل التفات	توجہ یا محبت کے قابل	قوت شامہ	سونگھنے کی قوت
کج بحثی	الٹی سیدھی باتیں	کشید کرنا	عرق نکالنا
لغو	بے فائدہ، بکواس	ماکولات	کھانے کی چیزیں
محمول کرنا	سمجھنا، قیاس کرنا	معتدل قوام	درمیانے درجے کا خمیر
معقولات	عقل کی باتیں	منطق	دلیل
مفرح	سکون یا خوشی دینے والی	مہک	خوشبو
مہین	باریک	نفس امارہ	گناہ یا برائی پر ابھارنے والا
وثوق	یقین		

مینار

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
اختراع	نئی چیز یا نئی دریافت کرنا	بادہ کش	شراب پینے والا
بُرج	مینار	برشکال	موسم برسات
جہانِ نو	نئی دنیا	جلوہ گاہ	جہاں سے نظارہ کیا جاسکے
چلمن	پردہ	سد	رکاوٹ، دیوار
سنگ و خشت	پتھر اور اینٹ	سنگلاخ	پتھریلی یا پتھریلا
شق	ٹکڑا، حصہ، جزو	شیوَن	رونا، ماتم
طمانیت	اطمینان، تسلی	عرشہ	بحری جہاز کی اوپر کی سطح
فنِ حرب	لڑائی یا جنگ کا فن	کوتاہ قامت	چھوٹا قد
لپائی	لیپنے کا عمل، گارے کی تہ جمانا	مضر	نقصان دہ

نظریۂ پاکستان

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
اقتدار	حکومت	الحاد	بے دینی، توحید کو نہ ماننا
انتشار	افراتفری	باہمی نفاق	آپس کی نااتفاقی
جمعیت	قومیت	خدا ترسی	خدا کا خوف، رحم دلی
ذہن نشین کرنا	یاد رکھنا	رواداری	پاس، لحاظ
زک پہنچانا	نقصان پہنچانا	شیوہ	عادت، طور طریقہ
طرزِ معاشرت	رہن سہن	عملِ پیہم	مسلسل جدوجہد
غلبہ	چھا جانا، غالب آنا	فریب	دھوکا
فلاح و بہبود	بہتری	قدم جمانا	قبضہ جمالینا
مستحکم	مضبوط	مفاہمت	صلح
ناگوار گزرنا	اچھا نہ لگنا	ولولہ	جوش، ہمت

حمد

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
التجائیں	دعائیں، درخواستیں، گزارشیں	تاعمر	ساری زندگی
خطائیں	غلطیاں، گناہ	رس گھولنا	لطف پیدا کرنا، سریلی آواز
سنگِ اسود	سیاہ پتھر جو خانہ کعبہ میں نصب ہے	صدا	آواز
طالب	چاہنے والا، خواہش مند	غلاف	پردہ
مقبول ہونا	مشہور ہونا		

نعت

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
اِذن	اجازت	جادۂ رحمت	رحمت کا راستہ
جواد	اللہ کا صفاتی نام، بخشش کرنے والا	سپردِ قلم کرنا	لکھنا
مدحت	تعریف	منحرف ہونا	پھر جانا، سرکشی یا بغاوت کرنا

میں روزے سے ہوں

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
برخوردار	بیٹا، بچہ	بہرِ زیارت	دیکھنے کے لیے
تکرار	بار بار دہرانا، جھگڑا	ڈُمچی	دُم پر باندھا جانے والا کپڑا
کترا کے چلنا	بچ کے چلنا	کرب	اذیت، تکلیف
گفتار	بات چیت	لحن	سریلی آواز

نثار میں تری گلیوں کے۔۔۔

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
اُستوار کرنا	مضبوط کرنا	اوج	بلندی، حکومت
اہلِ ہوس	لالچی لوگ	بست و کشاد	انتظامیہ
بہم ہونا	میسر/دست یاب ہونا	خدائی	اقتدار

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
روزنِ زنداں	قید خانے کا روشن دان	ریت	رسم
سگ	کتا	سلاسل	زنجیریں، بیڑیاں
سنگ و خشت	پتھر اور اینٹ	طالع	قسمت، نصیب، مقدر
طواف	پھیرا، گھومنا، چکر لگانا	گردشِ لیل و نہار	رات دن کی گردش، حالات
گرفت	پکڑ	مدعی	دعویٰ کرنے والا

انسانِ کامل کی برکات

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
پامال	تباہ، برباد، ذلیل و خوار	پوشاکیں	لباس
خرمن	کھلیان، ذخیرہ، انبار	زیست	زندگی، عمر
سجدہ ریز	سجدہ کرنا	صلائے عام	ہر ایک کے لیے دعوت
عجز	انکساری	کج کلاہوں	غرور کرنے والوں
مخزنِ خوبی	خوبیوں کا خزانہ	نیوشی	اچھے مشورے پر توجہ دینا

نئی نسل کا نوحہ

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
بھید	راز	جنسِ کمال	اعلیٰ قسم کی چیز
خمسہ	پانچ	دست رس	پہنچ

داستان تیاری میں باغ کی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
اتالیق	تربیت دینے والا، استاد	بوستان	باغ، شیخ سعدی کی کتاب
پارچہ	ٹکڑا، حصہ	چق	پردہ
خامۂ مشک بار	قلم جس سے خوش بو آئے	دست بستہ	ہاتھ باندھے
زربفت	سونے چاندی کے تاروں سے بنا کپڑا	قاز	کونج، آبی پرندہ

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
قرقرے	بگلے سے مشابہ ایک پرندہ	قُمریاں	فاختائیں
لبِ نہر	نہر کے کنارے	منڈیروں	چھتوں
معقول	حکمت و فلسفہ	معلم	تعلیم دینے والا استاد
منقول	روایت سے حاصل شدہ علم	مہ رُو	خوب صورت

غزل ۱ (میر دردؔ)

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
آہ و زاری	رونا دھونا	جگ	دنیا
سو طرح سے	ہر طریقے سے	مسیحائی کرنا	مرض کا علاج کرنا

غزل ۲ (مرزا غالبؔ)

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
بزم آرائیاں	محفل جمانا	پنہاں	چھپا ہوا
ترکِ رسوم	رسموں کا ترک کرنا	خُوگر	عادی
دبستان	مدرسہ، مکتب، اسکول	روزن	روشن دان، سوراخ
زنداں	قید خانہ	غزل خواں	غزل سنانا
کیش	عادت	موحد	ایک ذات کو ماننے والا

غزل ۳ (علامہ اقبالؔ)

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
انجمن	محفل، مجلس	تہی	خالی
رازداں	راز کو جاننے والا	زمان و مکاں	وقت اور جگہ
عالمِ رنگ و بُو	خوب صورت دنیا	قناعت	جو مل جائے اس پہ راضی ہونا
مقاماتِ آہ و فغاں	رونا پیٹنا، گریہ وزاری کے مقامات		

غزل ۴ (محسن احسان)

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
اسیر	قیدی	اسیرِ فکرِ قدیم	پرانی سوچ کا قیدی
آس پاس	ارد گرد، قریب	تابشِ مہر	سورج کی روشنی، چمک
تخت وکلاہ	اقتدار، تخت اور پگڑی	تیرگی	اندھیرا، تاریکی
چشم پوشی	چھپانا	حرص وہوا	لالچ
خود نگری	خود پسندی، خودداری	زعم	گمان، خیال، غرور
سپہر	آسمان، وقت، زمانہ، موقع	نسیم	صبح کی ہوا
غم شناس	دکھ کو سمجھنے والا	غیور	غیرت مند
قربِ حبیب	دوست کا قریب ہونا	قفس	پنجرہ
منصب وجاہ	شان وشوکت	نافِ غزال	ہرن کی ناف

غزل ۵ (ادا جعفری)

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
تیور	مزاج، نگاہ کا انداز	خنک	ٹھنڈ، سرد
خورشید ڈھلنا	سورج کا غروب ہونا	سرِ شام	شام ہوتے ہی
کڑی دھوپ	سخت دھوپ، گرمی	گردشِ دوراں	حالات، زمانہ، دنیا
مقدر	قسمت، تقدیر	ہنگامِ سحر	صبح کے ہنگامے، رونق

مؤلفین کا تعارف

محترم امجد اقبال

محترم امجد اقبال عرصہ پچیس سال سے اُردو مضمون کی تدریس و تعلم کے شعبے سے وابستہ ہیں۔ پنجاب یونی ورسٹی سے ایم۔اے اردو اور علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد سے ایم۔فل اُردو کی ڈگری حاصل کی۔ ۲۰۰۲ء سے شعبۂ اردو، اسلام آباد ماڈل کالج فار بوائز جی ۴/۱۰، اسلام آباد میں بہ طور ایسوسی ایٹ پروفیسر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔۔ وفاقی تعلیمی بورڈ، اسلام آباد جیسے پروفیشنل ادارے میں متعدد بار کمیٹی آف کورسز کے رکن کی حیثیت سے بھی سیکنڈری اور ہائر سیکنڈری سطح پر اپنی خدمات پیش کر چکے ہیں۔ ثانوی اور اعلیٰ ثانوی درجے کے اردو لازمی کے ماڈل پرچوں کی تیاری میں ٹیم کا حصہ اور ٹریز بھی ہیں۔ آرمی پبلک اسکول اینڈ کالج راولپنڈی، سٹی سکول اسلام آباد، رُوٹس اسکول اینڈ کالج اسلام آباد، الہدیٰ اسکول اینڈ کالج اسلام آباد میں حاصلاتِ تعلم کی تدریس کے حوالے سے بہ طور ٹریز کے بھی خدمات سرانجام دی ہیں۔ نیشنل بک فاؤنڈیشن کی مختلف سطحوں اور درجوں کی نصابی کتب میں بہ طور مصنف / مؤلف کام کیا۔ نیشنل کری کیولم کاؤنسل میں مختلف درجوں کی تدریسی کتب کے ساتھ ساتھ نیشنل بک فاؤنڈیشن کی طرف سے اشاعت پذیر ہونے والی تصانیف و تالیفات پہ بھی نظر ثانی کی خدمات سرانجام دی ہیں۔

ڈاکٹر خالد اقبال یاسر (تمغائے امتیاز)

ڈاکٹر خالد اقبال یاسر نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔اے (تاریخ) اور قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد سے ایم ایس سی (مطالعۂ پاکستان) کرنے کے بعد اُنھوں نے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے اقبالیات میں ایم۔ فل کیا اور جامعہ اسلامیہ بہاولپور سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ خالد اقبال یاسر اہم ادبی، علمی اور تعلیمی اداروں کی سربراہی کے فرائض سرانجام دے چکے ہیں۔ وہ طویل عرصے تک اکادمی ادبیات پاکستان کے سہ ماہی ادبی جریدے، ادبیات کے مدیر اعلیٰ رہے ہیں۔ اُن کے شعری مجموعے "دروبست"، "گردش مزاج" اور "رخصتی" شائع ہو چکے ہیں۔ اُنھوں نے بہت سی کتب اور مقالات کے تراجم بھی کیے ہیں۔ ان کے مقالے مسلّمہ تحقیقی جرائد میں شائع ہوتے ہیں۔ حکومت پاکستان نے ۲۰۱۰ء میں اُنھیں اعلیٰ سول ایوارڈ: "تمغائے امتیاز" سے نوازا۔ انھوں نے نمل یونیورسٹی، اسلام آباد کے شعبہ تصنیف و ترجمہ کے ناظم کے طور پر بھی کام کیا۔

جناب محمد شاہین ملغانی بلوچ

جناب محمد شاہین ملغانی بلوچ کا تعلق درس و تدریس کے شعبے سے ہے۔ آپ پاکستانی زبانوں کے ایم فل اسکالر ہیں۔ آپ نے اُردو، اقبالیات اور سرائیکی زبان و ادب میں ایم۔اے کی ڈگریاں اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور سے حاصل کیں۔ آپ نیشنل بک فاؤنڈیشن کے علاوہ نیچر فاؤنڈیشن آزاد جموں و کشمیر کے لیے بھی تدریسی کتب لکھ چکے ہیں۔ آپ نے کئی درسی کتب کی نظر ثانی کے فرائض بھی انجام دیے۔ آپ کے مضامین اور شاعری تعلیمی اداروں کے رسائل میں چھپتی رہتی ہے۔ آج کل آپ وفاقی نظامتِ تعلیمات اسلام آباد کے زیرِ اہتمام ایک تعلیمی ادارے میں بہ طور مدرس اُردو اپنے فرائضِ منصبی انجام دے رہے ہیں۔